

محدثانہ اصول فقہ و تحقیق کی روشنی میں پہلی تاریخی کتاب

صحیح تاریخ الاسلام و اسسلیج

بعثت رسول ﷺ سے سانحہ کربلا تک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اثباتی فضائل اور ان کی عدالت پر اعتراضات
کے جوابات اور ان کی پر خلوص مساعی مشکورہ کا تذکرہ

تصنیف

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر عثمان محمد ناصر کمال خمیس

مال مکتہ مکرمتہ

ترجمہ و تہذیب

ابوسعود عبدالحجربار سلفی

(اکیس اے ایم اوایل)

www.KitaboSunnat.com

مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

مقام



محدثانہ اصول تقید و تحقیق کی روشنی میں پہلی تاریخی کتاب

صحیح

تاریخ الاسلام والمسلمین

بعثت رسول ﷺ سے سانحہ کربلا تک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے لاثانی فضائل

اور ان کی عدالت پر

اعتراضات کے جوابات

اور ان کی پر خلوص

مساعی مشکورہ کا تذکرہ

تصنیف

ڈاکٹر عثمان بن محمد ناصری آل خمیس

ترجمہ و تہذیب

مولانا ابو مسعود عبد الجبار سلفی

ناشر

مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہلبیت



جملہ حقوق بحق مکتبہ الثقافۃ الاسلامیہ محفوظ ہیں

نام کتاب:

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین

تالیف: ڈاکٹر عثمان بن محمد ناصری آل خمیس

ترجمہ و تہذیب: ابو مسعود عبد الجبار سلفی

طبع دوم: 2011ء

صفحات: 336

قیمت: -/300 روپے

ناشر: مکتبہ الثقافۃ الاسلامیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

درود ابراہیمی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ!
بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

”اے اللہ! محمد (ﷺ) پر رحمتیں نازل فرما اور آل محمد پر جس طرح تو نے
ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں یقیناً تو بہت تعریف کے
قابل، نہایت بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر برکتیں نازل فرما
اور آل محمد پر جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل
فرمائیں یقیناً تو بہت تعریف کے قابل، نہایت بزرگی والا ہے۔“

فہرست

- حرفِ اوّل عرضِ مترجم 15
- خطبہ منسوخہ 22
- سخنِ چند 23
- پہلی فصل 27
- دوسری فصل 27
- تیسری فصل 27
- چوتھی فصل 27
- تمہید و تعارف 30
- ہم مطالعہ تاریخ کیسے کریں؟ 30
- ہم کن کی تاریخی مولفیات پڑھیں 32
- اس صورت میں ہم کیا پڑھیں 33

- 33..... مطالعہ تاریخ کے دوران احتیاط ■
- 37..... تاریخ طبری کو دوسروں پر مقدم سمجھنے کی وجوہات •
- 38..... تاریخ طبری میں امام محمد بن جریر طبری کا اسلوب نگارش •
- 41..... تاریخ مسخ کرنے کے لیے بعض مؤرخین کا طریق کار •
- 41..... 1۔ جھوٹ اور افتراء •
- 41..... 2۔ کسی اہم واقعہ کی شکل و صورت بگاڑنے کے لیے کمی بیشی کرنا •
- 42..... 3۔ نازک واقعات کا باطل مفہوم •
- 42..... 4۔ خامیوں اور غلطیوں کو اچھالنا •
- 42..... 5۔ تاریخی حادثات کی بابت شاعری کرنا •
- 43..... 6۔ جعلی کتابیں اور چٹھیاں لکھنا •
- 43..... تاریخ اسلام کی شکل بگاڑنے اور اس میں تدسیس کرنے میں شیعہ کا کردار •
- 44..... اہل سنت کے ہاں تحقیق کا منہج کب شروع ہوا؟ •
- 45..... حضرت رسول کریم ﷺ کی بعثت •
- 50..... خلافت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ •
- 52..... سقیفہ بنی ساعدہ •
- 58..... خلیفۃ الرسول ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل و مناقب •
- 58..... قبول اسلام •
- 59..... آپ کی ہجرت •
- 60..... آپؐ کے فضائل •

- 61..... آپ کا علم ■
- 62..... حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت ■
- 63..... حضرت رسول کریم کے آپ کی خلافت کی طرف اشارات ■
- 64..... سیدنا ابوبکر صدیق کی خلافت کے اہم واقعات ■
- 64..... ۱۔ لشکر اسامہ کی روانگی ■
- 64..... ۲۔ مرتدین کے خلاف جنگیں ■
- 65..... ۳۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی ■
- 66..... ۴۔ فتوحات فارس ■
- 66..... ۵۔ فتوحات شام ■
- 66..... ۶۔ قرآن کریم کو جمع کرنا ■
- 69..... خلافت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ ■
- 71..... آپ کا سلسلہ نسب ■
- 71..... آپ کا اسلام ■
- 72..... حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت ■
- 72..... آپ کے فضائل و مناقب ■
- 73..... امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے شاندار کارنامے ■
- 73..... ۱۔ فتح بیت المقدس ■
- 74..... ۲۔ جزیرۃ العرب سے یہودی جلا وطنی ■
- 74..... ۳۔ مسجد نبوی کی تعمیر نو ■
- 75..... ۴۔ ہجری سن کا آغاز ■

- خلافت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفانؓ 76
- آپ کا نام و نسب 76
- شوری کا واقعہ 76
- حضرت عثمانؓ کے فضائل و مناقب 86
- فتنے کے اسباب کیا تھے؟ 89
- پہلا سبب 89
- دوسرا سبب 92
- حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں امت مسلمہ کی خوشحالی 92
- تیسرا سبب 93
- امیر المومنین عثمانؓ، اور امیر المومنین عمرؓ فاروق کی طبع میں تفاوت 93
- چوتھا سبب 94
- بعض قبائل کا قریش کی حکومت کو بوجھل سمجھنا 94
- حضرت عثمانؓ پر اعتراضات 94
- حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ 96
- پہلا اعتراض قرابت داروں کو حاکم بنانا 96
- پہلے حاکم، حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما 100
- دوسرا حاکم، حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی السرح 100
- تیسرے حاکم، سعید بن العاص اموی 101
- چوتھے حاکم، عبداللہ بن عامر بن کریم 102

- پانچویں حاکم، ولید بن عقبہ 103
- دوسرا اعتراض 107
- تیسرا اعتراض 110
- چوتھا اعتراض 110
- پانچواں اعتراض 111
- چھٹا اعتراض 112
- ساتواں اعتراض 112
- آٹھواں، ناناواں اور دسواں اعتراض 114
- گیارھواں اعتراض 116
- پہلی توجیہ 117
- دوسری توجیہ 117
- تیسری توجیہ 118
- بارھواں اعتراض 118
- تیرھواں اعتراض 119
- شہادت عثمانؓ 120
- حضرت عثمان کو کون لوگوں نے شہید کیا؟ 123
- حضرت عثمان کس طرح شہید ہوئے اور صحابہ نے ان کا دفاع کیوں نہ کیا؟ 125
- پہلی وجہ 125

- 125..... دوسری وجہ ■
- 126..... تیسری وجہ ■
- 127..... خلافت سیدنا علیؓ بن ابی طالب ■
- 130..... جنگ جمل [۳۶ھ] ■
- 136..... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص کیوں نہ لیا؟ ■
- 139..... جنگ صفین [۳۷ھ] ■
- 145..... ان معرکوں میں کون کون سے صحابہ رسول شریک ہوئے؟ ■
- 146..... تحکیم (ثالثی) کا واقعہ ■
- 149..... جنگ نہروان [۳۷ھ] ■
- 156..... شہادت امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب [۴۰ھ] ■
- 159..... صحابہؓ کے درمیان اختلاف کے اسباب ■
- 161..... ان جنگوں کے متعلق صحابہ کرام کا موقف ■
- 163..... قاتلان صحابہ کے متعلق اہل سنت کا موقف ■
- 163..... صحابہ کے درمیان اختلافی معاملات میں حق کہاں ہے؟ ■
- 166..... خلافت امیر المؤمنین سیدنا حسن بن علیؓ [۴۰ھ] ■
- 168..... خلافت امیر المؤمنین معاویہ بن ابی سفیان ■
- 170..... یزید بن معاویہ کی بیعت ■
- 171..... یزید بن معاویہ کی بیعت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ■

- 172..... امیر یزید بن معاویہؓ خلافت کے لیے موزوں تھا یا نہیں؟ ■
- 175..... خلافت امیر یزید بن معاویہ بن ابوسفیانؓ ■
- 175..... عراقی، حضرت حسینؓ سے خط و کتابت کرتے ہیں ■
- 177..... حضرت حسینؓ کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی ■
- 181..... صحابہ کرامؓ کا حضرت حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکنا ■
- 181..... ۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی قریشی ■
- 182..... ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ■
- 183..... ۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ■
- 183..... ۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ■
- 184..... ۵۔ مشہور شاعر فرزدق ■
- 185..... کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا داخلہ ■
- 190..... سانحہ کربلا ■
- 192..... سانحہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ کون کون شہید ہوئے؟ ■
- 196..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کی شرعی حیثیت ■
- 198..... شہادت حسین کے متعلق لوگوں کے نظریات ■
- 200..... شہادت حسینؓ میں یزید کا کردار ■
- 201..... یزید بن معاویہؓ کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ■
- 204..... عدالت صحابہؓ ■
- 204..... صحابی کی لغوی تعریف ■
- 204..... صحابی کی اصطلاحی تعریف ■

- عصمت صحابہ؟ 211
- صحابہ کرام کی عدالت پر نکتہ چینی کرنے والے کون؟ 213
- بعض صحابہ کرام سے معاصی کا صدور ہونا؟ 213
- بعض صحابہ کافص سے منافق ہونا؟ 214
- عدالت کا تقاضا کہ درجات میں مساوات ہو؟ 214
- تمام صحابہ کی عدالت پر دلیل نہیں؟ 215
- صحابہ کرام کے متعلق شبہات اور ان کے جوابات 216
- پہلا شبہ اور اس کا جواب 216
- دوسرا شبہ اور اس کا جواب 221
- تیسرا شبہ اور اس کا جواب 225
- چوتھا شبہ اور اس کا جواب 228
- پانچواں شبہ اور اس کا جواب 229
- چھٹا شبہ اور اس کا جواب 232
- ساتواں شبہ اور اس کا جواب 234
- آٹھواں شبہ اور اس کا جواب 243
- نوواں شبہ اور اس کا جواب 245
- دسواں شبہ اور اس کا جواب 250
- ۱۔ حج تمتع 251
- ۲۔ حجة النساء (یعنی عورتوں سے منع) 252
- گیارھواں شبہ اور اس کا جواب 254

- 259..... ■ بارہواں شبہ اور اس کا جواب
- 261..... ■ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ کون؟
- 261..... ● حضرت علیؓ کی اولیت کے متعلق شیعہ کے دلائل
- 261..... ■ ۱۔ حدیث غدیر سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 271..... ● ۲۔ حدیث الکساء سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 275..... ■ چارٹ شجرہ بنی ہاشم
- 278..... ● ۳۔ آیت ولایت سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 284..... ● ۴۔ حَدِيثُ الْمَنْزِلَةِ سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 289..... ● ۵۔ آیت ذَوِی الْقُرْبٰی سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 292..... ● ۶۔ حدیث ثقلین سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 299..... ● ۷۔ حدیث عَلٰی مِنْیْ وَ اَنَا مِنْ عَلٰی سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم
- 301..... ■ سوالات
- 322..... ■ ۱۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا کثرت سے میل ملاپ رکھنا
- 322..... ■ ۲۔ ان کے حافظہ کے لیے حضرت نبی کریم ﷺ کی خصوصی دعا
- 323..... ■ ۳۔ ابو ہریرہؓ کا تعلیم کے لیے وقف رہنا۔
- 323..... ■ ۴۔ ان کے شاگردوں اور ان سے نقل کرنے والوں کی کثرت۔
- 323..... ■ ۵۔ آپ کی تاخیر وفات
- 324..... ■ حضرت ابو ہریرہؓ کا بے مثل حافظہ
- 324..... ■ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل علم کی شہادتیں

- خاتمۃ الکلام 328
- مراجع ومصادر 331
- بعثت رسول سے واقعہ کربلا تک 336

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرفِ اوّل..... عرضِ مترجم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَفْضَلِ
الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ.

یہ ایک عالمگیر سچائی ہے کہ استاد ہمیشہ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے اور درخت اپنے پھل سے تمیز رکھتا ہے۔ چنانچہ جس استاد کے شاگرد بااخلاق، لائق، ہمدرد اور سلیقہ مند ہوں، اس کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور اس کی قدر و منزلت کے ہر پہلو کو اُجاگر کیا جاتا ہے اور اس طرح جس درخت کا پھل شیریں اور لذیذ ہو اسے قدر و قیمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارا اس حقیقت پر ایمان و یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری کائنات کے سردار اور افضل و اکمل معلم ہیں، لہذا ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان کے شاگرد اور تلامذہ بھی تمام امتوں سے افضل و اکمل انسان تھے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے شاگردوں، جو صحابہ کرام کی جماعت کی صورت میں موجود ہیں، ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تصفیہ کا فریضہ اس خوبی اور کمال سے سرانجام دیا کہ حق تعالیٰ نے انہیں راشدوں، صادقوں، مفلحوں اور فائزون کے القاب سے نوازا۔ اس ضمن میں ذیل کی آیات عظمت صحابہ کی قدر و منزلت اور جلالت پر روشنی ڈالتی ہیں:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

”کہ تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ﴾ [مجادلہ: ۲۲]

”کہ (وہ لوگ جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے بیٹوں، بھائیوں، باپوں پر تلواریں سونت لی تھیں) تو انہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور وہ ان لوگوں سے دوستی بھی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت رکھتے ہیں (اور مخالفت کرنے والے یہ لوگ خواہ) ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی ہوں، یا ان کے قرابت دار ہوں کیونکہ اس نے ان کے دلوں میں (پتھر پر لکیر کی طرح) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے، اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں ان کی تعریف کر رہا ہو کہ

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تَرَاهُمْ رُكْعًا مَّسْجِدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا [فتح: ۲۹]

”کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم خو ہیں، تو انہیں اللہ سے خوشنودی اور فضل تلاش کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا۔“

چنانچہ جس استاد کے شاگرد امتحان کے موقع پر، ماسوائے دو تین کے، سب فیل ہو گئے ہوں اسے دنیا کا کون سا ادارہ کوئی تمغہ فضیلت دے گا؟ اور جس رسول کے صحابہ، اپنے ہادی و مرشد کے فوت ہوتے ہی مرتد ہو گئے ہوں، اسے دنیا کی کامیاب ترین ہستی کون قرار دے گا؟

الحمد للہ! ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ذوی العقول مخلوق سے افضل اور اولاد آدم کے سردار ہیں۔ تبلیغ رسالت میں، جتنی کامیابیاں آپ کے حصے میں آئیں کسی اور پیغمبر کے شمار میں نہیں آئیں اور جس قدر آپ کی امت اور خصوصاً صحابہ کرام اور تابعین عظام کو پختہ ایمان اور خلوص و توکل نصیب ہوا، اس قدر کسی اور امت کو نصیب نہ ہوا، لیکن اعدائے دین کو شاید ان کی یہ سرخروئی اور عظمت ایک آنکھ بھی نہ بھائی، چنانچہ انہوں نے مختلف بہانوں سے ان کی عظمت کو داغدار ثابت کرنے کے لیے کذاب راویوں کی مکذوبہ روایات کا سہارا لیا اور انہیں شائع کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لی۔ بقول شاعر (بتغییر سیر)

حَسَدُوهُمْ إِذَا لَمْ يَنَالُوا سَعِيَهُمْ
فَالْقَوْمُ أَعْدَاءُ لَهُمْ وَخُصُومُ

وَ تَرَى اللَّيْبَ مُحَسَّدًا لَمْ يَحْتَرَمْ
شَتَمَ الرِّجَالِ وَعِرْضُهُ مَشْتُومُ

وَكَذَٰكَ مَنْ عَظِمَتْ عَلَيْهِ نِعْمَةٌ
حُسَادُهُ سَيْفٌ عَلَيْهِ صَرُومٌ [1]

[1] ”کہ جب وہ ان کی طرح اچھے کارنامے سرانجام نہ دے سکے تو ان سے

حسد کرنے لگے چنانچہ قوم ان کی دشمن بن گئی اور آپس میں بھگڑنے لگی۔“

[2] ”تم دیکھتے ہو کہ دانشمند نے جرم بھی نہیں کیا ہوتا، لیکن وہ اپنی خوبیوں کی وجہ

سے محسود بن جاتا ہے اور اس کی عزت لوگوں کی دشنام طرازیوں کا خواہ مخواہ

نشانی بن جاتی ہے۔“

[3] ”اصل بات یہ ہے کہ جس شخص پر نعمت کی فراوانی ہو جائے اس کے حاسد،

اس کے حق میں تیز تلوار بن جاتے ہیں۔“

کس قدر المناک قضیہ ہے کہ جن ہستیوں نے اپنے خون سے شجرہ اسلام کی آبیاری کی اور اس کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور اس کے پیغام کو چہار داغِ عالم تک پہنچایا اور ان کی قربانیوں کی بدولت ہم اور ہمارے آباء و اجداد مسلمان ہوئے، آج ہم انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ ان کے متعلق سبائیوں (خفیہ یہودی تنظیم) کی مکذوبہ روایات سن کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں!!۔ چنانچہ کہیں تو مقتدر اہل بیت کرام کی تعظیم و تفعحیم کی آڑ میں شریعت کے حاملین صحابہ کرامؓ پر کچھ اچھالا جا رہا ہے، اور کہیں اسلام کا علم تھامنے اور اسے سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دینے والی مقتدر ہستیوں پر بے سرو پا بہتان لگائے جا رہے ہیں۔

کیا اس سے کہیں یہ مقصود تو نہیں کہ اس طریق سے رسالت مآب ﷺ کی رسالت ہی مشکوک بنا دی جائے؟..... کیونکہ انہی ہستیوں نے ہی تو اس بات کی گواہی دی کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اللہ کے پیغامات کو اس کے بندوں تک پہنچایا اور اپنے

سپر کی گئی امانت کو کما حقہ ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی سر توڑ کوشش کی اور کفر و شرک کی تاریکی دور کر کے اسلام کے نور کا جگمگا دیا۔ جب ان شاہدوں اور گواہوں (صحابہ کرامؓ) کی دیانتداری ہی چیلنج کر دی جائے تو ان کی گواہی اور شہادت بھی مسترد ہو جائے گی اور اس طرح اس شریعت اور منہاج کا خاتمہ ہو جائے گا، جس کے ذریعے گذشتہ نبوتیں اور شریعتیں منسوخ ہو گئی تھیں، کیونکہ قرآن کے ناقل اور راوی اور جامع بھی تو وہی صحابہ ہیں اور سنت رسول کے مدون بھی وہی ہیں۔ جب (نعوذ باللہ) وہ عادل نہ ہوئے تو اس دین کے دامن میں کیا رہ باقی جائے گا؟

لیکن الحمد للہ شیخین کریمین، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور سب کے سب صحابہ کرامؓ کے متعلق وہی کچھ سچ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ نے اس سے آگاہ فرمایا، نہ کہ وہ جو کذاب راویوں نے اپنے خبث باطن اور مذموم مقاصد کے لیے بیان کیا!!۔

اور پھر متعصب رافضیوں نے تو گویا قسم اٹھا رکھی ہے کہ جب تک وہ صحابہ کرامؓ اور خصوصاً شیخین کریمین کی عظمت اور ان کے کردار کو داغدار نہ کر لیں اس وقت تک عظمت اہل بیت کا بیان ہی شروع نہ کریں گے اور جب عظمت اہل بیت بیان کرنے کی غرض سے سٹیج پر آئیں گے تو انہیں اس مرتبہ سے کہیں اوپر لے جائیں گے، جو اللہ نے حقیقتاً ان کو بخشا ہے۔

یہ امر فہم سے بالاتر ہے کہ بعثت رسول سے لے کر تقریباً دو صدیوں بعد تک سادات کرامؓ کے ساتھ مروجہ مصنوعی محبت اور فداکاری کا موضوع کس بنا پر منظر عام پر نہ آسکا؟ اس کا سبب یا تو مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور قوت کے نقوش کا ثبت ہونا ہے، یا محافظ اسلام حکومتوں کی بیدار مغزی تھی کہ وہ حب اہل بیت کے جام شیریں میں نفرت صحابہ کرامؓ کا زہر گھولنے والے زہریلے

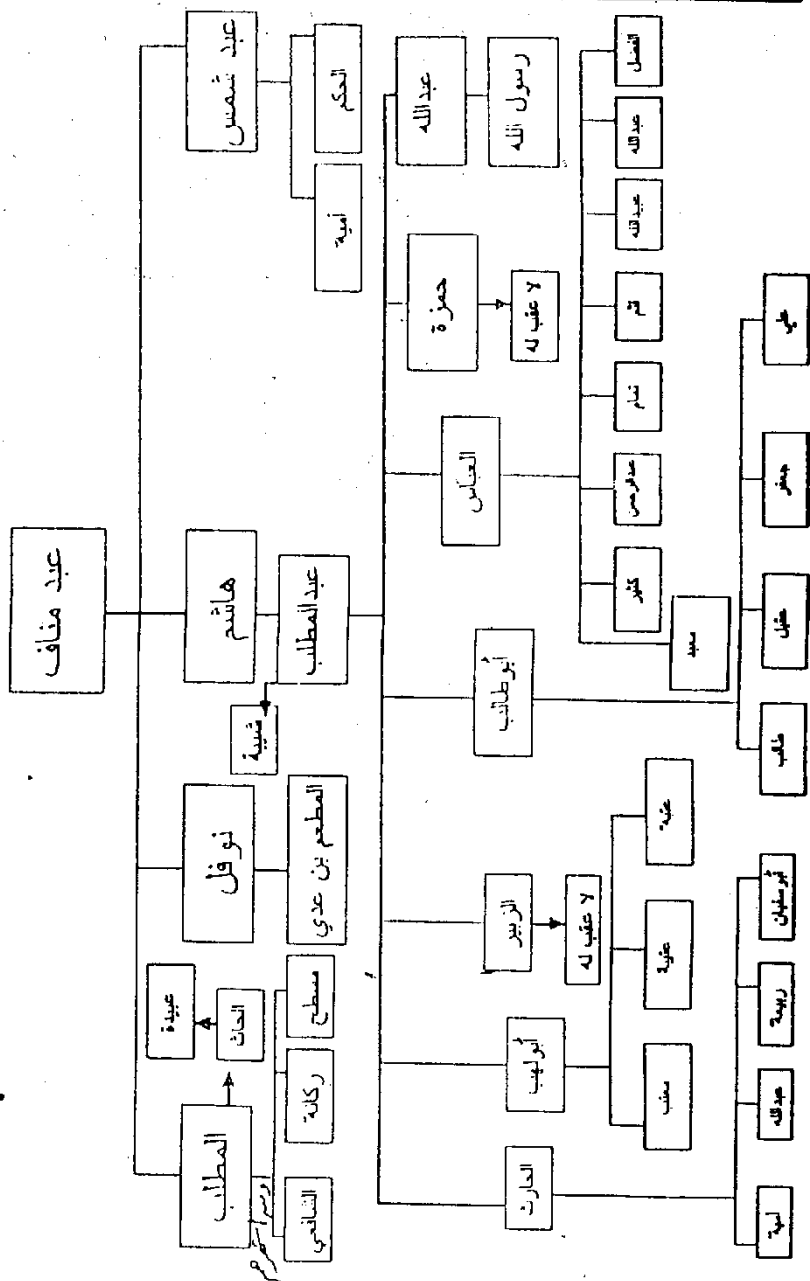
دشمنوں کا سر کچل ڈالتی تھیں۔ مگر جب سے مصنوعی مہبان اہل بیت کو عجمی اسلوب تعزیت کی بدولت ہمدردی اور اقتدار میسر آیا تو وہ دن رات اسلام کی بیخ کنی اور عظمت صحابہ کرام کو زائل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہمارے بعض مصنفین نے کتاب و سنت کی محقق روایات کے برعکس خلافت و ملوکیت کے حوالے سے ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جس سے اہانت صحابہ کا پہلو نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فضیلۃ الشیخ عثمان بن محمد الناصری آل نمیس حفظہ اللہ کو اجر جزیل اور فیض عمیم عطا فرمائے کہ انہوں نے عدالت صحابہؓ پر ایسی لا جواب تحقیقی اور علمی کتاب لکھی ہے جو جامعیت، اختصار اور دلکش اسلوب استدلال کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے صحابہ کرامؓ پر وارد کیے جانے والے تمام اعتراضات کے ایسے ثانی جوابات دیئے ہیں کہ سبحان اللہ!!! وعند اللہ فی ذاک الجزاء دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قابل احترام مؤلف، ناچیز مترجم اور اس کتاب کی اشاعت و طباعت میں تعاون کرنے والے حضرات کو ان قدسی نفوس کی صحبت نصیب فرمائے، جنہوں نے اپنا تن من دھن حضرت رسول کریم ﷺ پر نثار کر دیا تھا، یوں اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔

يَا رَبِّ لَا تَسْلُبْ عَنَّا جُبَّهْمْ اَبَدًا
وَ يَرْحَمْ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنَا

فقیر الی اللہ الغنی
ابو مسعود عبد الجبار سلفی

۱۰/ جون ۲۰۰۴ء



خطبہ منسوخہ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» [صلی اللہ علیہ وسلم]

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ) [آل عمران: ۱۰۲]

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) [النساء: ۱]

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا) [الأحزاب: ۷۰-۷۱]

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَ خَيْرُ الْهُدَى هَدَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» [1]

[1] یہ وہ خطبہ منسوخہ ہے جو حضرت رسول مقبول ﷺ اپنے ہر خطاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ [مترجم]

نخنے چند

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ
الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ.

جب کبھی میرے دل میں اس موضوع پر گفتگو کرنے کا خیال گزرتا تو میں کبھی ایک
قدم آگے بڑھاتا اور دوسرا قدم پیچھے ہٹا لیتا، کیونکہ اس موضوع پر بہت سے مصنفین
نے طبع آزمائی کی ہے، بسا اوقات حق و صداقت کو اجاگر کرنے اور زیادہ تر باطل
تصورات کو فروغ دینے کے لیے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اس موضوع پر تحقیق و تسوید میں
صدیاں بیت رہی ہیں لیکن (صحابہ کرامؓ جیسی مقدس) ہستیوں کی رفعت شان کی
بنا پر یہ موضوع پھر بھی ہمارے دلوں میں زندہ اور تابندہ ہے اور پھر یہ موضوع
اس بنا پر بھی تازہ رہتا ہے کہ گمراہ فرقے (اپنی کج فہمی کی وجہ سے ان ستاروں جیسی
صاف و شفاف ہستیوں پر) کیچڑا اچھالنے کی مذموم حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

اور جب یہ بات طے شدہ ہے کہ کلمہ حق ایسا نور ہے، جس سے رہنمائی حاصل کی
جاتی ہے نیز اس مقدس گروہ کا ہم پر احسان بھی ہے، لہذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے
اوپر ان کے احسانات کا کچھ تو حق ادا کریں۔ کیونکہ ان کا معاملہ دوسروں جیسا نہیں، ان
کا علم اور عمل اس قدر وسیع اور خالص تھا کہ اولین و آخرین میں سے کوئی امتی ان سے

آگے نہ بڑھ سکا اور نہ ہی ان کے برابر ہو سکے گا، کیونکہ یہی تو وہ ہستیاں تھیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین کو عزت بخشی اور اسے تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور ہم لوگ اصحاب رسول کریم ﷺ کے فضائل و مناقب پر والا و شیدا ہیں لیکن ان کے متعلق معصومیت کا دعویٰ بھی نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور انبیاء کرام کے سوا کسی کو معصوم نہیں بنایا۔

ہاں ان میں سے چند صحابہ کرام سے حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد چند تسامحات بھی ہوئے لیکن ان تسامحات کی حیثیت ان کی نیکیوں کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے پہاڑوں کے مقابلے میں ریت کے چند ذرات اور سیلاب کے مقابلے میں بارش کے چند قطرے۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نگاری نہایت نازک اور اہم کام ہے کیونکہ یہ فن قوموں کی عظمت و رفعت کے اہرام تعمیر کرتا ہے اور ان کے منہج اور حال و مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور جب تک کوئی قوم اپنے ماضی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط نہ کرے اور اپنے حال کی تعمیر اور مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے اس سے قوت حاصل نہ کرے، وہ جہان بینی کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے نہ اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکتی ہے۔ اور مسلمان قوم جیسی (عظیم قوم) دوسری اقوام سے اس کام کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ اس کی تاریخ کشور کشائی، شجاعت و بسالت اور بزرگی و برتری کے ایسے اعزازات رکھتی ہے کہ دیگر اقوام کی تاریخ اس کے مقابلے میں پرکاش کی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن دور حاضر میں ہماری ملت کی کمزوری (اور باہمی تفریق و تحزب) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بندروں اور خزیروں کی اولاد کو مسلط کر دیا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

مَنْ يَهْنُ يَسْهَلُ الْهَوَاُ عَلَيْهِ
مَا لِحَرْحِ بِمَيِّتٍ اِيْلَامٌ [1]

”جس طرح مردے کو زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس طرح ذلت و خواری پر بھی ہوئی قوم کو ذلت و خواری میں زندگی بسر کرنا چنداں مشکل نہیں۔“

اس ضعف و اضمحلال کے سائے میں ہماری قوم کی روشن اور برتر تاریخ کی طرف لڑنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہمیں اپنی اصلیت کے متعلق غور کرنا اور اپنے ارد گرد دیکھنا اور اپنے مستقبل کی طرف قدم بڑھانا آسان ہو جائے، لیکن یہ عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنی صحیح تاریخ کی طرف رجوع نہ کریں اور اس پر گہری نظر نہ ڈال لیں۔ اور صحیح چیز کے علاوہ کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔

اور اگر ہم اپنی تاریخ کو بنظر عمیق دیکھیں تو ہمیں اس کا وہ دور، یا عرصہ روشن ترین اور دودھ سے زیادہ سفید نظر آئے گا، جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے زندگی بسر کی اور یہی وہ پاکیزہ گروہ تھا جس نے اپنے کندھوں پر اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی ذمہ داری اٹھائی اور یہی مقدس ہستیاں انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔

اور فرقوں کی بہتات کی بنا پر مسلمان قوم کی تاریخ بے پناہ تحریف کا شکار رہی کیونکہ ان میں ہر فرقہ اس کوشش میں مصروف رہا کہ وہ اپنوں کی شان بڑھائے اور دوسروں کو گرائے، ان کے اس طرز عمل سے عظیم ترین ہستیوں کی تاریخ میں شگاف پیدا ہو گئے۔ مسلمان قوم میں سے چند لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس قدر غلو آمیز محبت کی کہ آپؐ کا معاملہ مکمل طور پر الجھا کر رکھ دیا اور آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو اصل واقعات اور تاریخ سے میل نہیں رھتیں اور اسی (کھیل

کے) دوران دوسرے صحابہ کرامؓ کی شان گھٹانے کی ناکام کوششیں کیں اور انہیں حضرت علیؓ کا حق غصب کرنے، ان پر ظلم کرنے نیز خود اپنے حق میں برا بیچ بونے والوں کے روپ میں پیش کیا، بلکہ اس محبت نما دشمنی میں اولاد علیؓ کو منصوص علیہم آئمہ قرار دیا اور انہیں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح معصوم قرار دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان سے بھی بڑھا دیا۔

اور صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ صحابہ کو مسخ کرنے کے اس عمل کی ابتدا تیسری صدی کا نصف گزرنے کے بعد ہوئی اور یہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں کبار صحابہ کرامؓ کے احوال اور ان کی صحیح روایات میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت علیؓ ان سے ناخوش تھے یا وہ ان سے ناراض تھے جیسا کہ شیعہ حضرات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بلکہ اس کے برعکس تمام مؤرخین (اس خوشگوار حقیقت پر) متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی لخت جگر حضرت عمرؓ کے نکاح میں دی اور اپنے بیٹوں کے نام ابو بکر و عمر رکھ کر اپنے پیشرو صحابہ کرام سے یگانگت اور محبت کا ثبوت دیا اور حضرت عمرؓ کے دور امارت میں منصب قضا قبول فرمایا اور شیخین کریمین اور دیگر صحابہ کرام کی مدح فرمائی۔

اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں اس موضوع پر لکھنے کے معاملے میں گوگو کی کیفیت میں مبتلا تھا، لیکن ثقہ قسم کے اہل علم سے مشورہ کے بعد میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس موضوع پر لازمی طور پر کچھ نہ کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس میں جو بات حق ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو راہ صواب سے ہٹ کر ہو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔

میں نے اپنی اس کتاب میں چودہ صدیوں پر محیط طویل اسلامی تاریخ کی ابتدائی

نصف صدی (۱۱ھ تا ۶۱ھ) کے محدود عرصے پر گفتگو کی ہے، جو کہ میرے خیال میں وفات رسول ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کا سب سے اہم دور ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کو چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل:

مطالعہ تاریخ کی کیفیت، امام طبری کے منہج اور اسلامی تاریخ میں سند کی اہمیت پر مشتمل ہے۔

دوسری فصل:

اس فصل میں، میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سانحہ ارتحال ۱۱ھ سے لے کر ۶۱ھ تک رونما ہونے والے واقعات پر بے لاگ تحقیق کی ہے اور حتی المقدور صحیح سند کے ساتھ مروی روایات بیان کی ہیں اور ساتھ ساتھ من گھڑت اور باطل روایات پر تنقید بھی کی ہے۔

تیسری فصل:

اس میں، میں نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے استدلال کر کے عدالت صحابہ کرامؓ پر بحث کی ہے اور ان کے متعلق پھیلانے گئے شبہات بھی ذکر کیے ہیں اور ان پر بے لاگ اور جامع تبصرہ کر کے حق اور سچ کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

چوتھی فصل:

اس فصل میں قضیہ خلافت پر بحث کی ہے اور امامت علی بن ابی طالبؓ پر شیعہ دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور دقیق علمی بحث کے ذریعے ایسا جائزہ لیا

ہے کہ شاید ہی کسی اور کتاب میں اس طرح سے ان کا تجزیہ کیا گیا ہو اور میں کسی طرح کی خود فریبی اور ترنگ میں مبتلا ہو کر ایسا دعویٰ نہیں کر رہا بلکہ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ کے تحت تحدیثِ نعمت کا اظہار کر رہا ہوں۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے عمل کو اپنی خوشنودی کے لیے خالص کر دے کیونکہ وہ ہر طرح سے باختیار اور ایسا کرنے پر قادر ہے۔
وَاجِرُ دَعْوَانَا إِنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِاللّٰهِ يَا قَارِئًا كُتِبِي وَسَامِعَهَا
أَسْبَلُ عَلَيْهَا رِذَاءَ الْحُكْمِ وَالْكَرَمِ
وَاسْتُرْ بِلَطْفِكَ مَا تَلَقَّاهُ مِنْ خَطَايَا
أَوْ أَصْلَحَهُ ثُبُّ إِنْ كُنْتَ ذَافِعِهِمْ
فَكَمْ مِنْ جَوَادٍ كَبَا وَالسَّبْقُ عَادَتُهُ
وَكَمْ حَسَامٍ نَبَا أَوْ عَادَ ذُو ثَلَمِ
وَكُلُّنَا يَا أَجِي خَطَايَا ذُو زُلْجِ
وَالْعُذْرُ يَقْبَلُهُ ذُو الْفَضْلِ وَالشِّيمِ^[1]

”اے میری تحریروں کے پڑھنے اور سننے والے! ان پر عالی ظرفی اور دانشمندی کی چادر پھیلا دے۔“

”اور ان میں جو غلطی نظر آئے اس پر لطف و کرم کا پردہ ڈال دے، اگر اللہ نے آپ کو صاحبِ فہم و ادراک بنایا ہے تو اس سے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح کر دے۔“

[1] موارد الضمان.

”چنانچہ کتنے ہی شہسوار ہیں جو بسا اوقات ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں حالانکہ وہ عام طور پر دوڑ جیت لیتے ہیں اور کتنی ہی تیز تلواریں ہیں جو بسا اوقات کند ہو جاتی ہیں یا ان میں دندانے پڑ جاتے ہیں۔“

”اے میرے برادر ہم سب خطا کار ہیں اور پھسل جانے والے ہیں، اور عالی ظرف اصحاب علم و فضل، عذر قبول کر لیتے ہیں۔“

عثمان بن محمد الناصری آل خمیس

تمہید و تعارف

ہم مطالعہ تاریخ کیسے کریں؟

ہمیں چاہیے کہ ہم تاریخ کو ایسے ہی پڑھیں جیسے حضرت رسول مقبول ﷺ کی احادیث مبارکہ کو پڑھتے ہیں اور جب ہم آپ کی احادیث پڑھتے ہیں تو ہم اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ چیز آپ ﷺ سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟۔ ہم حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ احادیث کی صحت و ضعف اور اس کے مستند اور غیر مستند ہونے کا اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک سند اور متن کو (جرح و تعدیل کی کسوٹی پر) پرکھ نہ لیں، کیونکہ اہل علم نے حدیث اور اس کے راویوں کے معاملے میں خصوصی دلچسپی لی ہے اور ان کی روایت کردہ احادیث کو تلاش کر کے انہیں کھنگالا ہے، ان پر صحت و ضعف کا حکم صادر کیا ہے اور یوں ان میں جھوٹ، تدلیس اور ان جیسے دیگر عیوب کی نشاندہی کر کے ان احادیث کو ان باتوں سے نکھار دیا گیا ہے جو ان میں داخل کی گئی ہیں۔

لیکن تاریخ کا معاملہ اس سے مختلف ہے چنانچہ اس میں بہت سی روایات ایسی ہیں جن کی سند ہی نہیں اور بسا اوقات اسناد تو ملتی ہیں لیکن ان سندوں کے راویوں کے حالات زندگی نہیں ملتے اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اہل علم نے ان کی مدح کی ہے یا مذمت، ان کی تعدیل کی ہے یا ان پر جرح کی ہے۔ اندریں

صورت ہمارے لیے مشکل ہے کہ ہم ان پر کوئی حکم لگائیں کہ وہ صحیح ہیں یا ضعیف کیونکہ ہم سند کے چند راویوں کے حالات نہیں جانتے، لہذا تاریخ کا معاملہ حدیث سے بھی مشکل ہو گیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس میں تساہل سے کام لیں اور بلا تحقیق تاریخی روایات کو قبول کرتے چلے جائیں۔ نہیں! بلکہ ہمیں تحقیق کرنی چاہئے اور ہمیں اپنی حقیقی تاریخ کو حاصل کرنے کا فن سیکھنا چاہئے۔ اس موقع پر کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس طریقے سے تو ہماری تاریخ کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

ہم اس مفروضے کو یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ (یہ تمہارا خام خیال ہے)، اس طریقے سے ہماری تاریخ کا اکثر حصہ ضائع نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے ہماری اصل اور حقیقی تاریخ نکھر کر سامنے آ جائے گی۔ جبکہ بے شمار تاریخی روایات اور خصوصاً وہ روایات جو ہماری اس بحث سے تعلق رکھتی ہیں، وہ با سند مروی ہیں، خواہ وہ کتب تاریخ میں ہوں جیسا کہ تاریخ طبری ہے، یا کتب حدیث میں ہوں جیسا کہ صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ترمذی میں یا مصنفات میں ہوں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ، یا ان کتب تفسیر میں ہوں جو تاریخی روایات کا تذکرہ سندوں کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر ہے۔ بسا اوقات یہ روایات ان خاص کتب سے ملتی ہیں جو بعض مخصوص زمانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلاً کتاب حروب الردۃ للکلاعی، کتاب مختصر تاریخ خلیفہ بن خیاط ہے، مقصد یہ ہے کہ آپ ان روایات میں سے کسی بھی روایت کی سند تلاش کرنے میں ناکام نہیں ہو سکتے۔

مقصد یہ ہے کہ (جستجو کرنے سے) آپ کو ان روایات کی اسناد مل سکتی ہیں اور اگر آپ کو کسی بھی صورت میں سند نہ ملے تو آپ کے پاس ایک عام

اصل (معیار) ہے جس پر آپ گامزن رہ سکتے ہیں اور اس اصل کا تعلق دور صحابہ سے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسولؐ نے صحابہؓ کی تعریف بیان فرمائی ہے (اس کے دلائل صحابہ کرام کی بحث میں آئیں گے) اس بنا پر آپ ایمان رکھیں کہ صحابہ کرام عادل ہیں یعنی (اور ان میں اصل عدل ہے اور جب آپ کو کوئی ایسی روایت ملے جس میں اصحاب رسولؐ پر حرف آتا ہے تو اصول یہ ہے کہ اس کی سند دیکھی جائے اور اگر سند صحیح ہو تو اس کا صحیح مطلب تلاش کیا جائے گا اور پتہ لگایا جائے گا کہ یہ روایت کس بات پر دلالت کرتی ہے اور اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اس کی سند ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے تو الحمد للہ۔ اگر اس کی سند نہیں ملتی تو ہمارے پاس اصل ہے اور وہ ہے اصحاب رسولؐ کی عدالت جو قرآن حدیث سے ثابت ہے (کہ وہ پاکیزہ جماعت، نیک نیت اور بے قصور تھے۔)

بنا بریں جب ہم تاریخ پڑھیں تو یوں پڑھیں جیسے ہم حدیث رسول کو صحت کے معیار پر پرکھ کر پڑھتے ہیں، خصوصاً تاریخ کا وہ حصہ جو اصحاب رسول کے ساتھ خاص ہے۔

ہم کن کی تاریخی مؤلفات پڑھیں:

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں بہت سے لوگ تاریخ کے موضوع پر لکھی ہوئی جدید کتابیں پڑھتے ہیں، جن میں یا تو واقعات کو رنگ آمیزی سے بیان کیا گیا ہے، یا انہیں بگاڑ دیا گیا ہے، یا ان میں یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وہ صحیح ہیں یا من گھڑت مثلاً عباس العقاد، خالد محمد خالد، طہ حسین اور جورجی زیدان یا ان جیسے دیگر جدید اور ماڈرن مؤرخین کی مؤلفات^[1] چنانچہ یہ لوگ جب

[1] یا جیسے برصغیر میں نسیم حجازی، اسلم رائی اور عنایت اللہ وغیرہ کے تاریخی ناولوں میں وضعی روایات شامل ہیں۔

تاریخ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو قصے کو خوبصورت بنانے اور اسلوب بیان کو سنوارنے کا اہتمام کرتے ہیں، قطع نظر اس بات کے کہ یہ قصہ صحیح ہے یا غیر صحیح، ان کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے قصے کو خوبصورت اور داستانی انداز میں پیش کریں۔

اس صورت میں ہم کیا پڑھیں:

اگر آپ تاریخی واقعات کی اسانید کی تحقیق کر سکتے ہیں تو امام طبری کو پڑھیں کیونکہ وہ تقریباً ان لوگوں کے سرخیل ہیں جنہوں نے تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا۔ اگر آپ واقعات کی اسانید پر تنقید و تحقیق نہیں کر سکتے تو امام ابن کثیر کی ”البدایہ والنہایہ“ اور امام ذہبی کی ”تاریخ الاسلام“ اور امام ابو بکر ابن العربی کی ”العواصم من القواصم“ پڑھیں کیونکہ دور صحابہ کے اس عرصہ (۱۱ھ تا ۶۱ھ) کے حالات اور واقعات پر یہ یہ کتابیں، سب سے عمدہ اور شاندار ہیں۔

مطالعہ تاریخ کے دوران احتیاط:

تاریخی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مؤلف کی ذاتی رائے کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے نظر انداز کر کے اصل روایت کی طرف دیکھنا چاہیے (کہ وہ ثابت بھی ہے یا نہیں) اور پڑھتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور ہمیں خصوصاً اصحاب الرسول ﷺ کی تاریخ پڑھتے وقت دو باتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہیے۔ پہلی بات: ہمیں اس حقیقت پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہ کے بعد اصحاب الرسول ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعریف کی ہے اور آپ نے بہت سی احادیث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہیں، یا یہ کہ وہ انبیائے کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے بعد سب امتوں سے افضل ہیں۔

دوسری بات: ہم یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اصحاب رسول ﷺ بقاضاً بشریت معصوم عن الخطا نہ تھے، ہاں البتہ اس بات پر ضرور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان کے اجماع کو درجہ معصومیت حاصل ہے کیونکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ: ”میری امت ضلالت و گمراہی پر اجماع نہ کرے گی۔“ [1]

چنانچہ وہ اس اعتبار سے معصوم ہیں کہ وہ سب ضلالت و گمراہی پر متفق ہوں لیکن انفرادی طور پر وہ معصوم نہیں ہیں، کیونکہ انفرادی عصمت صرف اللہ کے مقدس رسولوں کو حاصل ہے، ان کے علاوہ ہم کسی کی انفرادی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھ سکتے۔ اس بنا پر لازم ٹھہرا کہ ہم صحابہؓ کے خیر القرون ہونے کا اعتقاد رکھیں اور اس بات پر بھی اعتقاد رکھیں کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

لہذا جب آپ کے سامنے کوئی ایسی روایت گذرے جس میں کسی صحابی رسول پر طعن، یا حرف آتا ہو، تو اسے رد کرنے میں جلدی کیجئے نہ قبول کرنے میں! بلکہ اس کی سند دیکھیے! اگر سند صحیح ہو تو وہ روایت اس قبیل سے ہوگی کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔ اور اگر سند ضعیف ہو تو ہم اصل پر قائم رہیں گے کہ وہ انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ (مزید تفصیل عدالت صحابہ کے عنوان پر آئے گی)

اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کی تعریف جن آیات میں بیان کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

[1] مسند احمد من طريق ابی بصرہ الغفاری: ۳۹۶/۶ ابن ماجہ: کتاب الفتن باب السواد الاعظم: ۳۶۷/۲ رقم الحديث: ۳۹۹۸، ابن ابی عاصم فی السنة رقم: ۸۰، نیز اس کی مزید تفصیل باب عدالت صحابہ (ص: ۱۹۵) میں بیان کی جائے گی۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَنَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَوىٰ عَلَىٰ سَوْفِهِ يَعْجِبُ
الزَّرَّاعَ لِيَفْغِطَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿[سورة الفتح: ۲۹]

”محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت
ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں، تو انہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی حاصل
کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدوں کی حالت میں دیکھے گا، ان کے چہروں پر
سجدوں کی وجہ سے (شرف و وقار) کی علامات ہیں۔ ان کی یہی نشانی توراۃ
میں ہے اور یہی نشانی انجیل میں ہے اس بھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپلیں
نکالیں، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر وہ اپنی ڈالی پر کھڑی ہوئی، اس کا یہ منظر کسان
کو مسرور کرتا ہے۔ تاکہ اللہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (اور وہ ان کی
شان و شوکت دیکھ کر دانت پیٹتے رہیں) اللہ تعالیٰ نے ایمان قبول کرنے اور
نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس جیسی آیات میں تمام اصحاب رسول ﷺ کی مدح بیان کی ہے اس
لیے بنیادی طور پر وہ سب تعریف کے مستحق ہیں اور جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے
ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

« لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ
مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ » [1]

”کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، اگر تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل صحابہ، باب لو کنت متخذاً خلیلاً ۳۶۷۳، مسلم فضائل صحابہ: ۲۲۱۔

بھی راہ خدا میں خرچ کر ڈالے، تو ان کے ایک سیر جو خرچ کرنے کے برابر درجہ حاصل نہ کر سکے گا، بلکہ نصف سیر جو کے برابر بھی نہ پہنچ سکے گا۔“

یہ ہے حضرت رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے صحابہ کرام کی مدح و ثنا!۔ اور ان شاء اللہ عنقریب اس کتاب کے عدالت صحابہ کے باب میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آئے گی۔

آخر میں ہم محتاط تاریخی مطالعہ کی بابت ابو عبد اللہ قطائی کی نصیحتیں نقل کرتے ہیں۔ آپ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

لَا تَقْبَلَنَّ مِنَ التَّوَارِيخِ كُلِّ مَا
جَمَعَ الرَّوَاةُ وَ خَطَّ كُلُّ بَنَانٍ
ارُو الْحَدِيثِ الْمُتَقَيِّ عَنْ أَهْلِهِ
سِيَمًا ذَوِي الْأَحْلَامِ وَالْأَسْنَانِ
كَابِنِ الْمُسَيْبِ وَالْعُلَاءِ وَمَالِكِ
وَاللَيْثِ وَالزُّهْرِيِّ أَوْ سُفْيَانَ

چنانچہ امام ابو عبد اللہ قطائی ان اشعار کے ذریعے اپنے مخاطب کو راویوں کی ہر طرح کی لکھی ہوئی اور جمع کی ہوئی تاریخی روایتوں کے قبول کرنے سے ڈرا رہے ہیں کیونکہ ان میں رطب و یابس کی بھرمار ہے، اگر ایسی روایات نظر سے گزریں تو پھر کیا کیا جائے۔؟ فرماتے ہیں اہل حدیث کی کسوٹی اور ان کے معیار پر پورا اترنے والی حدیث کو ان سے روایت کر خصوصاً ابن مسیب، علاء، مالک، لیث، زہری یا سفیان جیسے ائمہ اعلام سے۔

اگر آپ صحیح تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ وہی ہو سکتی ہے جو ان ائمہ دین یا

ان جیسے ثقہ ائمہ اعلام کی زبان سے مروی ہو نہ کہ اصحاب رسول ﷺ پر طوفان تولنے والوں کی لکھی ہوئی تاریخ!..... جو نعوذ باللہ یہ کہتے ہیں:

”ہماری تاریخ سیاہ ترین تاریخ ہے۔“

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہماری تاریخ حسین و جمیل اور روشن ترین تاریخ ہے اور اتنی دلچسپ ہے کہ انسان پڑھتے ہوئے سردھننے لگتا ہے۔

اور جو شخص تفصیل سے معلوم کرنا چاہے، اسے البدایہ والنہایہ یا تاریخ اسلام امام ذہبی یا دیگر معتبر کتب تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

تاریخ کی اہم ترین کتاب امام طبری کی تصنیف ”تاریخ الملوك و الامم“ ہے۔ تاریخ نگار حضرات زیادہ تر امام طبری کی تاریخ سے روایات نقل کرتے ہیں، اہل سنت بھی اور اہل بدعت بھی۔ دونوں اسی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

تاریخ طبری کو دوسروں پر مقدم سمجھنے کی وجوہات

اس کے کئی اسباب ہیں:

1۔ امام طبریؒ کے دور کا ان حوادث کے قریب تر ہونا۔

2۔ امام طبریؒ (ان واقعات کی) اسانید ذکر کرتے ہیں۔

3۔ امام طبریؒ کا علمی مقام و مرتبہ

4۔ اکثر کتب تاریخ اسی کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔

جب معاملہ یہ رہا تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم کوئی تاریخی تحقیق کرنے کے لیے براہ راست امام طبریؒ کی تاریخ کا مطالعہ کریں، لیکن جیسا کہ ہمیں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اہل السنہ بھی تاریخ طبری کا حوالہ دیتے ہیں اور اہل بدعت بھی۔ تو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیسے ہو؟

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ امام طبری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسانید ذکر کرتے ہیں اور اہل السنہ امام طبری کی صحیح الاسناد روایات لیتے ہیں جبکہ اہل بدعت ہر طرح کی روایات نقل کرتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا موضوع! خاص طور وہ روایات جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔

تاریخ طبری میں امام محمد بن جریر طبری کا اسلوب نگارش

امام طبریؒ نے اپنی کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھ کر اس مسئلہ سے ہمیں سکون و اطمینان عطا کیا ہے، کاش کہ اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس کے مقدمہ کو بھی پڑھ لیا کریں۔^[1]

امام محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

”ہماری اس کتاب کے قاری کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں، اپنی شرط کے مطابق، جو روایات اس میں ذکر کرنے والا ہوں اور جو آثار بیان کرنے والا ہوں، اس میں میرا طریق کار یہ ہوگا، کہ میں ان کو ان کے راویوں تک سند کے ساتھ بیان کروں گا۔ چنانچہ میری اس کتاب میں درج شدہ ایسی روایات جو ہم نے بعض متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان کا مطالعہ کرنے والا آدمی انہیں ناقابل اعتبار سمجھتا ہے، یا ان کے سننے والا انہیں قبیح سمجھتا ہے، کیونکہ وہ انہیں کسی طرح سے صحیح نہیں سمجھتا، یا درحقیقت ان کا کوئی معنی و مفہوم بھی نہیں نکلتا، تو وہ جان لے کہ وہ روایات ہماری طرف سے نہیں بلکہ ہم تک پہنچانے والوں کی طرف سے ہیں، ہم نے انہیں اسی طرح بیان کر دیا ہے جس طرح وہ ہم تک پہنچی ہیں۔“^[2]

[1] بلکہ ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ جس کتاب کو پڑھے اس کے مقدمے کو بھی پڑھے تاکہ وہ مؤلف کتاب کا منہج بھی سمجھ سکے۔

[2] مقدمہ تاریخ طبری: ص: ۵۰

قارئین کرام! میں سمجھتا ہوں کہ امام طبریؒ نے اپنی کتاب کے اس مقدمہ میں ذمہ داری آپ پر ڈال دی ہے، ان کا یہ کہنا ہے کہ جب تمہیں میری اس کتاب کی کوئی روایت قبیح اور ناقابل اعتبار نظر آئے اور تم اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہو، تو دیکھئے کہ ہم نے اسے کس سے روایت کیا؟ (لہذا) اس کی ذمہ داری اس پر ہے، میرا کام تو صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کا نام بھی ذکر کر دوں جنہوں نے مجھے وہ روایت بیان کی۔ اب اگر وہ راوی ثقہ ہے تو قبول کر لیں اگر نہیں ہے تو مسترد کر دیں۔

تالیف روایات میں یہ طریقہ کار صرف امام طبری ہی کا نہیں بلکہ اکثر محدثین نے اسی انداز سے روایات جمع کی ہیں۔ چنانچہ جب آپ صحیح روایات پر مشتمل صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، دارقطنی، دارمی، مسند احمد یا ان جیسی دیگر کتب کی طرف رجوع کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کے لیے اسناد ذکر کرتے ہیں اور صرف صحیح احادیث پر اکتفا نہیں کرتے لہذا اب ان کتب کے مطالعہ کے دوران ہم نے اسناد کی طرف دیکھنا ہے اگر سند صحیح ہے تو روایت قبول کر لیجئے ورنہ رد کر دیجئے۔ اسی طرح امام طبری نے فقط صحیح روایات درج کرنے کی پابندی نہیں کی بلکہ انہوں نے اس بات کی پابندی بھی کی ہے کہ آپ کے سامنے ان راویوں کا نام ذکر کر دیں جن سے انہوں نے روایات سنیں ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو امام طبریؒ پر اس روایت کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اور امام طبری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر روایات لوط بن یحییٰ نامی راوی سے بیان کی ہیں، جس کی کنیت ابو خنف تھی اور امام طبریؒ نے اسی ابو خنف سے پانچ صد ستاسی روایات بیان کی ہیں اور یہ روایات حضرت نبی مکرم ﷺ کی وفات سے شروع ہوتی ہیں اور خلافت یزید بن معاویہ پر ختم ہوتی ہیں اور ہم اپنی اس

کتاب میں اسی عرصے کے متعلق گفتگو کریں گے۔ چنانچہ اس میں درج ذیل موضوعات پر بحث ہوگی۔

(۱) سقیفہ بنی ساعدہ، (۲) قصہ شوریٰ اور وہ اسباب جن کی وجہ سے خوارج امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۳) اس کے بعد آپ کی شہادت۔ (۴) خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ، (۵) جنگ جمل، (۶) جنگ صفین، (۷) تحکیم، (۸) جنگ نہروان، (۹) خلافت امیر معاویہؓ، (۱۰) شہادت حسینؓ۔

چنانچہ ان تمام موضوعات میں آپ کو ابوحنیفہ کی روایات ملیں گی اور اہل بدعت انہی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور انہی کے متلاشی رہتے ہیں اور ابوحنیفہ ان روایات کو بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ وہ صرف دوسروں سے زیادہ مشہور ہے ورنہ انہیں بیان کرنے والے دیگر حضرات بھی ہیں جیسے واقدی اور یہ متروک اور متہم بالکذب ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واقدی^[1] بہت بڑا مؤرخ اور تاریخ شناس ہے لیکن وہ ثقہ نہیں ہے۔

اور تیسرے ارادی سیف بن عمر التمیمی^[2] ہے۔ یہ بھی مشہور مؤرخ ہے لیکن وہ بھی متروک اور متہم بالکذب بھی ہے۔

اور یہی حال محمد بن سائب کلبی^[3] کا ہے اور یہ بھی مشہور کذاب ہے۔ لہذا تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے انسان پر ان جیسے مؤرخین کی روایت کی تحقیق کرنا واجب ہے۔

اب ہم اپنے قلم کا رخ ابوحنیفہ کی طرف پھیرتے ہیں، اس کے متعلق امام

[1] محمد بن عمر بن واقدی: اس کا تعارف تہذیب التہذیب: ۳۶۳/۹ اور میزان الاعتدال ۶۶۲/۳ پر دیکھئے۔

[2] سیف بن عمر: اس کا تعارف تہذیب التہذیب: ۲۹۵/۴ اور میزان الاعتدال ۵۵/۲ پر دیکھئے۔

[3] محمد بن سائب کلبی: اس کا تعارف، میزان الاعتدال ۵۵۶/۳ پر دیکھئے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

ایک مرتبہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ہاتھ جھاڑنا شروع کر دیے اور فرمایا اس کے متعلق بھی کوئی پوچھنے کی ضرورت سمجھتا ہے؟ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ”داستان ساز مؤلف ہے اس کی توثیق نہیں کی جاسکتی۔“^(۱)

لہذا جب آپ تاریخ طبری کو کھولیں اور اس میں کوئی ایسی روایت دیکھیں جس کی وجہ سے اصحاب رسول پر حرف آتا ہے اور پھر دیکھیں کہ طبری نے اسے ابو مخنف سے روایت کیا ہے تو اسے کونے میں رکھ دیجئے کیوں؟

اس لیے کہ یہ ابو مخنف کی روایت ہے۔ اور یہ شخص بدعتی، جھوٹا اور کثیر الروایۃ شخص ہے اس نے بدعت، جھوٹ اور کثرت روایت جیسی قباحتیں اکٹھی کر دی ہیں۔

تاریخ مسخ کرنے کے لیے بعض مؤرخین کا طریق کار

1۔ جھوٹ اور افتراء:

یہ لوگ کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں (اور اس پر حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں) مثلاً یہ کہ جب سیدہ صدیقہ بنت صدیق کو سیدنا علی کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ اور من گھڑت داستان ہے۔

2۔ کسی اہم واقعہ کی شکل و صورت بگاڑنے کے لیے کمی بیشی کرنا:

حادثے کا اصل صحیح ہوتا ہے جیسے سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ، اس نازک واقعہ کی

[1] میزان الاعتدال: ۳/۴۱۹، المخرج والتعديل ۷/۲۸۲، لسان المیزان ۱/۴۹۲۔

اصل صحیح ہے اور اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ایک طرف تھے اور حضرت جباب بن منذرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ وغیرہ انصار دوسری طرف تھے لیکن ان لوگوں نے اس حقیقت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے جان بوجھ کر بہت سی باتیں بڑھا دیں (ان کا ذکر عنقریب آ رہا ہے) جس سے ان کی غرض یہی تھی کہ اصحاب رسول ﷺ کی حیات مبارکہ کو داغدار ثابت کریں۔

3۔ نازک واقعات کا باطل مفہوم:

کسی نازک واقعہ کی ایسی باطل تاویل کرنا جو ان کی خواہش کے مطابق ہو اور ان کے اعتقاد سے میل رکھتی ہو اور جس بدعت پر وہ کاربند ہوں وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی ہو۔

4۔ خامیوں اور غلطیوں کو اچھالنا:

واقعہ تو صحیح ہے لیکن اس کے اندر تمام طرح کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے غلطیوں پر توجہ مرکوز کرنا اور انہیں اچھالنا۔

5۔ تاریخی حادثات کی بابت شاعری کرنا:

چنانچہ یہ حضرات اپنے شعراء سے اشعار لکھوا کر انہیں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی طرف، یا ام المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہؓ، یا حضرت زبیرؓ، یا حضرت طلحہؓ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے کسی طرح صحابہ پر طعن ہو سکے جس طرح انہوں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے ام المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہؓ کی نسبت کہا:

”تَبَغَّلَتْ تَحَمَّلَتْ۔ وَلَوْ شِئْتَ تَفِئَلَتْ“

6۔ جعلی کتابیں اور چٹھیاں لکھنا:

اور یہ بات سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بیان میں آئے گی (ان شاء اللہ) کہ انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیرؓ کے نام سے خود ساختہ چٹھیاں لکھیں اور ان کے علاوہ نہج البلاغہ اور الإمامۃ والسیاسة لکھ کر بالترتیب حضرت علی اور حضرت امام ابن قتیبہؒ کی طرف منسوب کر دیں۔^[1]

تاریخ اسلام کی شکل بگاڑنے اور اس میں تہسیس کرنے میں شیعہ کا کردار شیعہ مشہور ترین بدعتی ہیں اور انہوں نے تاریخ میں بہت سا جھوٹ داخل کر دیا۔ اسی لیے اہل علم جب کسی آدمی کے جھوٹ کو مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ”اَكْذَبُ مِنْ رَافِضِي“ ”یعنی رافضی سے بڑھ کر جھوٹا“ کیونکہ ان کے ہاں جھوٹ بہت ہے۔

حضرت امام سلیمان بن مہران فرماتے ہیں کہ: ”میں نے (اہل علم) سے ملاقاتیں کی ہیں وہ انہیں (شیعہ کو) کذاب کے علاوہ اور کوئی نام نہ دیتے تھے۔ حضرت قاضی شریک فرماتے ہی کہ: ”رافضیوں کے سوا ہر آدمی سے علم حاصل کرو، کیونکہ رافضی احادیث گھڑ لیتے ہیں پھر انہیں دین سمجھ لیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”کہ میں نے رافضیوں جیسی جھوٹی گواہی دیتے کسی کو نہ دیکھا۔“

[1] دیکھئے: تاویل مشکل القرآن تحقیق سید احمد صفحہ ۳۲۔

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے بدعتی فرقے بھی جھوٹ بول لیتے ہیں لیکن یہ فرقہ اس معاملے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

اہل سنت کے ہاں تحقیق کا منہج کب شروع ہوا؟

جب سے فتنہ شروع ہوا اس وقت سے ہی یہ منہج وجود میں آیا، چنانچہ جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: ”پہلے پہل لوگ سند نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ برپا ہوا تو وہ پوچھنے لگے کہ اس روایت کے راوی ذکر کرو، تاکہ ان میں سے اہلسنت کی روایات لے لی جائیں اور اہل بدعت کو پہچان کر ان کی روایات مسترد کر دی جائیں۔“^[1] (اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں اصل ثقہ ہونا ہے۔)

امام ابن سیرینؒ کبار تابعین سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کا دور پایا ہے اور صغار کبار تابعین کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور فتنہ سے مراد شیعہ، خوارج، قدر یہ جیسے بدعتی فرقوں کا ظہور ہے۔^[2]

[1] دیکھئے: مقدمہ صحیح مسلم باب الاسناد من الدین۔

[2] نوٹ: شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ امامت کے حقدار بھی وہی ہیں اور یہ لوگ اکثر صحابہ کرامؓ اجماع کی تکفیر کرتے ہیں۔

● خارجیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ صفین کے بعد حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علیؑ نے انہیں جنگ نہروان میں تہ تیغ کیا۔

● قدریہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں (کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور تقدیر وغیرہ کا اس میں کوئی دخل نہیں) اور تمام امور دنیا کسی سابقہ تقدیر کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی بعثت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بارہ ربیع الاول بروز سوموار عالم انسانیت کے سردار^[1] اور اس کے ہادی و مرشد حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب قریشی ہاشمی کو پیدا کر کے مومنین پر عظیم احسان فرمایا۔^[2]

آپ باپ کی طرف سے یتیم پیدا ہوئے اور اپنی عمر کے چھ سال بعد ماں کی طرف سے بھی یتیم ہو گئے کیونکہ جب آپ کا باپ فوت ہوا تو اس وقت آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے، اور جب آپ چھ سال کے ہوئے تو ماں بھی فوت ہو گئی، پھر آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی کفالت کی۔ لیکن دو سال بعد وہ بھی فوت ہو گئے تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کا ذمہ لے لیا۔

جب آپ ﷺ اپنی عمر کے چالیسویں سال کو پہنچے تو اللہ نے آپ کو نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا چنانچہ آپ ﷺ نے رسالت اور نبوت کا حق ادا کر دیا اور آپ کے رب نے آپ کو جس پیغام کے پہنچانے کا حکم دیا آپ نے اسے من و عن پہنچا دیا تاکہ آپ لوگوں کو (کفر و شرک کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان و اسلام کی) روشنی میں لے آئیں۔

[1] ولادت کی تاریخ میں اختلاف بھی ہے۔ (مؤرخ اسلام قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ کی صحیح تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے۔) [دیکھئے رحمۃ اللعالمین اور سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی۔

[2] آپ نے فرمایا: "أَنَا سَيِّدُ أَدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ" مسند احمد ۲/۳۔

چنانچہ آپ ﷺ کی قوم کے بڑوں نے آپ سے عداوت شروع کر دی اور آپ کو اور آپ کے تعلق داروں کو ستانا شروع کر دیا۔ اور آپ کی پیروی ایسے لوگوں نے کی جنہوں نے دنیا فروخت کر کے آخرت خرید لی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے پیارے رسول کی نصرت کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ﴾ [الحشر: ۸]

” (مال فتنے) ان نادار مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“

آپ تیرہ (۱۳) سال تک مسلسل دعوت الی اللہ میں مصروف رہے۔ پھر اللہ نے آپ کو اس فرودگاہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا جسے اللہ نے اپنے پیارے رسول کے ذریعے منور کر دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ نے بھی ہجرت کی اور مال و اولاد اور گھر بار چھوڑ دیا (اور یہ سب کچھ) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں کیا۔

جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں کے رہنے والوں نے آپ کو ٹھکانا مہیا کر دیا اور آپ کی عزت و توقیر کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی مدد بھی کی۔ اور آپ کی خاطر تمام لوگوں کی دشمنی مول لی اور مہاجرین کی اپنے مالوں اور گھروں سے غم خواری کی، بلکہ بیویوں کی پیش کش بھی کی۔ چنانچہ ایک یثربی سردار کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی کو پیش کش کی کہ ان میں سے ایک پسند کر لو، آپ جسے پسند کریں گے

میں اسے طلاق دے دوں گا، تم اس سے نکاح کر لینا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى
أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ﴾ [الحشر: ٩]

”اور (یہ مال فئے) ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو (مہاجرین کی ہجرت سے) پہلے ہی دار الہجرت اور ایمان کو ٹھکانا بنا چکے ہیں اور جو کوئی ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اس سے محبت کرتے ہیں اور ان کو کچھ دیا جائے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں گھٹن اور تنگی محسوس نہیں کرتے اور انہیں خواہ کتنی سخت حاجت درپیش ہو پھر بھی انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو لوگ اپنے نفس کی بنجلی سے بچ جائیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

حضرت نبی مکرم ﷺ مدینہ منورہ کے ارد گرد بلکہ تمام جزیرہ العرب میں مسلسل دعوت اسلام دیتے رہے، حتیٰ کہ وہ دن بھی آیا جس دن اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے مکہ سرنگوں کر دیا اور اس کے رہنے والے اسلام میں داخل ہو گئے اور پورے کا پورا جزیرہ العرب آپ کا تابع فرمان ہو گیا۔

آپ کی دعوت اور جہاد کے تیس (۲۳) سال بعد، درج ذیل فرمان الہی کی تصدیق کرنے والی حتمی تقدیر نافذ ہو گئی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبِهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ

شَيْئًا وَ سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ [آل عمران: ١٤٤]

”اور محمد (اللہ کے) رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے یا آپ قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر گیا (یعنی دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا) وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ عطا فرمائے گا۔“

جب آپ ﷺ کے ارتحال کا سانحہ پیش آیا تو گویا دنیا پر تاریکی چھا گئی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ خود فرما چکے تھے کہ:

”جب تم میں سے کسی کو مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کو یاد کرے جو اسے میرے (دنیا سے چلے جانے کے صدمے سے) پہنچے گی کیونکہ وہ تمام مصائب سے بڑھ کر ہوگی۔“^[1]

جب سے اللہ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے؟ اس وقت سے لے کر آج تک کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی، جو حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات سے بڑھ کر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے وقت سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

✽ اے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا۔

✽ اے میرے ابا جان! آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔

✽ اے میرے ابا جان! ہم آپ کی وفات کی خبر حضرت جبرائیل کو پہنچاتے ہیں۔^[2]

[1] طبقات کبریٰ ۲/۲۷۵، امام الباقی نے اسے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ نمبر ۱۱۰۶ میں صحیح کہا ہے۔

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الحناظر باب وفاة النبی ۱/۲۹۹، مستدرک حاکم ۱/۳۸۱، وقال هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین وَلَمْ يُعْرَجْ جَاهُ وَ سَكَتَ الذَّهَبِيُّ.

اور ادھر یہ حضرت انس بن مالکؓ ہیں جو فرما رہے ہیں کہ: ”جب حضرت رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے درو دیوار روشن ہو گئے! اور جب آپ کی وفات ہوئی تو ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا!

مزید فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول مقبول ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھ جھاڑے ہی تھے کہ ہمارے دلوں کی حالت بدل گئی۔^[1]

اور یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جو رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چلو، ہم ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کر آئیں، جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں، انہوں نے فرمایا: کس وجہ سے رو رہی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے رسول کے لیے بہتر سے بہتر مقام ہے۔

فرمانے لگیں کہ: ”میں اس بات سے لاعلمی کی وجہ سے نہیں روتی کہ اللہ کے پاس اپنے رسول کے لیے کیا ہے، میں تو اس بنا پر روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنا بند ہو گئی ہے۔ اس جملے نے ان دونوں کو تڑپا دیا اور یہ بھی رونے بیٹھ گئے۔“^[2]

اندریں صورت آپ کی پاکیزہ روح اپنے خالق و مالک کے پاس پہنچ گئی اور اب اللہ تعالیٰ (کا پسندیدہ) دین (قیامت تک کے لیے) زمین پر باقی رہے گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

[1] ابن ماجہ کتاب الجنائز ۱/۲۹۹، رقم الحدیث: ۱۶۳۲۔

[2] مسلم فضائل الصحابہ، رقم الحدیث: ۱۰۳۔

خلافت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

۱۱ھ تا ۱۳ھ

جب حضرت رسول مقبول ﷺ کی وفات کا اعلان ہوا تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ (مدینہ کی قریبی بستی) سے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرے سے کیڑا ہٹا کر دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا:

”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ اور خوش گوار تھے اور موت کے بعد بھی پاکیزہ اور خوش گوار ہیں، اور آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو ڈھانپ دیا، پھر کھڑے ہوئے اور منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا:

”جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔“

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبِهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۵]

”اور محمد (اللہ کے) رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے یا آپ قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی

ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پھر گیا (یعنی دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا) وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ عطا فرمائے۔“

یہ سن کر لوگ رونے لگے (اور اس قدر روئے) کی ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ گلیوں میں اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ”گویا ہم نے یہ آیت اسی وقت سنی۔“^[1]

حالانکہ قرآن آپ کی زندگی میں آپ کی وفات سے پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت گویا نئی ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں سنا تھا۔ (کیونکہ آپ کی وفات کے شدید ترین صدمہ سے صحابہ کرام ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے) اور اس آیت میں حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کی خبر تھی۔

چنانچہ حضرت عباس بن عبد المطلب، علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین کا فریضہ سرانجام دینے لگے حتیٰ کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آپ کو دفن کر دیا گیا۔ (آپ پر درود و سلام ہو، اور آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں) چونکہ حضرت عباس آپ کے چچا اور حضرت علیؓ آپ کے چچا زاد بھائی اور حضرت زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد تھے۔ اس لیے وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ کے کفن دفن کے حق دار تھے۔

[1] صحیح البخاری = کتاب فضائل الصحابہ: باب لو کنت متخذاً خلیلاً، رقم الحدیث: ۳۶۶۸۔

سقیفہ بنی ساعدہ

یہ عرصہ جس میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس اور زبیر بن عوامؓ، حضرت رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے، چند انصاری بزرگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ چنانچہ پہلے، میں اس واقعہ کو امام طبریؒ کی تاریخ کے حوالے سے ابو مخنف کذاب کی زبانی بیان کروں گا، پھر اس روایت کو امام بخاریؒ کے حوالے سے بیان کروں گا۔ پھر آپ ان دونوں روایتوں کے درمیان موازنہ کر لیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ابو مخنف نے کتنی باتیں بڑھائی ہیں۔ اور شاید ہمارے بہت سے لوگوں کے ہاں یہ اضافی باتیں مسلمہ تاریخی حقائق بن چکی ہوں اور (ابو مخنف کے من گھڑت اضافے) حادثہ شوریٰ میں بھی بیان ہوں گے چنانچہ امام محمد بن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ:

”ہمیں ہشام بن محمد نے ابو مخنف کے حوالے سے بیان کیا، کہ وہ کہتا ہے مجھے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی عمرو بن ابی عمرہ انصاری نے بتایا، کہ جب حضرت نبی مکرم ﷺ فوت ہوئے تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ:

ہم جناب رسول مقبول ﷺ کے بعد سعد بن عبادہ کو سربراہ مقرر کریں گے۔
ان میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ:

[1] سقیفہ بنی ساعدہ سے مراد وہ چھپر ہے جس کے سائے میں بنو ساعدہ بیٹھا کرتے تھے۔ | مترجم |

تمہاری تلواروں کی وجہ سے عربوں نے سر تسلیم خم کیا اور اللہ کے مقدس رسول ﷺ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ تم سے راضی اور خوش تھے اور ان کی آنکھیں تمہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔ لہذا تم آگے بڑھ کر اس ذمہ داری کو سنبھال لو بجائے اس کے کہ دوسرے لوگ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

سب نے مل کر جواب دیا کہ: تو نے ٹھیک کہا۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر قریش کے مہاجرین اس رائے کو تسلیم نہ کریں، تو ہم کہیں گے، کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ: یہ پہلی کمزوری ہے۔

اسی دوران، حضرت عمر بن خطابؓ کو اطلاع ملی کہ چند انصار، سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر کہہ رہے تھے کہ ایک امیر ہم سے ہوگا اور ایک تم میں سے، یہ بات آپ کو کسی انصاری نے بتائی تھی چنانچہ آپ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور انہیں معاملے سے آگاہ کیا کہ ہمارے انصاری بھائی جمع ہوئے ہیں اور اس طرح کہہ رہے ہیں۔ آؤ ہم ان کے پاس چلیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ اور ابو بکر صدیقؓ وہاں سے چل پڑے، اور انہوں نے (راستہ میں) حضرت ابو عبیدہؓ کو دیکھا، تو اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا، اور انصار کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ذہن میں اس موقع پر گفتگو کرنے کا خاکہ ترتیب دیا۔ جب میں نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے مجھے اشارے سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؓ نے اللہ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا الخ۔ راوی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مکمل خطبہ بیان کیا اور ان کی یہ بات بھی بیان کی کہ مہاجرین خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت حبابؓ بن منذر فرمانے لگے کہ: ”اے انصار کے قبیلو! اپنے منصب امارت کو اپنے ہاتھ میں لے لو کیونکہ لوگ تمہارے سائے اور تمہارے کمپ میں ہیں اور کوئی شخص تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا اور لوگ تمہاری رائے سے انحراف بھی نہیں کریں گے، کیونکہ تم جاہ و حشمت اور مال و دولت والے ہو اور اکثریت تمہارے پاس ہے، اگر وہ تمہاری خلافت کو تسلیم نہ کریں تو تم انہیں یہاں سے نکال دو اور امور خلافت اپنے ہاتھ میں لے لو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم تم ان کی نسبت منصب خلافت کے زیادہ حقدار ہو کیونکہ لوگوں نے اس دین کو قبول کیا ہے تو تمہاری تلواروں کے صدقے سے کیا ہے۔

«أَنَا جُذَيْلُهَا الْمُحَكِّكُ وَ عُذَيْقُهَا الْمُرَجَّبُ» [1]

”یعنی میں صائب الرائے ہوں اور تمہاری خیر خواہی سوچتا ہوں اگر تم نے میری بات نہ مانی تو پچھتاؤ گے۔“

حضرت عمر فاروقؓ اور ابو عبیدہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ: ”اپنا ہاتھ بڑھاؤ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں، جب دونوں بیعت کے لیے اٹھے تو بشیر بن سعد نے آگے بڑھ کر ان سے پہلے بیعت کر لی۔ جب ابو بکرؓ کی بیعت مکمل ہو گئی تو (عقبہ ثانیہ کے) نقیب حضرت اسیدؓ بن حضیر کھڑے ہوئے اور کہا کہ: ”اللہ کی قسم! اگر ایک مرتبہ خزر ج تمہارے سر براہ بن گئے تو ہمیشہ کے لیے ان کو تمہارے اوپر فضیلت رہے گی۔“ [2]

[1] جُذَيْلٌ مجھٹکنا ڈی کے اس سے کہتے ہیں جو اونٹوں کے بازے میں اس لیے گاڑا جاتا ہے کہ خارش والے اونٹ اس سے کھلا کر سکون حاصل کریں اور عُذَيْقٌ کھجور کے چھونے پودے کو کہتے ہیں اور مُرَجَّبٌ پتھر کی حفاظتی بازو کہتے ہیں اور یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب آدمی اپنی رائے کی عظمت بیان کرے۔ اور اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے خسارے سے ڈرائے۔ دیکھئے النہایۃ فی غریب الحدیث ۱۹۷/۲۔

[2] گویا اسید بن ظہیر نے حاشا اللہ سعد بن عبادہ خزر جی پر حسد کیا۔

پھر حضرت سعد بن عبادہ کہنے لگے کہ: ”اللہ کی قسم! اگر میرے اندر اٹھنے کی طاقت ہوتی تو زمین کے راستوں اور گوشے گوشے میں تو میری ایسی دھاڑ سنتا جو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو زخمی کر دیتی۔ اللہ کی قسم اب میں تجھے اس قوم سے ملا کر چھوڑوں گا جس میں تیری حیثیت متبوع کی بجائے تابع کی ہوگی، مجھے اس جگہ سے اٹھالو۔“

چنانچہ انہوں نے اسے اٹھایا اور گھر لے گئے۔ چند دن خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! جب تک میرے گھر والے اور میرے قبیلے والے میری اطاعت کرتے رہیں گے اس وقت تک میں اپنے ترکش سے تم پر تیر پھینکتا رہوں گا اور اپنے نیزے کے پھل خون آلود کرتا رہوں گا۔ اور جب تک میرے ہاتھوں میں طاقت رہی میں اپنی تلوار سے تمہیں مارتا رہوں گا۔“

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد نہ تو سعدؓ نے ان کے ساتھ نماز پڑھتا، نہ ان کے ساتھ وہ جمعہ ادا کرتا اور حج کرتا تو ان کے ساتھ افاضہ نہ کرتا۔ چنانچہ جب تک ابو بکرؓ فوت نہیں ہوئے اس وقت تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔^[1]

مختصر یہ وہ روایت ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کے سلسلے میں ابو خنیف نے بیان کی ہے۔ اب اس سلسلے میں امام بخاری کی روایت پڑھو اور اس کا اس سے موازنہ کرو۔ امام بخاریؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

”ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے سلیمان بن بلال کے واسطے سے ہشام بن عروہ سے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے واسطے سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

جب اللہ کے پیارے رسول ﷺ فوت ہوئے تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ کے پاس اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے، کہ ہم میں سے بھی امیر ہو گا اور تم

[1] تاریخ طبری ۲/۵۵۵: مختصراً

میں سے بھی۔ تو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ فاروق اور ابو عبیدہؓ ان کی طرف گئے۔ حضرت عمرؓ فاروق بات کرنے لگے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خاموش کرادیا اور حضرت عمرؓ فاروق بیان فرماتے ہیں کہ:

”میں نے اس موقع پر بیان کرنے کے لیے شاندار تقریر کی تیاری کر لی تھی اور مجھے خطرہ تھا کہ شاید حضرت ابو بکرؓ ایسی تقریر نہ کر سکیں، لیکن اللہ کی قسم، حضرت ابو بکرؓ نے بڑی بلیغ اور پر اثر تقریر کی (اور میرے دل کی تمام باتیں بھی بیان کر دیں) انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا: ”ہم امیر ٹھہرے اور تم وزیر۔“

حضرت حبابؓ بن منذر نے فرمایا: ”نہیں، اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہم میں سے بھی امیر ہوگا اور تم میں سے بھی۔“

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ ہم امیر اور تم وزیر (اور قریش کے متعلق بیان کیا کہ) وہ گھرانوں کے اعتبار سے معتدل اور حسب کے اعتبار سے نہایت معزز ہیں۔ لہذا تم حضرت عمرؓ یا ابو عبیدہؓ کی بیعت کرلو۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”بلکہ ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں کیونکہ تم ہمارے سردار اور ہم سے برتر بہتر ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہم سے زیادہ پیارے ہو۔“

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔^[1]

لیجیے یہ ہے حضرت امام بخاریؒ کی روایت! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مختصر ہے اور چھوٹی ہے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی حقیقت بھی اتنی ہی ہے۔

رہے ابو مخنف کے اضافے کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا:

”میں تم سے لڑوں گا اور وہ ان کے ساتھ نہ حج کرتے تھے اور نہ نماز پڑھتے تھے

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب لو کنت متخذاً خلیلاً رقم الحدیث ۳۶۶۸۔

نہ جمعہ پڑھتے تھے، نہ ان کے ساتھ طواف کرتے تھے اور یہ کہ حضرت حبابؓ بن منذر نے ابو بکر کو ترکی بہ ترکی جواب دیا (اور اس طرح کی دیگر باتوں کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں) حالانکہ سقیفہ کا معاملہ نصف گھنٹے سے زیادہ موضوع بحث نہ بنا لیکن (کذاب راویوں نے) کیسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

رہے سعد بن عبادہؓ، تو ان کے متعلق مسند امام احمدؒ میں حضرت حمید بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تقریر کی اور ایسی کوئی بات نہ چھوڑی جو انصار کی شان میں نازل ہوئی ہو، یا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی شان کے متعلق بیان کی ہو اور فرمایا نہ:

”تم جانتے ہو اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ”کہ اگر لوگ کسی اور وادی میں چلیں اور انصار کسی اور وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں ہی چلوں گا۔“ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہؓ سے فرمایا:

”اے سعد تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش اس امارت کے معیار ہیں، نیک لوگ، ان کے نیکوں کے تابع ہیں اور برے لوگ، ان کے بروں کے تابع ہیں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا:

”آپؐ نے ٹھیک کہا۔ ہم وزیر ٹھہرے اور تم امیر۔“

یہ روایت جو حضرت امام احمدؒ نے حضرت حمید بن عبد الرحمنؓ بن عوف سے صحیح مرسل سند سے روایت کی، یہ ان روایتوں سے کئی درجے قوی ہے جنہیں کذاب ابو مخنف نے روایت کیا ہے۔^[1]

[1] مسند احمد ۱/۱۸ تحقیق احمد زکریا

خليفة الرسول ﷺ سيدنا ابو بكر صدیق کے فضائل و مناقب

آپ کا نام عبد اللہ بن عثمان ہے اور آپؓ عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (کی پشت سے ہیں) اور اسی فہر کو قریش کہتے ہیں۔^[1]

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: ”کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ابو بکر کا نام صدیق نازل کیا ہے۔“^[2]

قبول اسلام:

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے گھنٹوں تک اپنے کپڑے کا کنارہ اٹھائے ہوئے آرہے تھے (انہیں دیکھ کر) حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بھئی تمہارا ساتھی خطرات میں کودنے والا ہے۔“ انہوں نے سلام کہہ کر شکایت کی کہ: ”اے اللہ کے پیارے رسول! میرے اور حضرت عمرؓ کے درمیان تو تکار ہو گئی، میں نے جلد بازی کی، پھر مجھے شرمندگی ہوئی تو میں نے ان سے معافی کا سوال کیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا ہے، اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔“

ادھر حضرت عمرؓ کو ندامت ہوئی، چنانچہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے گھر گئے اور پوچھا

[1] معرفة الصحابة ابو نعیم ۱/۱۵۶. [2] طبرانی ۱/۵۵ فتح الباری ۱۱/۷.

کیا ابو بکرؓ گھر میں موجود ہیں؟

انہوں نے کہا: ”نہیں۔“

پھر وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، تو انہیں آتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہونے لگا (یہ منظر دیکھ کر) ابو بکرؓ ڈر گئے اور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے:

”اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ اللہ کی قسم زیادتی مجھ سے ہوئی تھی (دومرتبہ کہا)

آخر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (سنو!)

”اللہ نے مجھے تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا تو تم نے کہا:

”تو نے جھوٹ بولا۔“

اور ابو بکرؓ نے کہا: اس نے سچ کہا۔

اور اس نے اپنی جان اور مال کے ذریعے میری غم خواری کی، کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کا قصور نظر انداز نہیں کر سکتے؟۔ (آپ ﷺ نے دومرتبہ یہ الفاظ کہے)

”اس کے بعد آپؐ کو کبھی تکلیف نہ دی گئی۔“^[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (ابتدائے اسلام میں) اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ کے ساتھ پانچ غلام، دو عورتیں اور ابو بکرؓ (ایمان لائے) تھے۔^[2]

آپ کی ہجرت:

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ: میں اللہ کے نبی کے ساتھ غار میں تھا، جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے قریش کے سراغ رسانوں کے پاؤں نظر آئے۔

[1] صحیح البخاری - کتاب فضائل الصحابة: باب قول النبی لو کنت متخذًا خلیلاً الحدیث: ۳۶۶۱.

[2] صحیح البخاری - کتاب فضائل الصحابة: باب قول النبی لو کنت متخذًا خلیلاً الحدیث: ۳۶۶۰.

میں نے کہا: ”اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ان میں سے کوئی سر جھکا کر دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے ابو بکرؓ خاموشی اختیار کیجئے، ہم دونوں کا تیسرا اللہ ہے۔“ [1]

آپؐ کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ جو کوئی اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے یہ بہتر ہے۔

✽ تو جو کوئی نماز والوں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

✽ تاور جو کوئی جہاد والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

✽ تاور جو کوئی صدقہ والوں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

✽ تاور جو کوئی روزہ والوں سے ہوگا وہ روزہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

تو ابو بکرؓ نے فرمایا: ”جس کسی (خوش نصیب) کو ان دروازوں سے بلایا گیا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہ رہی پھر پوچھا: ”اے اللہ کے پیارے رسولؐ بھلا کسی کو ان تمام دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟۔“

آپؐ نے فرمایا: ”ہاں اے ابو بکر! اور میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہے۔“ [2]

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ: ”حضرت نبی کریم ﷺ، اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپؐ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، تو وہ حرکت کرنے

[1] بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث نمبر: ۳۹۲۲، مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث نمبر: ۱۰.

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ حدیث: ۳۶۶۶.

لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے احد ٹھہر جا“ کیونکہ تیرے اوپر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔^[1]

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ نے مجھے ذات السلاسل کے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا، میں نے (واپس آ کر آپ سے) پوچھا کہ:

لوگوں میں سے آپ کو سب سے بڑھ کر پیارا کون ہے؟

آپ نے فرمایا: عائشہ صدیقہؓ۔

میں نے پوچھا: اور مردوں میں ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا باپ (ابوبکرؓ)۔

میں نے پوچھا: ”اس کے بعد کون؟“ آپ نے فرمایا: ”عمر بن خطابؓ“^[2]

آپ کا علم:

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ: ”اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا

اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ یا تو دنیا پسند کرے، یا اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تو اس نے اس چیز کو پسند کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔

(ابوسعید خدریؓ) فرماتے ہیں کہ: (یہ سن کر) ابوبکرؓ نے رونا شروع کر دیا۔

ہم نے اس بات پر تعجب کیا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک بندے متعلق

بیان کیا ہے کہ اسے اختیار دیا گیا، اور ابوبکرؓ رو رہے ہیں!

[1] بخاری کتاب فضائل الصحابة باب قول النبی لو كنت متخذاً خليلاً، الحديث: ۳۶۷۵

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابة باب قول النبی لو كنت متخذاً خليلاً، الحديث: ۳۶۶۲

مسلم فضائل الصحابة، حديث: ۸.

پس رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے اور ابو بکر ہم سے زیادہ عالم تھے۔
چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”کہ ابو بکر اپنے مال اور مخلصانہ صحبت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر میرے محسن ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کی اخوت اور اس کے ساتھ دلی محبت (ضرور ہے)

(لہذا) مسجد میں داخل ہونے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔“ [1]

حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت:

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے پوچھا گیا کہ مشرکین نے اللہ کے پیارے رسول کے ساتھ سخت ترین بدسلوکی کس نوعیت سے کی تھی۔ تو آپ نے فرمایا:
”میں نے عقبہ بن ابی معیط (ملعون) کو دیکھا کہ وہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے پاس آیا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر بڑے زور سے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس بدسلوکی کو دیکھ کر ابو بکرؓ نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور فرمایا:

« أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ » [2]

”کہ تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح اور روشن دلائل لایا ہے؟“

[1] بخاری۔ کتاب فضائل صحابہ حدیث: ۳۶۵۴۔

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ: ۳۶۷۸۔

حضرت رسول کریمؐ کے آپ کی خلافت کی طرف اشارات

1- حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

”ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔“ [1]

2- حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ:

”ایک عورت حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی، آپ نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔“ وہ کہنے لگی: ”اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو۔“ (گویا اس کا مطلب تھا کہ اگر آپ اس دنیا میں نہ رہے تو؟) آپ نے فرمایا:

”اگر مجھے نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔“ [2]

3- سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں حکم دیا: ”ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ایک تحریر لکھوا دوں“ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرنے لگے اور کہنے والا کہنے لگے کہ میں زیادہ حقدار ہوں۔

”جبکہ اللہ اور مومنین ابوبکرؓ کے سوا کسی کو نہیں چاہتے۔“ [3]

[1] بخاری کتاب الاذان حدیث: ۶۷۸.

[2] بخاری کتاب فضائل الصحابہ: ۳۶۵۹، مسلم فضائل الصحابہ حدیث نمبر: ۱۰.

[3] مسلم فضائل صحابہ حدیث نمبر: ۱۱، بخاری کتاب المرض حدیث نمبر: ۵۶۶۶.

نوٹ: حضرت امام ابو الفرج عبد الرحمن بن رجب بغدادی نے اپنی کتاب الطائف المعارف ص: ۷۰ پر اس سلسلے میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اگر ایسا لکھ دیتے تو کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی اور وہ کہنے لگتے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کے لیے نامزد کر کے ان کے احسانات کا بدلہ دیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے کوئی تحریر نہ لکھی، البتہ آپ ﷺ نے اپنے اقدامات کے ذریعے ان کے خلیفہ بننے کی تمنا ظاہر کر دی۔ [مترجم]

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے اہم واقعات

۱۔ لشکر اسامہؓ کی روانگی:

حضرت رسول کریم ﷺ نے غزوہ شام کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں ایک لشکر تیار کیا تھا، لیکن اس کی روانگی سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ رسول بننے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حضرت اسامہؓ کے لشکر (کو روم کی سرحد پر) بھیج دیا، اس لشکر کی روانگی نے ان منافقین اور مرتدین کی کمر توڑ دی جو سمجھ بیٹھے تھے، کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام کمزور ہو جائے گا اور پھر قصہ پارینہ بن جائے گا۔ علاوہ ازیں اس کی روانگی سے مسلمانوں کی شان و شوکت بلند ہو گئی (اور عالم کفر پر ان کی دھاک بیٹھ گئی)

۲۔ مرتدین کے خلاف جنگیں:

مرتدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے اور ان کی اکثریت 'مسلمہ کذاب'، 'طلیحہ'، 'اسود غسی' اور سجاح بنت الحارث کے تابع ہو گئی اور ان کے خلاف بڑی خونریز جنگیں ہوئیں اور سب سے زیادہ خونریز جنگ 'مسلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے باغ میں لڑی گئی اور اس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

۳۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی:

مانعین زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رکھا تھا (اور وہ سمجھتے تھے) یہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے کسی شاعر نے کہا:

أَطْعَنَّا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَ وَسْطَنَا

فِيَّا لِعِبَادِ اللَّهِ مَا لِأَبِي بَكْرٍ

أَيُّورُثُهَا بَكْرًا إِذَا مَاتَ بَعْدَهُ

وَتِلْكَ لَعَمْرُ اللَّهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ [1]

”جب تک اللہ کا رسول ہمارے درمیان زندہ رہا ہم اس کی اطاعت کرتے

رہے۔ اے اللہ کے بندو ابو بکر کا اس معاملے میں کیا حق بنتا ہے؟“

”کیا آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ اس امارت کا وارث بنے گا۔ اللہ کی قسم

یہ تو کمر توڑنے والا فیصلہ ہے۔“

چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ:

”جب حضرت رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تو عرب کے بہت سے لوگ کافر

ہو گئے، حضرت ابو بکر نے ان کے خلاف لشکر کشی کا عزم بالجزم کر لیا۔ حضرت عمر

فاروق نے گزارش کی کہ آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے؟ جبکہ حضرت رسول

مقبول ﷺ فرما گئے ہیں کہ: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک

لڑوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ [2] اور جس نے اس بات کا اقرار کر لیا اس نے

مجھ سے اپنی جان اور مال بچا لیا مگر حق اسلام (اس پر نافذ ہو سکے گا) اور اس

کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔“

[1] البدایہ والنہایہ ۶/۳۱۷، یہ اشعار تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دیوان طحیہ میں موجود ہیں۔

[2] کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے (سال سے چھوٹی کھیری بچی) دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اس پر ضرور لڑائی کروں گا۔^[1]

۴۔ فتوحات فارس:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت ثنیٰ بن حارثہ کی سپہ سالاری میں فارس کی طرف لشکر بھیجے اور پھر ان کے پیچھے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیج دیا اور ان دونوں کے پیچھے قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کو بھی روانہ فرمایا۔

۵۔ فتوحات شام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کو شام کی طرف روانہ فرمایا تو ان کے مقابلے کے لیے بے شمار رومی جمع ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے امداد کی درخواست کی۔ آپؓ نے ولیدؓ بن عتبہ اور عکرمہؓ بن ابو جہل اور عمروؓ بن العاص اور ابو عبیدہ بن جراحؓ کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ (اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ تمام لشکر کے امیر بن گئے۔) چنانچہ لشکر اسلام آگے بڑھتا ہوا یرموک تک پہنچ گیا۔ پھر آپؓ نے ان کی طرف حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو بھیج دیا تو اللہ کی طرف سے ان کو فتح حاصل ہوئی۔^[2]

۶۔ قرآن کریم کو جمع کرنا:

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ:

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ: ۱۲۹۹، [2] التاريخ الاسلامی ۸۵/۳.

جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مجھے پیغام بھیج کر طلب فرمایا اور اس وقت آپؓ کے پاس حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ:

میرے پاس حضرت عمرؓ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ”جنگ یمامہ میں بہت سے لوگ شہید ہو گئے ہیں اور میں خوف کرتا ہوں کہ اگر اس طرح کی جنگوں میں قراء (قرآن کے عالم اور حافظ) شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، اللہ یہ کہ تم اسے جمع کر لو اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع (اکٹھا) کریں۔

”تب میں (ابو بکر) نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم اس میں بہتری ہے۔ چنانچہ یہ مجھے مسلسل آمادہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا، اور میں نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری سمجھا ہے۔

(حضرت زید بن ثابت) کہتے ہیں کہ: ”اس موقع پر حضرت عمرؓ ان کے پاس خاموش بیٹھے رہے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”تو عقیقند نو جوان ہے، ہم تجھ پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں کرتے اور تو حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی لکھتا رہتا تھا، لہذا تو قرآن کو تلاش کر اور اسے جمع کر دے، اللہ کی قسم اگر خلیفہ رسول مجھے ایک پہاڑ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتا تو وہ کام مجھ پر اتنا گراں اور وزنی نہ ہوتا جتنا قرآن کو جمع کرنے کا حکم بھاری اور وزنی تھا۔“

میں نے کہا:

”آپ وہ کام کس طرح کریں گے جسے حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا؟“

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ: ”اللہ کی قسم! اس میں خیر اور بھلائی ہے۔ چنانچہ میں آپ سے مسلسل معذرت کرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کی طرح اس کام کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا۔

چنانچہ میں نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا اور قرآن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ میں نے پرزوں، کندھے کی ہڈیوں، کھجور کے پٹھوں (پر لکھا ہوا) اور آدمیوں کے سینوں (یادداشت) سے قرآن کو جمع کیا۔ حتیٰ کہ مجھے ایک سورۃ کی دو آیتیں حضرت خزیمہؓ انصاری کے علاوہ کسی سے دستیاب نہ ہو سکیں وہ یہ ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ الخ^[1]

[1] بخاری کتاب التفسیر باب لقد جاءکم رسول من انفسکم حدیث: ۴۶۷۹۔

خلافت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ

۵۲۳ تا ۵۱۳

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت دو سال تین مہینے جاری رہی اس کے بعد آپؓ وفات پا گئے اور اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اس منصب کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ موزوں ہیں اس لیے آپؓ نے اپنے بعد ان کو بالخصوص خلیفہ نامزد کر دیا چنانچہ حضرت عمرؓ منصب خلافت پر فائز ہو گئے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَارْضَاهُ^[1]۔ حضرت رسول مقبول ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حیات مبارکہ کے بعد آپ کا دس (۱۰) سالہ دور خلافت مثالی اور سنہری دور تھا۔

حضرت عمرؓ شام کی خون آشام جنگ کے ابتدائی مرحلے میں منصب خلافت پر فائز ہوئے کیونکہ اس وقت مسلمان یرموک میں روم کی ٹڈی دل افواج سے برسرِ پیکار تھے اس معرکہ میں مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی اور دمشق، حمص، قنسرين اور اجنادین فتح ہو گئے۔ بعد ازاں فتح بیت المقدس جیسی فتح مبین بھی حاصل ہو گئی اور مسلمان آزادانہ طور پر روم کی سرزمین پر گھومنے پھرنے لگے۔

اس کے بعد آپؓ نے عمرو بن العاص کو مصر کی مہم پر بھیج کر اسے فتح کر لیا اور سعدؓ

[1] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور انہیں بھی راضی کر دیا۔

بن ابی وقاص کو مشرق میں ایران کے محاذ پر بھیج دیا۔ جہاں ان کے گھوڑوں نے ان کی سرزمین پامال کر دی اور انہیں بڑے خسارے میں مبتلا کر دیا۔ پھر سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں معرکہ قادسیہ برپا ہوا اور یہ معرکہ فیصلہ کن معرکوں میں سے تھا۔ اس کے بعد خراسان بھی فتح ہو گیا۔ المختصر حضرت عمرؓ بن خطاب کا دور خلافت، فتوحات کا انتہائی شاندار دور تھا۔

امیر المومنین سیدنا عمرؓ فاروق اپنے گورنروں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ان کے متعلق لوگوں سے سوال کرتے اور ان کی خبروں سے مطلع رہتے۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنروں کی سی آئی ڈی پر مامور تھے۔ حضرت عمرؓ خود بھی رات کو گشت کرتے اور مدینہ منورہ کے امن و امان کی انتہائی نگہداشت کرتے تھے۔ آپ نے امور خلافت میں مشورہ لینے کے لیے کبار صحابہ پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینہ ہی میں موجود رہیں (اور بغیر اجازت باہر نہ جائیں)۔^[1]

اور آپ نے اس قدر عدل و انصاف سے حکومت کی کہ کسریٰ ایران کے سفیر نے آپ کو مدینہ کے باہر کسی درخت کے نیچے سویا دیکھ کر کہا کہ:

”چونکہ تم عدل سے فیصلے کرتے ہو، اس لیے امن و اطمینان سے سو رہے ہو“

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا:

”تم میں سے کون شخص سمندر کی موجوں کی طرح موجزن فتنے کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث یاد رکھتا ہے؟“

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: ”امیر المومنین آپ کو اس سے کچھ نقصان نہیں، کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند کیا ہوا دروازہ ہے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا کھول دیا جائے گا؟“

حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: ”نہیں، بلکہ توڑ دیا جائے گا۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”پھر تو کبھی بند نہ ہوگا۔“

حضرت حذیفہؓ نے کہا: ”ہاں کبھی بند نہیں ہوگا۔“

حذیفہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عمرؓ دروازے کو جانتے تھے؟۔

”فرمایا: ”ہاں۔ میں نے انہیں ایسی حدیث بیان کی ہے جو غلط نہیں ہے۔“

حذیفہؓ سے پوچھا گیا کہ وہ دروازہ کونسا ہے؟

فرمایا: ”عمر بن خطاب۔“

اس حدیث کو بخاری، مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔^[1]

چنانچہ حضرت عمرؓ دروازہ تھے اور اس کا ٹوٹنا، آپؐ کا قتل ہونا تھا۔ آپؐ کو ملعون ابو لؤلؤ

لو مجوسی نے قتل کیا تھا۔ اللہ اس کو رسوا کرے اور اس پر لعنت برسائے۔

آپؐ کا سلسلہ نسب:

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن

عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر اور اسی فہر کو قریش کہا جاتا ہے۔^[2]

آپؐ کا اسلام:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: ”جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول

کیا تب سے ہم عزت و آبرو سے زندگی بسر کرنے لگے۔“^[3]

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن: ۷۰، ۹۶، مسلم کتاب الایمان: ۲۳۱۔

[2] معرفة الصحابة ابو نعیم: ۱/ ۱۹۰۔

[3] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابة۔ باب مناقب عمر: ۳۶۸۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی رفاقت:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

”جب حضرت عمرؓ کو (غسل دینے کے بعد) چار پائی پر رکھا گیا تو لوگوں نے آپ کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا اور چار پائی اٹھانے سے پہلے ہی ان کے لیے دعا مانگنے لگے اور میں بھی ان میں شامل تھا کہ اچانک کسی آدمی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا:

”آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے آدمی کو نہ چھوڑا کہ میں اس کے عمل کو آپ کے عمل سے بہتر اور محبوب سمجھ کر اس جیسے عمل کر کے اللہ کی ملاقات کروں (یعنی میں آپ کے اعمال کو اپنے لیے آئیڈیل سمجھتا ہوں)۔ اللہ کی قسم میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا، میں اکثر حضرت رسول مقبول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ میں اور ابو بکر اور عمر گئے۔ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے۔ میں اور ابو بکر اور عمر نکلے۔۔۔۔۔“^[1]

آپ کے فضائل و مناقب

- 1- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلی امتوں میں کچھ لوگ محدث تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطابؓ ہے۔ (محدث سے مراد وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نیکی کا الہام کرے)^[2]
- 2- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ

[1] بخاری مناقب عمر: ۳۶۷۴۔

[2] بخاری فضائل صحابہ مناقب عمر: ۳۶۸۹۔ صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۲۳۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے خواب میں جنت کے اندر ایک عورت کو ایک محل کے کونے میں وضو کرتے دیکھا تو میں نے پوچھا: ”یہ محل کس کا ہے؟“

انہوں نے بتایا: ”عمر بن خطاب کا۔“

تو میں اس کی (عمر فاروقؓ) غیرت کو یاد کر کے واپس مڑ آیا۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا: ”اے اللہ کے پیارے رسول! کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں آپ پر غیرت کروں؟“ [1]

3۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ”کہ حضرت نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے تو وہ (خوشی سے) حرکت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے پاؤں کی ٹھوک مار کر فرمایا: ”اُحد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“ [2]

4۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ: ”اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

ابن خطاب! اللہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کبھی راہ چلتے تیرا شیطان سے ٹاکرا ہو جائے تو وہ تیرے والی گلی چھوڑ دیتا ہے۔“ [3]

امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق کے شاندار کارنامے

۱۔ فتح بیت المقدس:

امام احمد بن حنبلؓ روایت کرتے ہیں کہ:

[1] بخاری: ۱۰۳۶۸۔

[2] بخاری مناقب: ۱۰۳۶۸۔

[3] بخاری مناقب عمرؓ: ۱۰۳۶۸۔

سیدنا عمر فاروقؓ جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے کعب احبار سے کہا کہ میں وہاں نماز پڑھوں گا جہاں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ قبلہ کی طرف بڑھے پھر نماز پڑھی۔ بعد ازاں آپ نے چادر بچھا کر مسجد کی صفائی کی اور تنکے وغیرہ اپنی چادر میں ڈال دیئے اور لوگوں نے بھی صفائی میں حصہ لیا۔^[1] اور یہ ہجرت کے پندرھویں سال کا واقعہ ہے۔

۲۔ جزیرۃ العرب سے یہود کی جلا وطنی:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت عمرؓ نے یہود، نصاریٰ کو ارض حجاز سے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تو یہود کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور اس وقت خیبر کی زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اس لیے آپ نے یہودیوں کو جلا وطن کرنے کا پروگرام بنایا تو یہودیوں نے حضرت رسول مقبول ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں اس زمین پر کام کے لیے برقرار رکھا جائے اور نصف پیداوار لے لی جائے، تو آپ نے فرمایا:

اچھا ہم اس وقت تک تمہیں اس زمین پر برقرار رکھتے ہیں جب تک ہم چاہیں، چنانچہ وہ وہاں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے انہیں تیما اور اریحا کی طرف جلا وطن کر دیا۔^[2]

۳۔ مسجد نبوی کی تعمیر نو:

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں سے بنی

[1] مسند احمد ۱/۳۸.

[2] صحیح بخاری، کتاب الحرت والمزارعة: ۲۳۳۸.

ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد (از سر نو) تعمیر کی جائے اور (معمار) کو ہدایت کی کہ لوگوں کو بارش سے بچا^[1] اور سرخ یا زرد (پینٹ یا نیل بوٹے) نہ لگانا ورنہ تو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔“^[2]

۴۔ ہجری سن کا آغاز:

ابو الفضل احمد بن علی بن حجر فرماتے ہی کہ: ”ابو نعیم فضل بن دکین اپنی تاریخ میں امام عامر شععی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کی طرف لکھا کہ ہمارے پاس آپ کے خطوط آتے ہیں اور ان پر تاریخ درج نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا، تو بعض نے کہا: ”بعث نبوی کے اعتبار سے تاریخ لکھا کرو اور بعض نے مشورہ دیا کہ ہجرت کے اعتبار سے تاریخ لکھو۔ آپ نے فرمایا: ہجرت نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا تھا، لہذا اسی کے اعتبار سے تاریخ ڈالا کرو اور یہ مشاورت ۷ اھ کو ہوئی تھی۔“^[3]

[1] یعنی فقط اتنی تعمیر پر اکتفا کرنا جو لوگوں کو گرمی اور سردی سے بچا سکے۔ اور اکثن کا معنی ہے تو چھپاؤ کیسے نہایتی غریب الحدیث ۳/۲۰۶ اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں جزم کے ساتھ تعلیقاً روایت کیا ہے

[2] بخاری کتاب الصلاۃ باب بنیان المسجد (تعلیقاً)

افسوس صد افسوس کہ نام نہاد مسلمان آج کل اپنی مساجد میں وہی کچھ کر رہے ہیں جس سے حضرت عمرؓ نے روکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مال کو نیل بوٹوں اور رنگ و روغن اور نرم و نازک غالیچوں پر خرچ کر کے شیطان کو خوش کر رہے ہیں جبکہ رحمن کی خوشنودی کی خاطر ان میں درس و تدریس اور تعلیم و تعلم پر پیسہ صرف کرتے وقت حد درجہ بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

خلافت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفانؓ

۵۲۳ تا ۵۳۵ھ

آپ کا نام و نسب:

آپ کا نام عثمان بن عفان تھا اور آپ ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی پشت سے تھے۔ عبد مناف سے آپ کا نسب حضرت نبی کریم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی ماں کا نام اُروئی بنت کریم بن ربیعہ تھا اور آپ کی ثانی، حضرت رسول کریم ﷺ کی سگی پھوپھی، ام حکیم بنت عبد المطلب تھیں۔^[1]

چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اس لیے آپ کو ذوالنورین کا لقب دیا گیا۔^[2]

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور ابو عمر تھی۔ آپ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔^[3]

اور آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر (ہمیشہ کے لیے) مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

شورای کا واقعہ:

جب امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ (نخبر سے) زخمی کر دیئے گئے تو

[1] معرفة الصحابة: ۱/۲۳۵. [2] معرفة الصحابة: ۲/۲۴۵. [3] الاصابة: ۲/۴۵۰.

انہوں نے خلافت کا معاملہ چھ (۶) کبار صحابہ کرامؓ پر چھوڑ دیا اور وہ یہ ہیں:

(۱) عثمان بن عفان، (۲) علی بن ابی طالب، (۳) طلحہ بن عبید اللہ، (۴) زبیر بن عوام، (۵) عبد الرحمن بن عوف، (۶) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم)

امام بخاریؒ نے شوریٰ کے واقعہ کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے تاکہ ہم سب مسلمان اس حقیقت سے آگاہ رہیں کہ اسلام کی تاریخ ضائع نہیں ہوگی۔ یہ امام بخاری ہیں جنہوں نے ہمارے لیے دو عظیم واقعات کو روایت کیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں واقعات کو پرکھنا چاہیے تو الحمد للہ ہم پرکھ سکتے ہیں اور اس طرح کے واقعات کے متعلق صحیح روایات کا کھوج لگا سکتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاریؒ نے شہادت عمرؓ کا طویل قصہ روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ: ”اے امیر المومنین! آپ وصیت کر جائیں (یعنی کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں۔)

آپ نے فرمایا: ”میں اس منصب کے لیے اس گروہ سے زیادہ کسی اور کو حقدار نہیں سمجھتا، جس سے حضرت رسول کریم ﷺ آخری دم تک راضی رہے۔“

اور آپ نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبد الرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہم) کا نام لیا۔

اور فرمایا: ”عبد اللہ بن عمرؓ تمہارے پاس موجود رہے گا لیکن اس منصب میں اس کا ذرہ برابر بھی حصہ نہ ہوگا۔ اگر حضرت سعد کو خلافت مل جائے تو وہ اس کا اہل ہے ورنہ تم میں سے جو کوئی امیر بنے وہ اس سے تعاون حاصل کرے، کیونکہ میں نے اسے کسی خیانت اور کمزوری کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔

چنانچہ اس موقع پر صحابہ کرامؓ جمع ہوئے تو حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے فرمایا: ”ہمیں چاہئے کہ ہم میں تین آدمی اپنے میں سے تین آدمیوں کے حق میں اس

منصب کی امیدواری سے دستبردار ہو جائیں۔

حضرت زبیرؓ نے فرمایا: کہ میں حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔^[1]

حضرت طلحہؓ نے فرمایا: ”میں حضرت عثمانؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔“

حضرت سعدؓ نے فرمایا: ”میں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے حق میں

دستبردار ہوتا ہوں۔

چنانچہ تینوں صحابہ کرام یعنی حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ دستبردار ہو گئے۔

اور تین صحابہ کرام خلافت کے لیے موزوں قرار دیئے گئے، حضرت علی بن

ابوطالبؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ۔

حضرت عبد الرحمنؓ نے فرمایا: ”تم میں سے کون اس منصب کی امیدواری سے

دستبردار ہوتا ہے، تاکہ ہم اس کا فیصلہ اس پر چھوڑ دیں اور اسے اللہ اور اسلام کے حوالے

سے کہیں کہ وہ (باقی دونوں میں سے) افضل کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرے، تو شیخین (عثمانؓ

وعلیؓ) خاموش ہو گئے۔

تب حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے فرمایا: کیا تم اس فیصلے کو مجھ پر چھوڑتے ہو؟

اور اللہ گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل شخصیت کو نظر انداز نہ کروں گا۔

تو دونوں نے فرمایا: ہاں۔ (راوی) کہتے ہیں:

تب آپؐ نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: آپؐ خوب جانتے ہیں کہ آپؐ کی حضرت

رسول کریم ﷺ سے قربت ہے اور آپؐ کو اسلام میں سبقت حاصل ہے۔ اگر میں

آپؐ کو امیر بناؤں تو انصاف کریں گے اور اگر عثمان کو بناؤں تو ان کی اطاعت و

[1] یہ روایت اصل حقیقت سے پردہ افکاری ہے کہ حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ سے بغض رکھنے والوں میں سے نہ تھے

اور ایسا کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ آپؐ کی بھوبھی منیہ کے بیٹے تھے نیز آپؐ شریخی خلافت کے دوران ان کی خلافت

کے حق سے دستبردار ہوئے۔

فرمانبرداری کریں گے؟

پھر آپ حضرت عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بھی یہی عہد لیا۔
(کہ اگر میں علیؓ کو خلیفہ بناؤں تو تم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے؟)

جب آپ نے پختہ عہد لے لیا تو فرمایا:

اے عثمانؓ اپنا ہاتھ اٹھائیے چنانچہ آپ نے ان کی بیعت کر لی اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کی بیعت کر لی پھر حویلی میں موجود سربراہان و درجہ دار حضرات اس مجلس میں داخل ہو گئے اور آپ کی بیعت کرنے لگے۔^[1]

حضرت عثمان کی بیعت کے متعلق، یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ علاوہ ازیں صحیح میں اور بھی تفصیلات ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تین دن تک بیٹھ کر مہاجرین اور انصار سے پوچھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

”میں نے مہاجرین اور انصار کا کوئی ایسا گھر نہ چھوڑا، جس سے میں نے پوچھ نہ لیا ہو۔ چنانچہ میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔“

یعنی بیعت کا یہ کام پختہ عہد کے فوراً بعد نہ ہوا تھا بلکہ آپ اس کے بعد تین دن تک مشاورت کے لیے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو منتخب فرمایا۔^[2]

افسوس ناک المیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت کے متعلق تاریخ کی جدید کتابیں، امام بخاریؒ کی اس روایت کو نظر انداز کر کے تاریخ طبری کی اس روایت کو پیش کر رہی ہیں جسے ابو مخنف جیسے کذاب راوی نے بیان کیا ہے۔ اس روایت کی اصل عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے۔

[1] صحیح بخاری - کتاب فضائل الصحابة - باب قصة البيعة: ۳۷۰۰

[2] صحیح بخاری - کتاب الاحکام: باب کیف یبايع الامام الناس: ۷۲۰۷

”جب حضرت عمر بن خطاب خنجر کے زخم سے نڈھال ہو گئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر کر دیتے (تو اچھا ہوتا)

آپ نے فرمایا: ”میں کس کو خلیفہ نامزد کروں؟ اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ نامزد کر دیتا، اگر میرا رب مجھے پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے تیرے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ وہ اس امت کا دیانت دار انسان ہے۔

اور اگر سالم مولیٰ ابو حذیفہ زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کر دیتا، اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے تیرے نبی سے سنا ہے کہ سالم، اللہ کی خاطر شدید محبت کرنے والا ہے۔

ایک آدمی نے آپؐ سے کہا، میں آپ کو عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تجھے غارت کرے، اللہ کی قسم، میرا تو اس کے متعلق اس قسم کا ارادہ بھی نہیں۔ تجھ پر افسوس، میں اس شخص کو کیسے نامزد کروں، جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی عاجز ہے۔ ہمیں تمہارے امور کے متعلق کوئی سروکار نہیں۔ میں اس (منصب خلافت) کو اتنا اچھا نہیں سمجھتا کہ اپنے گھر والوں کے لیے اس کی چاہت رکھوں۔ اگر یہ خیر ہے تو ہم نے اس سے حصہ لے لیا اور اگر شر ہے تو عمر کا مقدر بنی۔ آل عمر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کا محاسبہ ہو اور وہ امت محمدیہ کے معاملے میں سوال کیا جائے۔ البتہ میں نے اس ذمہ داری کو نبھانے کی جدوجہد کی ہے اور اپنے گھرانے کو اس سے محروم کر چلا ہوں۔ اور میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ اگر میں برابر برابر چھوٹ جاؤں، نہ مجھے اجر ملے اور نہ مجھ پر بوجھ ہو، تو میں بڑا خوش نصیب ہوں۔ اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو مجھ سے بہتر انسان نے بھی خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ سے افضل (ترین) ہستی نے بھی کسی کو نامزد نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع نہیں کرے گا۔

چنانچہ وہ نکل گئے پھر شام کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ امیر المومنین اگر آپ کسی کے متعلق عہد لے لیں تو (اچھا ہے)

آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں جواب دینے کے بعد پروگرام بنایا تھا کہ میں غور کر کے اس آدمی کو نامزد کردوں جو تمہیں حق پر چلانے کے لیے موزوں ترین شخص ہو اور آپ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا۔

اور مجھ پر غشی کا دورہ پڑا، تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کاشت کیے ہوئے باغ میں داخل ہو کر ہر طرح کے ترد تازہ اور پکے ہوئے پھل توڑ رہا ہے اور انہیں اکٹھا کر کے اپنے نیچے رکھ رہا ہے، تو میں نے سمجھ لیا کہ اللہ اپنے فیصلہ پر غالب ہے اور وہ عمر کو فوت کرنے والا ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میں زندگی اور موت کے بعد کسی طرح کا بوجھ اٹھاؤں۔

یہ جماعت (تم میں موجود ہے) جس کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ ارشاد فرما گئے ہیں کہ یہ اہل جنت سے ہیں، ان میں سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بھی ہے۔ لیکن میں اسے شامل نہیں کرتا۔ باقی چھ ساتھی ہیں۔ ان میں علی اور عثمان (عبد مناف کے بیٹے) ہیں اور رسول کریم ﷺ کے ماموں حضرت عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور آپ کے حواری آپ کی پھوپھی کے بیٹے زبیر بن عوام ہیں اور حضرت طلحہ الخیر بن عبید اللہ ہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے میں ایک آدمی کو پسند کر لیں اور جب وہ کسی کو امیر منتخب کر لیں تو تم اچھی طرح اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی معاونت کرو۔ اور تم میں سے جس کسی کے پاس امانت رکھی دی جائے تو اسے چاہئے کہ امانت پوری کی پوری واپس کرے۔

چنانچہ وہ نکل گئے تو حضرت عباسؑ نے حضرت علیؑ سے کہا: ”تو ان کے ساتھ داخل نہ ہو۔“ آپ نے فرمایا: ”میں اختلاف سے ڈرتا ہوں۔“ تو حضرت عباسؑ نے کہا: ”

پھر اس کا ایسا نتیجہ دیکھیں گے جو آپ کو ناپسند ہوگا۔“

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبد الرحمنؓ بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کو بلایا اور کہا کہ: ”میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم، لوگوں کے سربراہ آدرہ اور سردار ہو اور یہ منصب امارت تم میں ہی رہنا مناسب ہے۔ کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ فوت ہوئے تھے تو وہ تم سے راضی تھے اور اگر تم راہ راست پر قائم رہے، تو مجھے تمہارے متعلق لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ نہیں۔ لیکن مجھے خطرہ اس بات کا ہے اگر تم آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے تو لوگ بھی مخالف ہو جائیں گے۔ تم حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر ان کے گھر بیٹھ جاؤ، اور باہمی مشورے سے ایک آدمی کو منتخب کرو۔

پھر آپ نے فرمایا: ”حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل نہ ہونا لیکن قریب بیٹھ جانا۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنا سر (بستر پر) رکھ لیا کیونکہ زخموں سے خون بہنے کی وجہ سے آپؓ کمزور ہو چکے تھے۔

چنانچہ وہ داخل ہو گئے اور باہم سرگوشیاں کرنے لگے پھر ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو حضرت عبد الرحمن بن عمرؓ نے کہا:

”سبحان اللہ ابھی امیر المؤمنین فوت نہیں ہوئے، چنانچہ اس نے آپ کو آواز سنائی تو وہ بیدار ہو گئے اور فرمایا اس مجلس کو برخاست کرو، جب میں فوت ہو جاؤں تو تین دن مشورہ کرنا اور اس عرصہ میں حضرت صہیبؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور چوتھے دن کے سورج طلوع ہونے سے پہلے تم میں سے کوئی آدمی تم پر امیر ہونا چاہیے۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ شریک حشیت سے شریک ہوں گے اور امارت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور حضرت طلحہؓ اس معاملے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے، اگر وہ تین دن کے اندر آجائیں تو اسے مشاورت میں شریک کر لینا اور اگر اس کے آنے سے پہلے تین دن

پورے ہو جائیں تو اپنا کام مکمل کر لینا۔ اور مجھے طلحہ کے متعلق کون ضمانت دے گا؟
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا: میں آپ کو اس کی ضمانت دیتا ہوں
ان شاء اللہ وہ مخالفت نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے بھی امید ہے کہ
وہ مخالفت نہیں کریں گے ”ان شاء اللہ“ اور میرے خیال میں ان دونوں میں
سے کوئی ایک خلیفہ بنے گا۔ حضرت علیؓ یا حضرت عثمانؓ۔

اگر حضرت عثمان خلیفہ بنے وہ نرم خوانسان ہیں۔ اگر حضرت علی بنے تو ان
میں خوش طبعی ہے اور ان کو حق پر چلانے کے لیے موزوں ہے۔ اگر تم سعد کو خلیفہ
بنا لو وہ اس کا اہل ہے ورنہ نیا خلیفہ ان سے تعاون حاصل کرے۔ کیونکہ میں نے
اسے خیانت اور کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا، اور عبد الرحمن بن عوف
کس قدر دانشمند اور صائب الرائے ہے! اس پر اللہ کی طرف سے نگہبان ہے
لہذا اس کی سنتے رہنا۔

اور حضرت ابو طلحہ انصاری سے کہا: اے ابو طلحہ اللہ نے عرصہ تک تمہارے
ذریعے اسلام کو عزت بخشی تو انصار کے پچاس آدمی منتخب کر لے اور اس گروہ کو
ترغیب دینا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔

اور حضرت مقداد بن اسود سے کہا: کہ جب تم مجھے قبر میں رکھ لو، تو اس گروہ
کو ایک گھر میں جمع کر لو تا کہ وہ اپنے میں سے ایک آدمی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔

اور صہیب سے کہا: تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھانا، اور حضرت علیؓ،
حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر اور حضرت سعد اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کو ایک
مکان میں داخل کر دینا، اگر طلحہ آجائے تو اسے بھی، اور عبد اللہ بن عمر کو شریک
کر لینا لیکن اس کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور ان کے سر پر کھڑے رہنا،
اگر پانچ آدمی اتفاق سے ایک کو پسند کر لیں اور ایک آدمی انکار کرے تو تلوار

سے اس کی گردن کاٹ دینا۔ اگر چار آدمی اتفاق سے کسی کو منتخب کر لیں اور دو آدمی اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں تو ان دونوں کی گردنیں اڑا دینا۔ اگر تین آدمی اپنے میں سے کسی ایک کو پسند کر لیں اور دوسرے تین اپنے میں سے کسی ایک کو، تو عبد اللہ بن عمر کو ثالث بنا کر ان سے فیصلہ کرا لینا اور وہ جس فریق کے حق میں فیصلہ کریں وہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں، اگر وہ عبد اللہ بن عمر کے فیصلہ سے راضی نہ ہوں تو وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن میں عبد الرحمن بن عوف موجود ہوں اور وہ ان اراکین کو قتل کر دیں جو تمام لوگوں کے منتخب امیر کو تسلیم نہ کریں۔^[1]

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کی گردنیں اڑانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟

ان کے متعلق تو خود ہی گواہی دے چکے ہیں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ اس حال میں دنیا سے گئے کہ وہ ان سے راضی تھے۔ لہذا ابو جحف کی خود ساختہ داستان کے جھوٹی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ حضرت عمرؓ خود ہی شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ان سے راضی تھے پھر اس حکم کو نافذ کرنے کی جرات کون کرتا؟ اور کیا نافذ کرنے والا بیچ جاتا؟

اس لیے اس روایت کے من گھڑت ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

چنانچہ لوگوں نے حضرت عثمان پر اتفاق کر لیا اور ان کی بیعت کر لی اور حضرت ابو بکر و عمرؓ کے بعد آپ ہی افضل صحابی تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر کے

[1] تاریخ طبری: ۳/۲۹۲۔

برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ، پھر ہم باقی صحابہ کو چھوڑ دیتے اور ان کے درمیان فضیلت پر بحث نہ کیا کرتے تھے۔^[1]

اور طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”کہ حضرت نبی کریم ﷺ ہماری ان باتوں کو سنتے تھے اور انکار نہیں کرتے تھے۔“^[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے اہم ترین منصب کے لیے افضل ترین شخص کو خلیفہ بنایا۔^[3]

اسی لیے حضرت امام ایوبؓ بن تمیمہ سختیانی اور امام احمد بن حنبلؓ اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: ”جس نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کو حضرت عثمانؓ ذوالنورین پر فضیلت دی اس نے مہاجرین اور انصار کی توہین کی۔“

کیونکہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ: ”میں نے انصار اور مہاجرین کے ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ کے برابر سمجھتا ہو۔ وہ سارے کے سارے حضرت عثمانؓ کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ [رضی اللہ عنہ]

اور حضرت عثمانؓ کی بیعت سر عام ہوئی تھی۔ امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جیسی پختہ بیعت کسی کی نہ ہوئی کیونکہ اس پر سب کا اجماع ہو گیا تھا۔^[4]

آپؐ کا نام عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی ہے۔ آپؐ نے حضرت نبی مکرم ﷺ کی بیٹی رقیہ سے شادی کی۔ جب وہ فوت ہوئی تو آنحضرتؐ نے سیدہ رقیہ کی بہن سیدہ ام کلثومؓ آپؐ کے نکاح میں دے دی۔

[1] بخاری - کتاب فضائل الصحابة باب مناقب عثمان: ۳۶۹۷.

[2] طبرانی معجم کبیر ۱۲/۱۳۱۳۲، السنة للخلال ص: ۳۹۸، والسنة لابن ابی عاصم، ص: ۵۵۳ و قال الالبانی اسنادہ صحیح۔

[3] السنة للخلال ۳۲۰. [4] السنة للخلال: ۳۲۰.

اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دی وہ بدعتی اور گمراہ ہے اور جس نے ان کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی وہ خطا کار ہے اور اہل سنت اسے گمراہ نہیں کہتے اور نہ بدعتی کہتے ہیں۔^[1]

البتہ کچھ اہل علم حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینے والے پر سخت ریمارکس دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:

جس نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی، اس نے گویا اصحاب رسول پر خیانت کا الزام لگایا۔ کیونکہ انہوں نے (سیدنا علی المرتضیٰ کی بجائے) سیدنا عثمان کو منتخب فرمایا تھا (رضی اللہ عنہما)۔^[2]

حضرت عثمانؓ کا عظیم الشان دور خلافت، فتوحات سے بھر ہوا تھا اور یہ دور دس سال کے عرصے پر محیط ہے۔ انہی سالوں میں اسلامی حکومت کی بساط کا پھیلاؤ مکمل ہوا۔ چنانچہ اسی دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے آپ کی اجازت سے (یونانی جزیرہ) قبرص فتح کر لیا تھا۔ جبکہ حضرت عمرؓ نے بحری راستے سے غزوہ کرنے سے روک دیا تھا اور آپ ہی کے دور خلافت میں آذربائیجان، آرمینیا، کابل اور بختان، جیسے بہت سے ممالک فتح ہوئے، ذات الصواری جیسا عظیم غزوہ بھی آپ ہی کے دور میں ہوا۔ آپ نے مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع کی، بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں سے اسلام کی سب سے زیادہ توسیع بھی آپ ہی کے دور میں ہوئی تھی۔ (رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ)

حضرت عثمانؓ کے فضائل و مناقب

1۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ: ”بیش عسرة کے لیے چندہ کی اپیل کے

[1] اور چند اہل علم سے ایسے شخص کو بدعتی کہنا بھی منقول ہے کیونکہ اس نے صحابہ کرام کے حضرت عثمان کو

پسند کرنے پر اعتراض کیا۔ دیکھئے السنة للخلال ص: ۳۷۸، [2] السنة للخلال ص: ۳۹۲۔

موقعہ پر حضرت عثمانؓ اپنے کپڑے میں ایک ہزار طلائی دینار لے کر آئے اور انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کی جھولی میں ڈال دیا، تو آپ ﷺ انہیں الٹے پلٹے اور بار بار فرماتے کہ: ”آج کے بعد عثمان بن عفان جیسا بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔“^[1]

2- حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ”دروازہ کھول دو اور اسے ایک مصیبت کی بنا پر جنت کی بشارت دو۔“^[2]

3- حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

”حضرت رسول کریم ﷺ کوہ اُحد پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے، تو وہ حرکت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُحد ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“^[3]

4- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک روز حضرت رسول کریم ﷺ ہماری طرف نکلے اور فرمایا:

”کہ میں نے ابھی دیکھا ہے کہ گویا مجھے مقالید اور ترازو دے دیئے گئے، مقالید سے مراد چابیاں ہیں۔ چنانچہ مجھے ایک پلڑے میں رکھ کر اور میری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا گیا تو میرا پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے جھک گیا۔ اس کے بعد ابو بکر کو اس پلڑے میں رکھ کر باقی امت سے تولا گیا تو ابو بکر کا پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے جھک گیا۔ پھر عمر کو اس پلڑے میں رکھ کر تولا گیا تو وہ پھر بھی جھک گیا۔ پھر عثمان کو

[1] مسند احمد ۵/۶۳، ترمذی مناقب عثمان حدیث: ۳۷۰۱۔

[2] بخاری فضائل الصحابة مناقب عثمان ۳۶۹۵۔ مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة نمبر: ۲۸۔

[3] کتاب فضائل الصحابة باب مناقب عثمان: ۳۶۹۹۔

لا کر تولا گیا تو وہ پلڑا پھر جھک گیا (اس طرح حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ ساری امت محمدیہ سے وزنی ثابت ہوئے)۔ اس کے بعد وہ ترازو اٹھا لیا گیا۔ ایک آدمی نے کہا: ”ہم کہاں ہوئے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا تم وہاں ہو گئے جہاں اپنے آپ کو رکھو گے۔^[1]

حضرت رسول کریم ﷺ کی نبوت کی سچائی کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو پیش آنے والے بلوے کی خبر دے دی تھی۔

5۔ حضرت مرثد بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو فتنوں کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے ان کا قرب بیان کیا تو ایک شخص منہ پر کپڑا لپیٹے گذرا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا، حضرت مرثد بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی طرف جا کر دیکھا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔“^[2]

6۔ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے عثمانؓ! اگر اللہ نے تجھے کسی روز اس منصب (خلافت) پر فائز کر دیا تو منافق تجھ سے، اس قیص کو اتارنے کا ارادہ کریں گے، جو اللہ نے تجھے پہنائی ہوگی۔ لہذا تم وہ قیص نہ اتارنا۔^[3]

حضرت عثمانؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے بعد بارہ سال تک منصب خلافت پر فائز رہے، ستر سال کی عمر میں آپ نے منصب خلافت سنبھالا اور اپنی عمر کے بیسیویں سال میں آپ کو شہید کیا گیا۔ [رضی اللہ عنہ] آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپ کے خلاف فتنہ برپا ہوا تھا۔

[1] ابن ابی عاصم السنۃ حدیث: ۱۱۳۸، احمد ۷۶/۲ و قال الالبانی حدیث صحیح۔

[2] سنن ترمذی مناقب عثمان ۳۷۰۴۔

[3] ابن ماجہ = المقدمة باسناد صحیح باب فضائل اصحاب النبی: ۹۷۔

فتنے کے اسباب کیا تھے؟

پہلا سبب.....

[1] عبد اللہ بن سبا نامی یہودی اور یہ مرکزی سبب تھا۔

یہ ایک یمنی یہودی تھا اس نے بظاہر اسلام قبول کیا۔ پھر اپنے آپ کو حضرت علیؑ کا شیعہ ظاہر کرنے لگا اور فرقہ سیدیہ یا سبائیہ اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس فرقے نے حضرت علیؑ کی الوہیت کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ جب انہیں حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو آپؐ سے کہنے لگے: تو وہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ”وہ کون؟“ کہنے لگے: ”تو اللہ ہے۔“

چنانچہ آپ نے اپنے غلام قنبر کو خندق کھدوانے اور اس میں آگ جلانے کا حکم دیا

[1] عبد اللہ بن سبا، واقعی کوئی سازشی انسان تھا یا فرضی کردار؟ حقد میں اس بات پر متفق ہیں کہ واقعہ یہ سازشی شخص تھا، بلکہ انہوں نے شیعہ کے ایک فرقے کو عبد اللہ بن سبا کی طرف منسوب بھی کیا ہے اور اس کا نام سیدیہ یا سبائیہ بتایا ہے اور اس کے خاص معتقدات بھی بیان کیے ہیں اور وہ معتقدات تشیع کے دائرے سے نہیں نکلتے۔

اس شخص کے کردار پر سب سے زیادہ پردہ ڈالنے والا، مرتضیٰ عسکری نامی شخص ہے، اس نے عبد اللہ بن سباؑ و اساطیر آخری نامی کتاب بھی لکھ ماری ہے۔ اس شخص کے کردار کا انکار کرنے والوں میں طلحہ حسین بھی شامل ہے، اس نے اپنی کتاب علیؑ و بنوہ وغیرہ میں اس کا انکار کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب الشعرا الجاہلی میں مسلمات اور یقینات کے جھٹلانے کی طرح اس حقیقت کو جھٹلانے کے سوا کوئی علمی، تحقیقی دلیل پیش نہیں کی۔ اور پھر ہر چیز میں شک پیدا کرنا اس مصنف کا خاص مشغلہ ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کے صفحہ ۲۶ پر یہ کہہ کر حضرت امیر المومنینؑ کو اسامی کے کعبہ تعمیر کرنے کا انکار کر دیا کہ قرآن ہمیں یہ بیان تو کرتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی انہوں نے کعبہ تعمیر کیا تھا (اللہ و اما الیہ راجعون) ہر با عسکری طریقہ کار تو اس نے لوگوں پر حقیقت حال پوشیدہ کرنے کی کوشش کے لیے بڑے خود تحقیقی انداز اپنایا اور اپنے اسلوب کے علمی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کیونکہ اس نے ابن سباؑ کے متعلق احادیث اور روایات جمع کی ہے، لیکن وہ سب کی سب سیف بن عمرو کے واسطے سے ہیں لیکن اس کی تلمیذیں درج ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ بہت سے شیعہ محدثین اور مؤرخین اور ان کے مقالات کے جامعین نے اپنی کتابوں میں اسے ثابت کیا ہے۔

اور فرمایا:

لَمَّا رَأَيْتُ الْأَمَرَ أَمْرًا مُنْكَرًا
أَجَحْتُ نَارِي وَ دَعَوْتُ قَنْبِرًا^[1]

اور آپ نے فرمایا: ”جس نے اس قول سے رجوع نہ کیا میں اسے آگ میں جلاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے کافی سارے سبائی جلا ڈالے اور باقی وہاں سے بھاگ گئے اور ان میں ابن سبا بھی تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اور ابن سبا نے وحی اور رجعت اور اس جیسے دیگر یہودیانہ عقائد کا پرچار شروع کر دیا۔

[1] اس قصے کا اصل بخاری شریف میں ہے دیکھئے کتاب استنابة المرتدين باب اثم من اشرك ۲۹۲۲ء

حافظ ابن حجر نے اس قصے کی تفصیل بیان کی ہے اور فرمایا ہم نے اسے ابو طاہر المخلص کی سند سے تیسری جلد میں بیان کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

✽ نو بخئی نے اپنی کتاب فرق الشیعہ میں ابن سبا کے متعلق اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس فرقہ کا نام سید ہے یعنی اصحاب عبد اللہ بن سبا دیکھئے فرق الشیعہ ص: ۲۲۔ اور نو بخئی تیسری صدی ہجری میں فوت ہوا۔
✽ الکشی نے اپنی کتاب رجال الشیعہ میں ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام ہی اللہ تھا (لعنہ اللہ) علاوہ ازیں اس نے جعفر الصادق علیہ السلام سے ابن سبا کے ذکر میں پانچ سے زائد روایات روایت کی ہیں۔

✽ الصلوق نے اپنی کتاب من لا یحضر الفقیہ ص: ۹۵۵۔ میں اس کا ذکر کیا ہے

✽ الطوسی نے اپنی کتاب رجال طوسی، ص: ۱۔ میں اس کا ذکر کیا ہے

✽ باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار ص: ۲۱۰/۵۱-۱۴۶/۴۲۔ میں اس کے تذکرے کیے ہیں۔

✽ النور الطبری نے اپنی کتاب مستدرک [۱۶۹/۱۸] میں اس کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بہت سے مؤلفین نے بھی عبد اللہ بن سبا کا ذکر ہے لیکن میں نے طوالت کی وجہ سے عمدہ چھوڑ دیا ہے۔

2- رہے اہل سنت تو ان میں سے جس کسی نے بھی اس عرصے کی تاریخ لکھی اس نے اس کے کردار کا ذکر کیا ہے۔

3- جس کسی نے بھی ابن سبا کے وجود کا انکار کیا ہے اس نے محض کھوکھلا دعویٰ ہی کیا ہے اور کوئی نئی بات نہیں کی۔

4- ابن سبا کے وجود کا انکار کر نیا لے متاخرین شیعہ ہیں یا پھر ان سے متاثر ہونے والے سنی رائٹر جنہیں شیعہ کی تلبیس کا علم ہی نہیں۔

اور یہ بھی کہا کہ امامت ایک ہی گھرانے کا حق ہے اور اس نے بدویوں کے ہاں حضرت عثمانؓ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ حضرت عثمانؓ نے یہ کیا، وہ کیا۔ اس طرح اس لعین نے انہیں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے اور اس کے ہمنواؤں نے حضرت زبیر، علی، طلحہ، عائشہ صدیقہؓ وغیرہ کے نام کی جعلی مہریں لگا کر ان کی طرف سے (مختلف علاقوں کے عوام کی طرف) جعلی خطوط لکھے جن میں حضرت عثمانؓ پر تنقید اور ان کی سیاست سے بیزاری کا اظہار ہوتا۔

اس دور میں آج کل کی طرح ماڈرن آلات تو ہوتے نہ تھے کہ ان کے ذریعے تصدیق کی جاتی اور جن کو خطوط پڑھ کر سنائے جاتے وہ دیہاتی لوگ تھے۔ ان کے پاس جیسی تیسری خبریں پہنچتیں وہ ان کی تصدیق کرتے اور انہیں قبول کر لیتے۔ حضرت مسروقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

”تم نے حضرت عثمانؓ کو میل کچیل سے صاف کیے ہوئے کپڑے کی طرح (معصوم) چھوڑا پھر تم نے اسے قریب کیا اور اسے یوں ذبح کیا جیسے مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے۔“

حضرت مسروقؓ نے جواب دیا کہ: ”یہ آپ کا کیا دھرا ہے، آپ ہی نے لوگوں کی طرف خطوط لکھے اور لوگوں کو ان کے خلاف بغاوت کرنے کا حکم دیا۔“

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس پر مومنین ایمان لائے اور کافروں نے کفر کیا میں نے ان کی طرف سرے سے کوئی تحریر لکھی ہی نہیں۔ میں نے آج کی اس مجلس تک ان کی طرف سفید چیز پر کوئی سیاہ چیز نہیں لکھی۔“

حضرت سلیمان بن مہران اعمشؓ فرماتے ہیں کہ (تابعین کرام) سمجھتے تھے کہ ملعون ابن سبائے ام المومنین کے اسلوب (تحریر) پر سازشی خطوط لکھے تھے۔“ (امام ابن کثیر

فرماتے ہیں کہ: ”اس اثر کی سند صحیح ہے۔“^[1]

اس طرح کے تمام خطوط جو صحابہ رسول ﷺ کے نام سے ان (صوبوں، فوجی چھاؤنیوں اور بدوی علاقوں کے لوگوں) کی طرف لکھے جاتے تھے، ان میں حضرت عثمان بن عفان کی مذمت کی جاتی تھی اور عبد اللہ بن سبا یہودی کے مختلف صوبوں میں ایجنٹ بھی تھے اور وہ اپنے صوبوں سے اس طرح کے جعلی خطوط بھیجتے، اور یہ بھی ان کی طرف اس طرح کے خطوط بھیجتا، اور وہ باہم ایک دوسرے کی طرف بھی اس طرح کے خطوط لکھتے، کہ فلاں گورنر نے حضرت عثمان کے حکم سے ہمارے ساتھ یہ کیا، اور فلاں گورنر نے اس کے حکم سے ہمارے ساتھ یہ کیا۔ چنانچہ ہم عثمان کے پاس گئے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ کیا، عثمان نے اصحاب محمد کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ہمارے پاس حضرت زبیر کا خط آیا۔ ہمارے پاس حضرت علی کا خط آیا اور ہمارے پاس حضرت عائشہ کا خط آیا ہے۔ ہمارے پاس فلاں کا خط آیا ہے۔ چنانچہ وہ بدوی اور دیہاتی جو اللہ کے دین سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے اور ان کے دلوں میں حضرت عثمانؓ کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ [رضی اللہ عنہ]

دوسرا سبب

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں امت مسلمہ کی خوشحالی:

حضرت عثمانؓ کے دور میں خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: ”شاید ہی لوگوں پر کوئی ایسا دن آیا ہو جس میں وہ مال تقسیم نہ کر رہے ہوں اور یہ صدانہ آ رہی ہو کہ:

”اللہ کے بندو آؤ اور اپنے اپنے حصے کا شہد لے جاؤ، اللہ کے بندو آؤ، اپنے اپنے

[1] البدایة والنهاية ۷/۲۰۴.

حصے کا مال لے جاؤ۔“ [1]

اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں چاروں طرف جہاد جاری تھا اور خوشحالی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ نامقبولیت اور ناراضی اور نازک مزاجی کا خوگر بنا دیتی ہے۔ اور اس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری اس طرح کے عوامل کا سبب بنتی ہے۔

تیسرا سبب

امیر المومنین عثمانؓ، اور امیر المومنین عمرؓ فاروق کی طبع میں تفاوت:

امیر المومنین سیدنا عمرؓ فاروق سخت گیر انسان تھے اور حضرت عثمانؓ بڑے بردبار اور نرم دل انسان تھے۔ بہت سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپؓ کمزور آدمی تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپؓ حلیم الطبع تھے۔ اسی بنا پر جب سبائیوں نے آپؓ کا گھر میں محاصرہ کیا تو آپؓ نے فرمایا:

تم جانتے ہو کہ تمہیں کس چیز نے میرے اوپر جرأت دلائی؟

تمہیں میرے علم نے ہی مجھ پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ دیا ہے۔“ [2]

اسی لیے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ: ”اللہ کی قسم جن کاموں کی وجہ سے وہ حضرت عثمانؓ سے رنجیدہ ہوئے اگر وہی کام حضرت عمرؓ کرتے تو کوئی نہ بولتا۔

تو پھر وہ لوگ حضرت عثمانؓ پر حرف گیر کیوں ہوئے؟

کیونکہ حضرت عثمانؓ درگزر کرتے تھے اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کر کے معاف کر دیا کرتے تھے۔

[1] تحقیق مواقف الصحابہ ۱/۳۶۰. [2] تحقیق مواقف الصحابہ ۱/۳۶۵.

چوتھا سبب

بعض قبائل کا قریش کی حکومت کو بوجھل سمجھنا:

اسلام میں داخل ہونے والے چند عرب قبائل اس بات سے نالاں تھے کہ حکومت ہمیشہ قریش کے پاس رہے۔ ان میں خاص طور پر وہ قبائل شامل تھے جن میں سے کچھ افراد دین اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، پھر وہ زبردست لڑائی کے بعد تلوار کی قوت سے خائف ہو کر طوعاً و کرہاً اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کی طرف لوٹ تو آئے لیکن ان کے دل میں قلق تھا اور یہی لوگ اس بات سے نالاں اور رنجیدہ تھے کہ حکومت ہمیشہ سے قریش کے ہاتھ میں کیوں چلی آرہی ہے اور قریش کے پاس حکومت ہمیشہ کیوں رہے؟ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

”بعض عربی قبائل، قریش میں حکومت رہنے سے ناخوش تھے اور ان کے دل ان کے خلاف نفرت سے بھر چکے تھے۔ اس لیے وہ گورنروں پر معترض رہتے اور ان کی عیب گیری میں لگے رہتے۔ جب انہوں نے حضرت عثمان میں نرمی دیکھی تو پڑھ دوڑے۔“

یہ ہیں وہ اہم اور بنیادی اسباب، جو فتنے کا باعث بنے، ان کے علاوہ کچھ دیگر اسباب بھی تھے لیکن میں طوالت کے خوف سے انہیں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات

اب میں اختصار کے ساتھ ان اعتراضات کا تذکرہ کرتا ہوں جو حضرت عثمان کی حکومت پر کیے گئے تھے، پھر ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ ان کا جائزہ لوں گا۔

پہلا اعتراض: انہوں نے کہا کہ اس نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو گورز تعینات کیا۔

دوسرا اعتراض: انہوں نے ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف جلا وطن کیا۔

تیسرا اعتراض: انہوں نے مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس دیا۔

چوتھا اعتراض: انہوں نے مصاحف جلا دیئے اور لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کیا۔

پانچواں اعتراض: انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو اتنا مارا کہ ان کی انتڑیاں پھٹ

گئیں اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

چھٹا اعتراض: انہوں نے چراگاہ وسیع کر دی۔

ساتواں اعتراض: انہوں نے سفر میں پوری نماز ادا کی۔

آٹھواں اعتراض: وہ غزوہٴ احد کے دن میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے۔

نانواں اعتراض: وہ غزوہٴ بدر میں حاضر نہ تھے۔

دسواں اعتراض: وہ بیعت رضوان میں شریک نہ ہوئے تھے۔

گیارہواں اعتراض: انہوں نے ہرمزان کے بدلے میں عبید اللہ بن عمرؓ کو قتل نہ کیا۔

بارہواں اعتراض: انہوں نے جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ کیا جبکہ نبی کریم ﷺ

اور شیخین کے دور خلافت میں صرف ایک اذان ہوتی تھی۔

تیرہواں اعتراض: حضرت نبی کریم ﷺ نے مروان کے والد حکم بن العاص کو جلا وطن

کیا تھا اور انہوں نے واپس بلالیا۔

علاوہ ازیں دیگر اعتراضات بھی کیے مثلاً وہ منبر پر حضرت نبی کریم ﷺ والی سیڑھی

پر چڑھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پہلی سیڑھی پر خطبہ دیتے تھے۔ جب حضرت ابو بکر آئے

تو وہ دوسری پر اتر آئے اور جب حضرت عمر آئے تو وہ تیسری پر اتر آئے۔

اور جب حضرت عثمان کا دور آیا تو وہ پہلی سیڑھی پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے اور آج

تک یہی طور طریقہ چلا آ رہا ہے۔^[1]

اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق درہ لگاتے تھے لیکن انہوں کے کوڑا لگانا شروع کر دیا۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپؐ نے صحابی رسولؐ حضرت ابو درداءؓ کو تکلیف دی۔
علاوہ ازیں دیگر اعتراضات بھی جن میں سے اکثر تو ان پر جھوٹ اور باقی غلط فہمی پر مبنی تھے اور لیجئے اب ان کا تفصیلی جائزہ۔

حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ

پہلا اعتراض: قرابت داروں کو حاکم بنانا:

حضرت عثمانؓ نے اپنے کون سے قریبی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا؟
حضرت عثمانؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا۔ ان میں سے پہلے
حاکم حضرت معاویہؓ، دوسرے عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح، تیسرے ولید بن
عقبہ، چوتھے سعید بن العاص، پانچویں عبد اللہ بن عامر یہ پانچ حاکم تھے اور یہ
آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔

[1] متوکل علی اللہ عباسی نے ایک دفعہ اپنے ہم نشینوں کے سامنے حضرت عثمان پر سبائیوں کے چند اعتراضات بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ منبر نبویؐ پر خطبہ دیتے تو حضرت نبی کریم ﷺ والی نیزمی سے نیچے والی نیزمی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ابو بکر والی نیزمی سے نیچے والی نیزمی پر خطبہ ارشاد فرماتے جب حضرت عثمان آئے تو انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ والی نیزمی پر خطبہ دینا شروع کر دیا تھا، تو اس کے ہم نشین عباد نے یہ سن کر کہا، اے امیر المؤمنین! حضرت عثمان سے بڑھ کر اور کوئی آپ کا محسن نہیں ہو سکتا! اس نے کہا وہ کیسے؟ تیرے لیے خرابی ہو! اس نے کہا اگر شیخین کی طرح ہر خلیفہ نیچے اترتا رہتا تو آج آپ نے ہمیں کنویں میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا تھا! یہ سن کر متوکل علی اللہ اور سارے درباری کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ بحوالہ ایقاظ اولی الہم العالیہ ص: ۳۰۰ مولفہ عبدالعزیز محمد سلمان (مترجم)

اور ان کے خیال میں ان کا تقرر حضرت عثمانؓ پر اقربا پروری کا دھبہ ہے، اس لیے پہلے ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دیگر حاکم کون کون سے تھے اور ان کی تعداد کتنی تھی؟

اور وہ تھے (۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری، (۲) قعقاع بن عمرو، (۳) جابر مزینی، (۴) حبیب بن مسلمہ، (۵) عبد الرحمن بن خالد بن ولید، (۶) ابو الاعور سلمي، (۷) حکیم بن سلامہ، (۸) اشعث بن قیس، (۹) جریر بن عبد اللہ بجلي، (۱۰) عتیہ بن نھاس، (۱۱) مالک بن حبیب، (۱۲) نسیر عجلي، (۱۳) سائب بن اقرع، (۱۴) سعید بن قیس، (۱۵) سلمان بن ربیعہ، (۱۶) خنیس بن حذافہ۔

یہ تھے حضرت عثمانؓ کے غیر اموی گورنر، اگر ہم ان میں امویوں کو شامل کریں تو ان کی تعداد کیس بنتی ہے۔

کیا ان میں سے بنی امیہ کے پانچ حاکموں کا مستحق دلالت ہونا صحیح نہیں؟ جو کہ کل حاکموں کا ایک چوتھائی بھی نہیں بنتے۔۔۔

جبکہ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور ان کی بہ نسبت بنو امیہ کو زیادہ تر حاکم مقرر کرتے تھے۔

مزید برآں یہ کہ یہ پانچ اموی حاکم بیک وقت (مختلف صوبوں پر) تعینات نہ تھے، بلکہ حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ اموی کو حاکم بنایا پھر اسے معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن العاص اموی کو مقرر کیا تو یہ ایک وقت میں پانچ تو نہ ہوئے۔

علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ اپنی شہادت سے قبل سعید بن العاص کو بھی معزول کر چکے تھے تو گویا جب آپ کی شہادت ہوئی اس وقت بنو امیہ میں سے فقط تین حاکم تھے۔ ایک حضرت معاویہؓ، دوسرے عبد اللہ بن سعد اور تیسرے عبد اللہ بن عامر۔

حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کو معزول کر دیا لیکن ان کو کہاں

سے معزول کیا؟ کوفہ سے۔

وہ کوفہ کہ جس سے حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کیا تھا۔ اس کوفہ سے کہ جو کسی حاکم سے کبھی خوش نہ رہا۔

اس بنا پر حضرت عثمان کا ان حاکموں کو معزول کرنا ان میں کسی عیب کا سبب نہ قرار دیا جائے گا بلکہ یہ اس شہر کا عیب سمجھا جائے گا جس پر انہیں حاکم مقرر کیا گیا۔ (آٹھویں صدی کے مجدد اور شہرہ آفاق مصلح) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

کہ ہمارے علم کے مطابق قریش کے کسی قبیلہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کے اتنے حاکم نہ تھے جتنے بنو امیہ سے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان میں شرافت اور سرداری اور معاملات کو سلجھانے کی خوبیاں بھی نسبتاً زیادہ تھیں۔^[۱] اور جن اموی حاکموں کو حضرت رسول کریم ﷺ نے (مختلف صوبوں پر) حاکم مقرر کیا تھا وہ تھے (۱) عتاب بن اسید اموی، (۲) ابوسفیان بن حرب اموی، (۳) خالد بن سعید اموی، (۴) عثمان بن سعید اموی، (۵) ابان بن سعید اموی۔ یہ پانچ حاکم تھے اور ان کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی حضرت عثمانؓ کے اموی حاکموں کی تھی حالانکہ دور نبوی کی نسبت دور عثمانی میں مملکت اسلامی کی وسعت اور صوبوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو چکی تھی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حاکموں نے اپنی اہلیت کو ثابت کیا یا نہیں؟ عنقریب حضرت عثمانؓ کے ان حاکموں کی کارگردگی اور اہلیت کے متعلق، اہل علم کی شہادتیں بیان کی جائیں گی۔

البتہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے بھی اپنے

[۱] منهاج السنة: ۶/۱۹۲۔

رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا^[۱] اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اور ہم بھی اعتراض نہیں کرتے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے اپنے رشتہ داروں کو حاکم بنانے پر دو قسم کے شخص معترض ہیں۔ سنی یا شیعہ۔

شیعی کو تو یہ جواب دیا جائے گا کہ حضرت علیؓ نے بھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنایا۔ اس لیے معاملہ برابر ہوا، اگر حضرت عثمانؓ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنانا قابل اعتراض ہے تو حضرت علیؓ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم بنانا بھی قابل اعتراض ہے اور اگر حضرت علیؓ پر کوئی اعتراض نہیں تو حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیوں؟ بلکہ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے حاکم مقرر کیا تھا، وہ سب کے سب ان حاکموں سے افضل تھے، جنہیں حضرت علیؓ نے حاکم بنایا۔ سوائے حضرت ابن عباس کے۔ (رضی اللہ عنہ)

اور اگر حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنے والا سنی ہے تو ہم اسے جواب دیں گے کہ: آپ اپنے اعتراض کی بنا پر دو باتوں میں سے کسی ایک بات اعتراض کریں گے۔ ایک تو یہ کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو اس بنا پر حاکم بنایا کہ..... وہ ان کے رشتہ دار تھے جبکہ وہ گورنری کے لائق نہ تھے۔

اور دوسری بات یہ کہ حضرت عثمانؓ انہیں گورنری کے اہل سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کو گورنر بنایا۔

اور اصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جیسے صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔ اس کے بعد ہم ان گورنروں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے حاکم (گورنر) بنایا تھا۔ تو آئیے ہم، ان حاکموں کے متعلق اہل علم کے اقوال

[۱] حضرت علیؓ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ، عبید اللہ بن عباسؓ، تم بن عباسؓ، تمام بن عباسؓ اور اپنے ربیب بیٹے محمد بن ابوبکر کو حاکم مقرر کیا تھا۔ دیکھئے تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۲۰۱ تا ۲۰۰۔

ملاحظہ کریں۔

پہلے حاکم، حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما:

حضرت امیر معاویہؓ کے بہترین حاکم ہونے میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ بلکہ اہل شام ان پر جان نچھاور کرتے تھے۔ [رضی اللہ عنہ]

امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے انہیں یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا کیا کہ انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا اور دیگر صوبے بھی ان کی امارت کے ماتحت کر دیئے۔ علاوہ ازیں آپ حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے کاتب بھی تھے اور بہترین حاکم بھی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« خِيَارُ أَعْمَلِكُمْ مَنْ تُحِبُّونَهُمْ وَ يُحِبُّونَكُمْ وَ تَصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَ يُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ »^[1]

”کہ تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔“
اور حضرت امیر معاویہؓ ایسے ہی (مقبول ترین) حاکم تھے۔

دوسرا حاکم، حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح:

یہ حضرت نبی کریم ﷺ کا صحابی تھا، پھر یہ مرتد ہو کر میلہ کذاب کے ساتھ مل گیا۔ بعد ازاں توبہ کر کے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے سفارش کی:

”کہ اے اللہ کے پیارے رسول اس سے بیعت لے لیجئے یہ توبہ کر کے آیا ہے،

[1] مسلم کتاب الامارۃ: ۶۵۔

لیکن آپ نے بیعت نہ لی۔ حضرت عثمان نے پھر درخواست کی، آپ نے پھر بھی بیعت نہ لی۔ حضرت عثمان نے تیسری مرتبہ پھر درخواست کی تو آپ نے ہاتھ بڑھا دیا تو اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔^[1]

چنانچہ اس نے اپنے طرز عمل سے رجوع کر لیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لوٹ آیا۔ اور اسی کے ہاتھوں افریقہ فتح ہوا۔ اس کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں:

”اس نے نہ تو حدود سے تجاوز کیا اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس پر گرفت کی جاسکے اور یہ گورنر بڑا دریا دل اور عقلمند انسان ثابت ہوا۔ افریقہ میں جتنی بھی فتوحات ہوئیں وہ ساری کی ساری اسی کے ہاتھ پر ہوئیں۔ [رضی اللہ عنہ]

تیسرے حاکم، سعید بن العاص اموی

یہ حضرت رسول کریم ﷺ کے برگزیدہ اور پسندیدہ صحابہ میں تھے۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں:

”كَانَ أَمِيرًا شَرِيفًا جَوَادًا مَمْدُوحًا حَلِيمًا وَ قَوْرًا ذَا حَزْمٍ وَ عَقْلٍ يَصْلُحُ لِلْخَلَافَةِ“^[2]

[1] ابو داؤد کتاب الحدود باب الحكم من ازد: ۴۳۵۹۔

نوٹ: طبقات حنابلہ جلد دوم صفحہ: ۱۶۵ پر شہرہ آفاق محدث اور زاہد امام ابو اسحاق ابراہیم بغدادی حربی کے حوالے سے درج ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے جتنی ہونے پر مندرجہ ذیل احادیث اور آثار سے استدلال فرمایا کہ: حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ”اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اسے عذاب سے بچا۔“

اور حضرت رسول کریم ﷺ متحاب الدعوات تھے جب حضرت معاویہ عذاب سے بچ گئے ہیں تو پھر وہ جنت میں ہیں۔ [مترجم] [طبقات حنابلہ جلد دوم ص ۱۶۵]

[2] سیر اعلام النبلاء: ۴۴۵/۳۔

”کہ یہ بڑا عزت دار اور دریا دل، ہر دلعزیز، بردبار، باوقار اور مستقل مزاج اور عقلمند امیر تھا۔ اور خلافت کے لیے موزوں تھا۔“ [1]

چوتھے حاکم، عبداللہ بن عامر بن کریم:

انہوں نے کسراے ایران کے مقبوضات اور خراسان کو فتح کیا۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسی کے ہاتھ پر مملکت فارس کی فتح مکمل ہوئی اور انہوں نے بھستان اور کرمان وغیرہ علاقوں کو فتح کیا۔ ان کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”كَانَ مِنْ كِبَارِ أُمَرَاءِ الْعَرَبِ وَ شُجْعَانِهِمْ وَ أَجْوَادِهِمْ“ [2]

”کہ یہ عرب کے بڑے دولتمند اور دلیر ترین اور بخئی انسانوں میں سے تھا۔“

[1] حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں اکرم العرب قرار دیا تھا حالانکہ یہ اس وقت نو سال کے بچے تھے، یہ بڑے دریا دل اور فیاض انسان تھے، سائل کو خالی نہ لوٹاتے اگرچہ قرض اٹھا کر دینا پڑتا، ان کی اسی روش کی وجہ سے ان پر اسی ہزار دینار قرض چڑھ گیا، جو ان کے بیٹے نے ان کی وفات کے بعد ادا کیا، حضرت علی المرتضیٰؓ کی نعت جگر حضرت ام کلثومؓ نے حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور ایک لاکھ درہم حق مہر وصول بھی کر لیا تھا اور حضرت حسن بن علیؓ ان کے ولی بننے پر تیار ہو گئے تھے، لیکن آپؐ نے حضرت حسین بن علیؓ کی پاسداری کرتے ہوئے نکاح سے معذرت کر لی، کیونکہ وہ اپنی اس بہن کا نکاح اپنے عم زاد سے کرنا چاہتے تھے البتہ آپؐ نے حق مہر کی رقم واپس نہ لی۔ (تاریخ اسلام امام ذہبیؒ) [مترجم]

[2] سیرا اعلام النبلاء ۲۱/۳۔

نوٹ: حضرت عبداللہ بن عامر باپ کی طرف سے اموی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے، جب یہ پیدا ہوئے تھے تو انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے اپنا لب مبارک اس کے منہ میں ڈال دیا، یہ غٹ عٹ کر کے نوش کرنے لگے، آپؐ نے فرمایا: ”اے امویو! تمہارا یہ بچہ تمہاری بہ نسبت ہم سے زیادہ مشابہ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اسے سیرابی نصیب ہوگی۔ یہ صحابی بڑا بہادر اور بخئی انسان تھا، ایک دفعہ ایک سائل نے ان سے دوائی کے طور پر چند روز کے لیے گائے کا دودھ مانگا، تو انہوں نے اسے سات سو گائیں بہہ کر دی تھیں۔ [اصابہ۔ منہاج القاصدین] (مترجم)

پانچویں حاکم، ولید بن عقبہ:

امام عاصر بن شراحیل شعی" کے پاس، حبیب بن مسلمہ اور ان کے جہاد اور ان کی فتوحات کا تذکرہ ہونے لگا، تو انہوں نے فرمایا:

”کاش کہ تم ولید اور اس کے غزوات اور امارت کا دور پالیتے۔“

ولید بن عقبہ، پانچ سال تک کوفہ پر امیر رہے اور باوجود امیر ہونے کے ان کے گھر پر کوئی دروازہ نہ تھا، جس کا جی چاہتا وہ اس کے پاس جاتا اور گفتگو کرتا اور لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ لیکن کوفہ والوں کی تلون مزاجی مشہور ہے۔ ولید بن عقبہ پر دو چیزوں کا الزام لگایا جاتا ہے۔

پہلا الزام تو یہ ہے کہ مفسرین کے بقول اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل

ہوا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ [الحجرات: 6]

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کسی قسم کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بغیر تحقیق کے (غلط فہمی میں) نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے بیٹھ جاؤ۔“

تفاسیر میں یہ بات بڑی مشہور ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ ان کی طرف گیا تو انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ڈر گیا اور حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول:

وہ تو میرے قتل کے ارادے سے آرہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بڑے غضبناک

ہوئے اور خالد بن ولید کو ان کی طرف بھیجنا چاہا، یا بھیج بھی دیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ کو خبروں کی تحقیق اور چھان بین کر لینے کا حکم دیا گیا تو اس سلسلے میں اللہ کا فرمان نازل ہوا: ”کہ اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کسی قسم کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بغیر تحقیق کیے نقصان پہنچا بیٹھو پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے بیٹھ جاؤ۔“

جب صحابہ نے چھان بین کی تو انہوں نے کہا: ”ہم لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صدقات لے کر آئے تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا نمائندہ لیٹ ہو گیا تھا۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ نشے کی حالت میں فجر کی نماز پڑھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے فجر کی چار رکعات پڑھا کر سلام پھیرا اور کہا، اور پڑھاؤں؟ انہوں نے اس سے کہا کہ تم تو اتنے دنوں سے زیادہ پڑھا رہے ہو، پھر لوگ حضرت عثمان کی طرف گئے اور ان کی شکایت کی، تو حضرت عثمان نے ان کو شراب نوشی کی حد لگائی۔^[1]

مقصد یہ ہے کہ ولید بن عقبہ پر دو الزام لگائے گئے۔ پہلا الزام تو مفسرین کے ہاں مشہور ہے اور مسند احمد میں حسن سند سے مروی بھی ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے قصے میں نازل ہوئی۔^[2] لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید ہی فاسق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو عام حکم دیا ہے کہ وہ خبر لانے والے کی تحقیق کر لیا کریں (نہ خاص ولید بن عقبہ کی خبر کی)

اور اگر اللہ نے انہیں فاسق کہا تھا تو کیا وہ ساری عمر فاسق رہا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ

[1] مسلم کتاب الحلود نمبر ۳۸. [2] احمد: ۲۷۹/۴.

ثَمَانِينَ جُلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾ [النور: ٤]

”اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر (اس الزام کی صداقت پر) چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسی (۸۰) درّے لگائے جائیں۔ اور آئندہ کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ دراصل فاسق ہیں۔“ پھر فرمایا:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”مگر وہ لوگ بعد ازیں توبہ کر لیں اور اصلاح کا رویہ اختیار کر لیں تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی تو کیا اس کی توبہ کا دروازہ بند ہو گیا؟ جبکہ اس کی زندگی قابل رشک تھی۔

رہا شراب نوشی کا معاملہ! تو پہلی بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے تاہم صحیح حدیثی تکذیب بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں شراب نوشی کی حد ضرور لگائی گئی جیسے کہ بخاری و مسلم میں منقول ہے لیکن کیا اس کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ اس نے شراب پی تھی؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔

(ان کو حد لگانے کا واقعہ اس طرح ہے) کہ جب ولید بن عقبہ کو فنے کے گورنر تھے تو دو کوئی، کوفہ سے نکل کر مدینہ منورہ میں حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہ بات کہی کہ ہم نے ولید بن عقبہ کو نشے کی حالت میں نماز فجر پڑھاتے دیکھا ہے۔

ایک نے کہا کہ: ”میں نے اسے نشے میں دیکھا۔“ اور دوسرے نے کہا: ”میں نے سے قے کرتے دیکھا۔“

حضرت عثمان نے فرمایا: ”اس نے قے کی ہے تو شراب پینے کے بعد ہی کی ہے۔“
اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن بن علی اور عبد اللہ بن جعفر
بھی موجود تھے، تو حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو حد لگوائی اور پھر کوفہ کی
گورنری سے معزول کر دیا۔

لیکن کچھ اہل علم نے ان گواہوں کی گواہی مشکوک قرار دی ہے۔ حد والا
واقعہ تو صحیح ہے کیونکہ وہ تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ لیکن کیا دونوں
کوئی گواہ سچے تھے یا نہیں؟

جو کوئی اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث پڑھنا چاہتا ہے اسے محبت الدین الخطیب کے
حاشیے والی کتاب العواصم من القواصم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے ان
کوئی گواہوں پر جرح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ کوئی ثقہ گواہ نہیں تھے (بلکہ محض
سازشی تھے)۔^[1]

اگر ان کی گواہی سچی بھی ہو تو حضرت عثمان پر کوئی گرفت نہیں، ان کے سامنے
شراب نوشی کی گواہی پیش ہوئی تو انہوں نے اسے حد لگوا کر معزول کر دیا، کیا حضرت
عثمان نے غلطی کی؟ نہیں، بلکہ عین انصاف کیا۔

عثمان نے غلطی نہیں کی بلکہ یہ تو ان کی خوبی ہے کہ انہوں نے اپنے قریبی رشتہ
داروں کو حد لگوائی اور کوئی قرابت داری آڑے نہ آئی اور اسے معزول بھی کر دیا۔
اور کیا ولید بن عقبہ معصوم تھا؟

ہم ابتداء میں ذکر کر چکے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کی عصمت درمی کے قائل
نہیں۔ اور پھر حضرت عمرؓ کے دور میں بھی ایک صحابی حضرت قدامہ بن مظعون نے اللہ
تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان کو جواز بنا کر شراب نوشی کر لی۔

[1] العواصم من القواصم: ۱۰۷-۱۰۸

کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَ
أَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [المائدہ: ۹۳]

”کہ ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے کھانے پینے پر کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ ڈرتے رہیں اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کریں پھر بھی ڈرتے رہیں اور ایمان رکھیں پھر بھی ڈرتے رہیں اور اچھے کام کریں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

تو حضرت عمرؓ نے ان کو درست مطلب سمجھایا، پھر انھیں معزول کر دیا اور ولید بن عقبہ کے معزول کرنے سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنی قریبی کی غلطی پر گرفت کی اور اسے گورنری سے معزول کر دیا اور اس پر حد نافذ کر دی۔ یہ تھے حضرت عثمانؓ کے گورنر، ان میں سے صرف اکیلے ولید بن عقبہ ہیں جن پر انگشت نمائی ہو تو ہو، حضرت عثمانؓ پر نہیں ہو سکتی، اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو اس کا ولید بن عقبہ ذمہ دار ہے نہ کہ حضرت عثمانؓ [رضی اللہ عنہ]

دوسرا اعتراض

کہ انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں سیف بن عمر کے حوالے سے تاریخ طبری وغیرہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے، کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کے درمیان اختلاف سا ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت ابوذرؓ نے لوگوں کو ہم سے بدظن کرنا شروع کر دیا ہے، تو انہوں نے جواباً پیغام بھیج دیا کہ انہیں میرے پاس بھیج

دو، تو حضرت ابوذر کو حضرت عثمان کی طرف بھیج دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے انہیں ملامت کی تو وہ ربذہ کی طرف نکل گئے۔^[1]

یہ ہے سیف بن عمر (مہتمم بالکذب اور متروک راوی) کی روایت۔ لیکن ہمارے پاس اس قضیہ کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور صحیح روایات ہیں۔ جنہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن وہب سے بیان کیا ہے:

”میں ربذہ سے گذرا تو وہاں مجھے ابوذر ملے، میں نے ان سے کہا: ”کہ آپ یہاں کیوں رہتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں شام میں تھا کہ میرا، حضرت معاویہؓ سے، ان لوگوں کے متعلق جھگڑا ہو گیا، جو سونے چاندی کو جمع کر کے رکھ لیتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ یہ ہمارے متعلق بھی نازل ہوئی ہے اور ان کے متعلق بھی، اور اس مسئلے میں میرے اور ان کے درمیان بحث طول پکڑنے لگی، تو انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں میری شکایت کر دی، کہ یہ اس طرح کے مسائل میں بحث کرتے ہیں اور لوگوں کو بھڑکاتے ہیں۔“^[2]

تو امیر المومنین نے مجھے خط لکھ کر مدینہ منورہ چلے آنے کا حکم دے دیا۔ تو میں

[1] تاریخ طبری ۳/۳۳۵.

[2] سب جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں حضرت ابوذر کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنی ضرورت سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھے، جبکہ صحابہ کرام کی اکثریت اس نظریے کے خلاف تھی اور آج کل اس مسئلہ پر تقریباً اجماع ہو گیا ہے کہ انسان زکوٰۃ ادا کر کے یہ چیزیں اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اسی لیے امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے کہ جس چیز کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز میں داخل نہیں۔ اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے نیز حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن ابوذر کہتے تھے کہ خواہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے پھر بھی ضرورت سے زائد سونا چاندی رکھنا منع ہے۔ حضرت معاویہؓ اسی مسئلے پر ان سے اختلاف رکھتے تھے۔

مدینے آ گیا، چنانچہ لوگ مجھے یوں دیکھنے آئے کہ گویا انہوں نے مجھے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ چنانچہ میں نے اس بات کا حضرت عثمانؓ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

”اگر آپ چاہیں تو یہاں سے منتقل ہو جائیں تو میں یہاں قریب ہی رہنے لگا ہوں اس وجہ سے میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بنادیں تو میں اس کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔“^[1]

(اس مستند اور صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ) حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو ذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضرت معاویہ نے انہیں شام سے بے عزت کر کے مدینہ بھجوایا (ان کے متعلق اس طرح کی کہانیاں) سفید جھوٹ ہیں [رضی اللہ عنہم]۔ یہ تھا حضرت ابو ذرؓ کا قصہ (لیکن کذاب راویوں نے اسے رائی سے پہاڑ بنادیا) بلکہ (شہرہ آفاق محدث اور مؤرخ) ابن سعد نے اس قصے کو جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ جب وہ ربذہ کی طرف نکلے تو فرمایا:

میں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”کہ جب آبادی سلع (پہاڑ) تک پہنچ جائے تو یہاں سے نکل جانا.....“^[2] اس بنا پر ان کا (مدینہ سے) نکلنا گویا نبی کریم ﷺ کے حکم کی بنا پر تھا۔

اور آنحضرت ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

”کہ اللہ ابو ذرؓ پر رحم فرمائے وہ تنہا چلے گا اور تنہا ہی مرے گا اور تنہا ہی اٹھے گا۔“^[3] رضی اللہ عنہ وارضاه۔

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث: ۱۴۰۶۔

[2] طبقات ابن سعد ۴/۲۲۶۔

[3] حاکم: ۵۰/۳ و صحیحہ مگر ذہبی نے اسے مرسل کہا ہے۔ نیز کہا کہ اس کی سند میں ایک انتہائی ضعیف راوی ”برید بن سفیان“ ہے۔

تیسرا اعتراض

مروان کو افریقہ کے مال غنیمت سے پانچواں حصہ

جبکہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حضرت عثمان سے ایسا کرنا ثابت نہیں کیا جاسکا۔ سید قطب (شہید) مصری نے بھی سبائیوں کے کوڑے کرکٹ سے ایسی مکتوبہ اور بے سند روایات اکٹھی کر کے، اس بہتان کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ (مترجم)

چوتھا اعتراض

قرآن مجید کے نسخوں کو جلانا

(اس کی حقیقت یہ ہے کہ) حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت امیر المومنین عثمانؓ کی خدمت میں یہ بات پہنچائی کہ لوگ قرآن (کی مجوزہ قرأت کے معاملے) میں تفرقہ بندی کا شکار ہو کر آپس میں شدید اختلاف کرنے لگے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان پر قرآن سے کفر کا اندیشہ ہونے لگا ہے اور انہوں نے امیر المومنین عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ لوگوں کو قرآن کی ایک قرأت پر اکٹھا کیا جائے اور قرآن کو دوسری مرتبہ جمع کیا جائے۔^[1]

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے دوسری مرتبہ قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت عثمانؓ نے جن نسخوں کو جلانے کا حکم دیا تھا ان میں کچھ آیات منسوخ التلاوة بھی تھیں، جنہیں چند صحابہ کرام نے باقی رہنے دیا تھا، اور پھر وہ نسخے اس ترتیب کے خلاف تھے، جو آخری مرتبہ حضرت جبرائیل نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کی تھی، اور بعض نسخوں میں چند صحابہ کرام کی اپنی تفسیریں شامل تھیں، اس لیے

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۴۹۸۷۔

انہوں نے ان نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا اور ایک مصحف شریف لکھوایا اور اس میں (تمام) قرأتیں ہیں اور آنحضرت ﷺ سے ثابت شدہ کسی قرأت کو لغو قرار نہیں دیا۔

امام ابن العربی مالکیؒ ایک مصحف کے سوا باقی مصاحف کو جلانے اور ایک اسی نسخے پر لوگوں کو جمع کرنے کے متعلق، فرماتے ہیں:

کہ یہ ان کی عظیم ترین نیکی اور بہت بڑی خوبی ہے کیونکہ انہوں نے اختلاف کی جڑ ختم کر دی اور اللہ نے آپؐ کے ہاتھ سے قرآن کی حفاظت کی۔^[۱]

مگر (دیکھئے) انہوں نے حضرت عثمانؓ کی اس عظیم نیکی اور خوبی کو (کس طرح) آپؐ کی غلطی اور جرم ٹھہرایا ہے! (کسی نے سچ کہا ہے)

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيلَةٌ

كَمَّا أَنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

”کہ محبت و خوشی کی آنکھ ہر عیب سے بند رہتی ہے۔ لیکن ناراضی کی آنکھ

عیوب برائیاں اچھالتی ہے (اور اچھائیوں پر پردہ ڈالتی ہے)۔“

پانچواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: ”کہ آپؐ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو اتنا مارا کہ ان کی

انتریاں پھٹ گئیں اور حضرت عمار بن یاسر کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔“

اور یہ بھی سفید جھوٹ ہے، اگر ان کی انتریاں پھٹ جاتیں تو وہ زندہ نہ رہتے۔

حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض محض کذب و بہتان ہے۔ [رضی اللہ عنہ]۔ خلاصہ اس بحث

کا یہ ہے کہ انہیں پٹینا محض باطل دعویٰ ہے، جو ثابت نہیں ہو سکا۔

[1] العواصم من القواصم: ۸۰۔

چھٹا اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: ”انہوں نے چراگاہ کو وسعت دی (اور چراگاہ سے مراد وہ قطعہ زمین جو مرکزی حکومت نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے مخصوص کر لیا ہو) حضرت رسول اللہ ﷺ کی بھی مخصوص چراگاہ تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ”إِنَّمَا الْحَمْلَى حَمَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ“^[1] کہ چراگاہ پر اللہ اور اس کے رسول کا ہی حق ہے۔“

حضرت عمرؓ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ مخصوص کی اور ان کے لیے خاص علاقہ مقرر کر دیا، تاکہ اس میں صرف صدقہ کے اونٹ چریں اور جب وہ موٹے تازے ہو جائیں تو لوگوں کے کام آسکیں۔ جب حضرت عثمان کے دور میں صدقات بڑھ گئے تو انہوں نے اس مناسبت سے چراگاہ کو بھی وسیع کر دیا۔ تو مفسدین نے ان پر نکتہ چینی شروع کر دی اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ:

”یہ جو تو نے چراگاہ کو وسیع کیا ہے اس کا تجھے اللہ نے حکم دیا ہے یا تو اللہ پر افترا باندھتا ہے؟“

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

”مجھ سے پہلے حضرت عمرؓ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے قطعہ زمین مخصوص کیا۔ جب میں خلیفہ بنا تو صدقہ کے اونٹ بڑھ گئے، اس لیے میں نے چراگاہ وسیع کر دی۔“
امام احمدؒ نے اس روایت کو صحیح سند کے ساتھ فضائل صحابہ میں بیان کیا ہے۔^[2]

ساتواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: ”انھوں نے سفر میں پوری نماز پڑھی۔“

[1] البخاری - کتاب المساقات، باب لا حمى الا لله و لرسوله الحديث: ۲۳۷۰.

[2] ۴۷۰/۱ حدیث نمبر: ۷۶۵.

(اس میں کوئی شک نہیں) کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکر نے بھی سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمر نے بھی سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عثمان نے بھی اپنی خلافت کی ابتداء میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ نے پوری پڑھنی شروع کر دی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فقہی واجتہادی مسئلہ ہے، اس میں حضرت عثمانؓ نے اجتہاد کیا لیکن خطا ہو گئی تو کیا ہوا؟ جب اس اجتہاد میں ان سے غلطی ہوئی تو کیا یہ خطا ان کے خون کو حلال کر سکتی ہے؟ اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ معصوم کون ہے؟ پھر اہل علم کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف بھی ہے بہت سے اہل علم کہتے ہیں کہ نماز قصر مستحب سنت ہے۔^[1]

حضرت عثمان نے صرف یہی کیا تھا کہ انہوں نے مستحب عمل کو چھوڑ دیا اور جواز پر عمل کر لیا یا انہوں نے رخصت چھوڑ دی اور عزیمت کو اپنا لیا۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے پوری نماز کیوں پڑھی؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ نے ایسا دو وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے کیا۔

1- کیونکہ انہوں نے مکہ میں شادی کر لی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے شہر مکہ میں ہیں اس لیے وہاں پوری نماز ادا کی۔

2- وہ اس بات سے ڈر گئے ہوں کہ (حج کے موقع پر آئے ہوئے) دیہاتی لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے اور وہ اپنے ملکوں میں جا کر (ہمیشہ) قصر پڑھنا شروع کر دیں۔ لہذا آپؐ نے اس لیے نماز پوری پڑھی کہ ان کو آگاہ کر سکیں کہ اصلاً نماز کی چار رکعتیں ہیں۔ تاہم اس کا اصل سبب اللہ تبارک و تعالیٰ کو معلوم ہے۔

جب سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سفر میں پوری نماز ادا کی تو لوگوں نے حضرت عروہ

[1] مالک، شافعی، اوزاعی، احمد کا یہی مذہب ہے، معنی ابن قدامہ ۵۴/۲۔

بن زبیرؓ سے اس کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طرح تاویل کر لی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تاویل کی تھی۔^[1]

آٹھواں، ناناواں اور دسواں اعتراض

”کہ آپؐ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔“

”اور احد کے دن فرار ہو گئے تھے اور بیعت رضوان میں حاضر نہ ہوئے تھے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عثمان بن موہبؓ سے مروی ہے کہ: ”ایک مصری باشندہ (ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ”تم کون سے قبیلہ سے ہو؟“ ان لوگوں نے کہا: ”قریش سے۔“ وہ کہنے لگا: ”تم میں وہ بزرگ آدمی کون صاحب ہیں؟“ لوگوں نے کہا: ”حضرت عبداللہ بن عمرؓ“ تو وہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اے عبداللہ بن عمرؓ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں وہ مجھے بتا دیجئے۔“

1- کیا آپؐ جانتے ہیں کہ عثمان احد کے دن فرار ہوئے تھے؟ فرمایا: ”ہاں“

2- کیا آپؐ جانتے ہیں کہ وہ جنگ بدر سے بھی غائب تھے؟ فرمایا: ”ہاں“

3- آپؐ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان سے بھی غائب تھے؟ فرمایا: ”ہاں“

مصری کہنے لگا: ”اللہ اکبر، (یعنی اس کے خیال میں حق واضح ہو گیا)، تو حضرت عبد

اللہ بن عمرؓ نے اسے کہا: ”آؤ میں تمہیں ان کی وجوہات بیان کرتا ہوں۔“

احد کے دن ان کا فرار ہونا: تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا

تھا اور ان کی بخشش کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

[1] حضرت ابو عبد اللہ جعفر الصادقؑ سے کلینی کی کتاب الکافی میں روایت ہے کہ حرمین میں پوری نماز پڑھا افضل

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾

”تم میں سے جو لوگ دو جماعتوں کی مڈ بھیڑ (جنگ احد) کے دن روگرداں ہو گئے تھے ان کو محض شیطان نے پھسلا یا تھا ان کے کسی عمل کی وجہ سے اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنہار اور بردبار ہے۔“

بدر کے دن، ان کا غائب ہونا: اس کی وجہ یہ بنی کہ ان کے نکاح میں حضرت نبی کریم ﷺ کی لخت جگر رقیہ بنتی خبیثا تھیں اور وہ مریضہ تھیں تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ آپ کو اس آدمی جتنا اجر ملے گا جو بدر میں شامل ہوا اور اس کے برابر مال غنیمت بھی (بنابریں وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے اور آپ ﷺ نے انہیں جنگ بدر سے ان کے حصہ کا مال غنیمت بھی دیا تھا)

باقی رہا ان کا بیعت رضوان سے غائب رہنا: اگر مکہ والوں کی نگاہوں میں حضرت عثمان سے بڑھ کر کوئی معزز ہوتا تو آپ ﷺ ان کی بجائے اسے بھیج دیتے^[1] چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں بھیج دیا اور بیعت رضوان، حضرت عثمان کے مکہ جانے کے بعد منعقد ہوئی تھی۔ اس وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی ہے۔ (اتنا کچھ بتانے کے بعد)

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا: یہ جوابات بھی اپنے ساتھ لیتا جا۔^[2]

[1] حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان کو مکہ والوں کی طرف اس لیے بھیجا تھا کہ وہ انہیں بتا دیں کہ حضرت رسول مقبول ﷺ عمرہ ادا کرنے آئے ہیں اور ان کے جانے کے بعد بیعت رضوان ہو گئی، بلکہ سیرت کی کتابوں میں مشہور ہے کہ یہ بیعت حضرت عثمان کا انتقام لینے کے لیے منعقد ہوئی تھی کیونکہ آپ کو افواہ ملی تھی کہ عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں، تو آپ نے ان کا بدلہ لینے کے لیے اپنے صحابہ سے بیعت لی۔ لیکن یہ محض افواہ تھی۔

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب مناقب عثمان: ۳۶۹۸۔

گیارہواں اعتراض

وہ کہتے تھے کہ: آپ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے بدلے میں قتل کیوں نہ کیا؟۔

کتب تاریخ میں مشہور ہے کہ جب ابولؤلؤؓ لو مجوسی نے حضرت عمرؓ کو خنجر مار کر خاک و خون میں ترپا دیا تو لوگوں نے اس پر گاؤن نما ایک کپڑا پھینک دیا تو اس نے (اپنے آپ کو گرفتار ہوتا دیکھ کر) خودکشی کر لی۔^[1] جب صبح ہوئی تو عبید اللہ بن عمر نے مجوسی سے مسلمان بننے والے شخص ہرمزان کو قتل کر دیا۔ جب اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

کہ امیر المومنین کے قتل سے تین دن پہلے یہ ابولؤلؤؓ لو مجوسی کے ساتھ تھا^[2] اور اس وقت ابولؤلؤؓ کے پاس وہی خنجر تھا جس سے اس نے حضرت عمرؓ کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمر نے یہ سمجھ کر کہ ہرمزان بھی اس جرم میں ابولؤلؤؓ کے ساتھ شریک ہے، اسے جا کر قتل کر دیا۔

چنانچہ عبید اللہ بن عمرؓ کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے گھر قید کر دیا گیا اور حضرت عثمانؓ نے اصحاب رسول ﷺ کو اکٹھا کر کے ان کی رائے لی۔ ان میں سے کسی نے کہا: ”قصاصاً قتل کر دینا چاہیے کیونکہ اس نے مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔“

کسی نے کہا: دو دن قبل حضرت عمرؓ قتل ہو گئے اب ہم ان کے بیٹے کو قتل کر دیں تو آل خطاب پر کیا گزرے گی؟

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ باب قصة البيعة نمبر: ۳۷۰۰۔

[2] سیف بن عمرؓ کذاب کے حوالے سے طبری میں مذکور ہے کہ عبدالرحمن بن ابوبکر نے ان کو دیکھا تھا اور عبید اللہ کو

اس کی خبر دی تھی۔ طبری ۳/۳۰۳

کسی نے کہا: ”کہ اس نے تاویل قتل کیا ہے (یعنی اپنے باپ کا شریک قاتل سمجھ کر) یہاں ہرمزان کے بدلے عبید اللہ کو قتل نہ کرنے کی تین توجیہات سامنے آئیں:

پہلی توجیہ:

عبد الرحمن بن ابوبکر صدیق کے مشاہدے کے مطابق حضرت عمر کے قتل میں ہرمزان، ابو لؤلؤ کا معاون، اس بنا پر وہ قتل کا مستحق تھا۔ جیسے کہ بخاری شریف میں حضرت عمر کا فرمان درج ہے کہ اگر صنعاء کے تمام باشندے کسی آدمی کے قتل میں شریک ہوں تو میں سب کو قتل کر دوں گا۔^[1]

دوسری توجیہ:

یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت اسامہ بن زید کو ایک ایسے آدمی کے قتل کرنے کی پاداش میں قتل نہ کیا تھا، جس نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے بچاؤ کے لیے درخت کی پناہ لی اور لا الہ الا اللہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ البتہ آپ ﷺ نے اسامہ بن زید کو بلا کر یہ بات ضرور کہی کہ تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا ہے؟

اسامہ نے جواب دیا: اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ چنانچہ آپ ﷺ مسلسل یہ کہتے رہے کہ تو نے لا الہ الا اللہ کے اقرار کے بعد قتل کر دیا؟۔

اسامہ کہتے ہیں کہ میں آرزو کرنے لگا، کاش کہ میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔^[2]

الفرض حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت اسامہ پر اس لیے حد قائم نہ کی کہ وہ متاثر تھا۔ اسی بنا پر حضرت عثمان نے بھی عبید اللہ پر حد قائم نہ کی کیونکہ وہ متاثر تھا۔

[1] صحیح بخاری کتاب الدیات: ۶۸۹۶۔

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی: ۴۲۶۹، مسلم کتاب الایمان: ۱۵۹۔

تیسری توجیہ:

یہ کہ ہرمزان کا سر پرست کوئی نہ تھا اور جس مشغول کا کوئی سر پرست نہ بنے اس کا سر پرست حکومت کا سربراہ ہوتا ہے، لہذا وہ قصاص سے دستبردار ہو گئے اور دیت ادا کر دی اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام قانڈبان تھا اور وہ دعویٰ قصاص سے دستبردار ہو گیا تھا۔^[1]

لیکن اس کی سند صحیح نہیں البتہ یہ بات تاریخ میں مشہور بہت ہے، اس لیے ہم نے اس کے جواب میں تاریخی کتب کا مشہور واقعہ ذکر کر دیا ہے۔

بارھواں اعتراض

”کہ انھوں نے جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ کیا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي»^[2]

”کہ تم پر میری سنت لازم ہے اور میرے بعد (میرے) خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔“

اور یہ اضافہ، خلفاء راشدین کی سنت سے تعلق رکھتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اور انہوں نے مصلحت سمجھی کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے وقت کی نزدیکی سے آگاہ کرنے کے لیے اذان کہی جائے، کیونکہ مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ پر اجتہاد کیا اور تمام صحابہؓ نے موافقت کی اور یہ عمل تسلسل کے ساتھ جاری رہا اور اس میں کسی نے بھی مخالفت

[1] طبری ۳/۳۰۵، اس قصے کا انحصار کذاب راوی سیف بن عمر پر ہے۔

[2] سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ ۴۶۰۷، سنن ترمذی کتاب العلم: ۲۶۷۶۔

نہیں کی، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور سے لے کر بنو امیہ اور بنو عباس کے دور تک یہی دستور جاری رہا اور ہمارے آج کے دور تک کسی مسلمان نے اس کی مخالفت نہیں، لہذا یہ مسلمانوں کے اجماع سے سنت قرار پائی۔ اور یہ ایسی سنتوں میں سے ہے جن کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي»

علاوہ ازیں اس اذان کا اصل شرع میں موجود ہے اور وہ ہے سحری کی اذان۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اس اذان پر جمعہ کی اذان کو قیاس کر لیا۔

تیرھواں اعتراض

انہوں نے حکم بن العاص کو واپس بلا لیا حالانکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اسے جلا وطن کر دیا تھا۔ اس بہتان کے تین جوابات ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم، فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والوں میں سے ہے اور اس کا تعلق طلقاء سے ہے اور طلقاء مکہ کے رہنے والے تھے، وہ مدینہ میں بستے ہی نہ تھے، اس کو آپ ﷺ کس طرح جلا وطن کر سکتے تھے، جبکہ وہ اصلاً مدینہ منورہ کے رہنے والوں میں سے نہ تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہماری شریعت میں جلا وطنی کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے اور ساری زندگی جلا وطن کرنے کا ثبوت اللہ کی شریعت میں نہیں ہے اور وہ کون سا جرم ہے جس کی سزا یہ ہو کہ انسان کو ساری زندگی جلا وطن کر دیا جائے؟

جلا وطنی، حکمران کی طرف سے تعزیری سزا ہوتی ہے، اگر ہم فرض کر لیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے واقعی اسے جلا وطن کیا تھا اور وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی

اور پھر خلافت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق میں بھی جلا وطن رہا ہو، پھر حضرت عثمان نے واپس بلا لیا ہو تو کتنے سالوں بعد؟ تقریباً پندرہ سال بعد اور اس میں کیا حرج ہے؟ اور یہ بھی اس وقت ہے جب یہ بات ثابت ہو جائے حالانکہ یہ تو ثابت ہی نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت نبی مکرم ﷺ نے عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح کے متعلق حضرت عثمان کی سفارش کو قبول کر لیا تھا، حالانکہ وہ مرتد ہو گیا تھا، تو حکم نے اس سے بڑا جرم تو نہ کیا تھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ، عبد اللہ بن سعد کو تو معاف کر دیں اور اسے معاف نہ کریں۔

یہ تھے حضرت عثمانؓ پر اعتراضات! جن میں کچھ تو سفید جھوٹ تھے۔

اور کچھ تھے تو محاسن لیکن انہیں عیب بنا دیا گیا۔

اور کچھ اجتہادی امور تھے جن میں آپ سے غلطی ہوئی یا آپ درست رہے۔

اور کچھ غلطیاں واقعی ہوئیں لیکن وہ غلطیاں ان کی نیکیوں کے سمندر میں غرق ہو

گئیں۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ۔

شہادت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کے خلاف اس طرح کے فتنہ انگیز پروپیگنڈے کے بعد ۳۵ھ میں کوفہ اور بصرہ کے بدو اور مصر کے بد فطرت ادبائش، بظاہر حج کرنے اور دراصل حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے لیے (مدینہ منورہ کی طرف) چل پڑے۔

ان کی تعداد کے متعلق مختلف اندازے لگائے گئے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو ہزار مصر سے، دو ہزار کوفہ سے اور دو ہزار بصرہ کے باشندے تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد مجموعی طور پر دو ہزار تھی۔ علاوہ ازیں دیگر اقوال بھی موجود ہیں۔ کیونکہ باقاعدہ اعداد و شمار تو تھے نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ دو ہزار سے کم اور چھ

ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔

چنانچہ وہ مدینہ میں سے داخل ہو گئے اور حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے منصب خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کر دیا۔ یہ لوگ اپنے اپنے قبائل کے جنگجو بد معاش تھے اور دھمکی و زور بازو سے حضرت عثمان کو معزول کرنے آئے تھے۔ انہوں نے ذوالقعدہ کے آخری دنوں میں آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور ۱۸ اٹھارہ ذی الحجہ تک آپ کو محاصرے میں رکھا، اور یہی دن آپ کی شہادت کا دن تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محاصرہ چالیس (۴۰) دن جاری رہا۔ اس سلسلے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن یہ محاصرہ بہر حال اکتالیس (۴۱) دن سے زیادہ نہ تھا۔

جب حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر کے (مسجد نبوی میں) نماز سے بھی روک دیا گیا، بلکہ پانی بھی بند کر دیا گیا تو ان کے دفاع کی خاطر چند صحابہ کرام ان کے پاس چلے گئے اور جو لوگ آپ کے گھر میں آپ کی حفاظت کی خاطر بیٹھے رہے ان میں مشہور ترین صحابہ یہ تھے۔

سیدنا حسنؓ بن علیؓ، سیدنا حسینؓ بن علیؓ، عبد اللہؓ بن زبیرؓ، ابو ہریرہؓ، محمد بن طلحہ بن عبید اللہ (السجاد)، عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم)۔

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے ارادے سے آنے والے باغیوں کے سامنے تلواریں سونت لیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو لڑائی کرنے سے روک دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ دفاع کے لیے آنے والے صحابہ کرام کے بیٹوں کی تعداد سات سو سے متجاوز تھی لیکن ان سات سو افراد کی تعداد ان باغیوں کی تعداد کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی جو کم از کم دو ہزار تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے مردي ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھا، آپ نے

فرمایا جو کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس پر (امیر المؤمنین کی) اطاعت فرض ہے تو میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ اور تلوار کو روک لے۔^[1]

حضرت امام ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت زید بن ثابتؓ امیر المؤمنین عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ”انصار آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم دوبارہ انصار اللہ بن جائیں؟ اور جس طرح ہم حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اسی طرح ہم آپ کا ساتھ بھی دیں؟ آپ نے فرمایا: میں (اس شہر میں) لڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔^[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عثمان کے پاس گئے، تو انہوں نے آپ سے کہا: اے ابن عمر! دیکھیے یہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو دستبردار ہو جا اور اپنی جان نہ گنوا!۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا: اگر جب آپ اس منصب سے دستبردار ہو جائیں گے تو کیا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے؟

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ”نہیں“

ابن عمرؓ نے فرمایا: ”اگر آپ دستبردار نہ ہوئے تو یہ لوگ آپ کو شہید کرنے سے بڑھ کر اور کیا کر سکتے ہیں؟

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: کچھ نہیں۔

ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا وہ جنت اور دوزخ کے مالک بن جائیں گے؟۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ”نہیں۔“

تو آپؓ نے فرمایا: ”میں آپ کو یہ رائے نہ دوں گا کہ آپ اس قمیص کو اتاریں جو

[1] مصنف ابن ابی شیبہ بسند صحیح ۲۴/۱۵ حدیث نمبر ۱۹۵۰۸۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۵/۱۵، حدیث نمبر ۱۹۸۵۰۹۔

اللہ نے آپ کو پہنائی ہے، ورنہ یہ دستور بن جائے گا کہ جب بھی کوئی قوم اپنے خلیفہ یا امام کو برا سمجھنے لگے گی تو اسے دستبردار کر دے گی۔^[۱]

(علاوہ ازیں) حضرت عثمان نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ جو کوئی اپنے ہتھیار پھینک دے، وہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ چنانچہ آپ نے خود ہی لوگوں کو لڑائی سے روک دیا۔

حضرت عثمان کو کن لوگوں نے شہید کیا؟

حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد وہ لوگ دیواریں پھاند کر آپ کے گھر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے آپ کو اس حال میں قتل کیا کہ آپ مصحف شریف سامنے رکھ کر تلاوت میں مصروف تھے۔

خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا:

کیا حضرت عثمان کو شہید کرنے والوں میں انصار و مہاجرین کا کوئی فرد بھی شامل تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ مصر کے اجڈ قسم کے اوباش تھے۔^[۲] (حضرت حسن بصریؒ نے یہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ آپ کبار تابعین میں سے تھے)

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کارروائی میں کن لوگوں نے براہ راست حصہ لیا، کیونکہ جو لوگ ان کے گھر داخل ہوئے تھے وہ جتنے کی صورت میں تھے۔ لیکن اس فتنہ کے مشہور سرغنہ یہ تھے، (۱) کنانہ بن بشر، (۲) رومان یمانی، (۳) جبلیہ، (۴) سودان بن حمران، (۵) بنو سدوس کا ایک آدمی جس کا لقب موت الاسود تھا، اور (۶) مالک بن اشتر نخعی۔

[۱] احمد فضائل الصحابہ بسند صحیح ۴۷۳/۱ نمبر ۷۶۷.

[۲] تاریخ خلیفہ ص: ۱۷۶.

حضرت عمرہ بنت ارطاة فرماتی ہیں کہ:

جس سال حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تھا اس سال میں، حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ مکہ گئی تھی، چنانچہ ہم مدینہ پہنچیں تو ہم نے وہ مصحف شریف بھی دیکھا جو آپؐ کی شہادت کے وقت آپؐ کی گود میں تھا۔ چنانچہ آپؐ کے خون کے قطروں میں پہلا قطرہ اس آیت کی ابتداء میں گرا ہوا تھا۔

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرہ ۱۲۷]

”حضرت عمرہ فرماتی ہیں کہ: ان میں سے کوئی آدمی بھی اپنی موت آپ نہ مرا (بلکہ سب قتل ہوئے)“^[۱]

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:

میں کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک آدمی یوں دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! مجھے بخش دے! لیکن میرے خیال میں تو مجھے بخشے گا نہیں!

فرماتے ہیں کہ میں تعجب کرنے لگا۔ چنانچہ میں نے کہا:

”اے بندہ خدا! میں نے کسی کو تیری طرح دعا مانگتے نہیں دیکھا۔

اس نے کہا کہ میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں عثمان کو تھپڑ ماروں گا چنانچہ جب وہ قتل کیے گئے اور چار پائی پر لٹائے گئے اور لوگ ان کے گھر میں ان پر نماز جنازہ پڑھ کر جا رہے تھے، میں بھی نماز کے بہانے داخل ہو گیا۔ جب میں نے اطمینان کر لیا کہ اب گھر میں کوئی نہیں (دیکھ رہا) تو میں نے ان کے چہرے سے کیڑا ہٹا کر اس پر تھپڑ مارا، بس اسی وقت میرا ہاتھ مفلوج ہو کر خشک ہو گیا۔ حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ:

[۱] احمد فضائل الصحابہ ۵۰/۱، حدیث نمبر: ۸۱۷۔ علاوہ ازیں دیکھئے ۷۶۶/۷۶۵۔

میں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا تو وہ خشک ٹہنی کی طرح تھا۔^[1]

حضرت عثمان کس طرح شہید ہوئے اور صحابہ
نے ان کا دفاع کیوں نہ کیا؟

پہلی وجہ:

اور وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خود ہی انہیں روک دیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنی
نکواریں میان میں کر لیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قضا اور قدر کو تسلیم کرنے پر تیار ہو گئے۔
اور ان کے اس حکم کی دو وجوہات ہیں:

⊗ پہلی وجہ: شجاعت عثمان رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ و ارضاء۔

⊗ دوسری وجہ: امت محمدیہ پر شفقت۔

انہوں نے دیکھا کہ وہ بدوی اجڑ قسم کے اوباش لوگ ہیں اور فساد کرنے پر تلے
ہوئے ہیں، اگر ان کے ساتھ صحابہ نے لڑائی شروع کر دی تو فساد بڑھ جائے گا اور
بہت سے صحابہ کے قتل ہونے کی بجائے ایک آدمی کا قتل ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔
اور بسا اوقات فساد یوں کے ہاتھ حرمیں پامال کرنے اور مال بھی لوٹنے لگتے ہیں،
چنانچہ انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ وہ خود ہی قتل ہو جائیں اور کوئی صحابی قتل نہ ہو
اور مدینہ الرسول کی حرمت بھی پامال نہ ہو۔ [رضی اللہ عنہ]

دوسری وجہ:

یہ تھی کہ ان باغیوں کی بہ نسبت صحابہ کرام کی تعداد تھوڑی تھی کیونکہ اصحاب رسول ﷺ

[1] البدایہ والنہایہ ۷/۲۰۰، رجالہ ثقات غیر عیسیٰ بن المنہال و ذکرہ ابن حبان فی الثقات
و ذکرہ ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل ۶/۲۸۸ و سکت عنہ و کذا ذکرہ البخاری فی
التاریخ الكبير: ۶/۳۹۹ و سکت عنہ ایضاً۔

چار جگہوں پر تھے۔

مکہ: کیونکہ حج کا موسم تھا اور بہت سے صحابہ کرام حج کے لیے مکہ میں موجود ہونے کی وجہ سے مدینہ میں حاضر نہ تھے اور حضرت عثمان نے حضرت عبد اللہ بن عباس (ہاشمی قرشی) کو امیر حج بنایا تھا۔

بعض صحابہ کرام مکہ سے اقامت گزریں ہو چکے تھے اور، بعض صحابہ کرام مختلف شہروں میں آباد ہو گئے تھے۔ کچھ کوفہ میں اور کچھ بصرہ اور مصر و شام وغیرہ شہروں میں رہائش پذیر تھے۔

جہاد: بہت سے صحابہ کرام سرحدوں پر جہاد میں مصروف تھے۔
مدینہ منورہ: لیکن ان کی تعداد، باغیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔

تیسری وجہ:

صحابہ کرامؓ نے اپنی اولاد کو حضرت عثمان کا دفاع کرنے کے لیے بھیج دیا تھا، لیکن یہ بات ان کے وہم و گمان میں نہ تھی کہ صورتحال قتل تک جا پہنچے گی وہ سمجھتے تھے کہ یہ محض محاصرہ اور عناد ہے، یہ لوگ ڈرا دھمکا کر واپس چلے جائیں گے۔

باقی رہا ان کا سر چڑھنا اور حضرت عثمان کو قتل کرنا، یہ بات صحابہ کے وہم و گمان سے باہر تھی، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

لیکن ان سب اقوال میں سے صحیح قول یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خود ہی بلوائیوں سے لڑنے سے روک دیا تھا۔

خلافت سیدنا علیؓ بن ابی طالب

۵۳۵ تا ۵۴۰ھ

آپ کا نام علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد اور آپ کی لخت جگر سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہؓ کے شوہر ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ ہے جو اسد بن ہاشم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔^[1] آپ کی کنیت ابو الحسن ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ کی کنیت ابو تراب رکھی، آپ بچپن میں مسلمان ہوئے اور ایک مشہور قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔^[2]

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (ابن الحنفیہ) سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ شہادت عثمان کے بعد ان کے گھر آئے، پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور اپنا دروازہ بند کر لیا، لوگوں نے آپ کے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور کہنے لگے: یہ شخص تو قتل ہو چکا اور لوگوں کے لیے خلیفہ کا وجود لازمی ہے اور ہم آپ سے بڑھ کر کسی اور کو اس منصب کا حق دار نہیں سمجھتے۔

[1] معرفة الصحابة ۱/ ۲۷۸۔

[2] معرفة الصحابة ۱/ ۲۸۷۔ حضرت علیؓ کے مزید فضائل و مناقب باب ”رسول اللہ کے بعد خلیفہ

کون؟“ میں ملاحظہ کیجئے۔ صفحہ نمبر: ۲۴۸۔

حضرت علیؓ نے انہیں جواب دیا کہ میرا خیال چھوڑ دو، تمہارے حق میں میرا وزیر بننا، امیر بننے سے بہتر ہے۔

انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! ہم آپ سے بڑھ کر کسی اور کو اس منصب کا حق دار نہیں سمجھتے، آپ نے فرمایا: ”اگر تمہارا اصرار ہے تو میری بیعت یہاں خفیہ نہیں ہو سکتی، لیکن میں مسجد کی طرف نکلتا ہوں، پھر وہاں اگر تم میں سے کوئی شخص میری بیعت کرنا چاہے تو کر لے۔ چنانچہ آپ مسجد نبوی میں چلے گئے تو لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔^[1]

مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام مہاجرین اور انصار نے آپ کی بیعت کی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اس موقع پر بیعت نہ کی تھی مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب نے بیعت کر لی تھی اور یہی قول مشہور ہے البتہ حضرت سعدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، محمد بن مسلمہؓ نے جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیا تھا، جبکہ بیعت تو انہوں نے (اس وقت ہی) کر لی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فضائل الصحابہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ حضرت عوف بن ابی جلیلہ فرماتے ہیں، کہ میں حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ شہادت عثمان کے وقت مدینہ میں موجود تھے، چنانچہ لوگوں نے صحابہ رسولؐ کا تذکرہ شروع کر دیا تو ابن جوشن غطفانی حضرت حسن بصریؒ سے کہنے لگا:

اے ابو سعید! حضرت ابو موسیٰ (اشعری) پر حضرت علیؓ کی اتباع کی وجہ سے عیب لگایا گیا ہے۔^[2]

یہ سن کر حضرت حسن بصریؒ اس قدر غضب ناک ہوئے کہ غصے کے آثار ان کے

[1] احمد فضائل صحابہ باسناد صحیح ۵۷۶/۲، رقم ۹۶۹۔

[2] احمد، ۵۷۶/۲، رقم ۹۷۶۔

اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ پر اس وجہ سے طعن کیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا جبکہ اس کے خیال میں انہیں حضرت علیؓ کا ساتھ نہیں دینا چاہئے تھا۔

چہرے سے نمایاں ہونے لگے اور فرمایا تو پھر اس وقت کس کی اتباع کی جاتی؟!
امیر المومنینؑ کو ظلماً شہید کیا گیا، تو لوگوں نے اپنے میں سے بہتر انسان کی طرف
رجوع کیا اور اس کی بیعت کر لی۔ (اگر ان کی بیعت نہ کرتے) تو کس کی اتباع کی
جاتی! حسن بصریؒ اس بات کو بار بار دہراتے رہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان کے بعد، حضرت علیؑ، تمام صحابہ سے
افضل ہیں۔^[1]

امام ابو العباس احمد بن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے اس شخص کو بدعتی
قرار دینا منصوص ہے جو حضرت علیؑ کی خلافت میں توقف کرے، آپ نے فرمایا (کہ
ان کی خلافت میں توقف کرنے والا) اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور
انھوں نے ایسے شخص سے بایکاٹ کا حکم دیا ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سمیت تمام ائمہ اہل السنۃ، حضرت علیؑ بن ابی
طالب کو خلافت کا مستحق سمجھنے میں تردد نہیں کرتے اور نہ ہی وہ آپ کے خلیفہ برحق
ہونے میں شک کرتے ہیں۔^[2]

چنانچہ اہل السنۃ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کے
صحابہ کرام میں سے افضل صحابی حضرت ابو بکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ، اس کے بعد حضرت
عثمانؓ اور علیؓ کے مابین فضیلت میں ان کا اختلاف ہے، لیکن اکثر کا نظریہ یہ ہے کہ
حضرت عثمانؓ حضرت علی المرتضیٰ سے افضل ہیں تاہم ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
حضرت علی المرتضیٰؓ چوتھے برحق خلیفہ ہیں۔

[1] (اور اس بات کی تصدیق حضرت علیؑ نے بذات خود کر دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: **أَلَا إِنَّ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ**
اللَّهِ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ. [دیکھئے طبقات حنیبلہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶])

[2] مجموع فتاویٰ: ۴/۴۳۸.

جنگ جمل [۷۳۶]

جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت ہو گئی تو حضرت طلحہ اور زبیرؓ نے آپ سے مکہ معظمہ جانے کی اجازت طلب کی، آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے جبکہ انہیں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سب حضرات مکہ میں جمع ہوئے اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا عزم کیا۔ ادھر بصرہ سے یعلیٰ بن منبہ اور کوفہ سے عبداللہ بن عامر بھی آگئے اور انہوں نے بھی مکہ میں اکٹھے ہو کر حضرت عثمانؓ کے قصاص کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ سے بصرہ کی طرف، قاتلین عثمانؓ سے انتقام لینے کے لیے نکل پڑے انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ ان سے حضرت عثمانؓ کا دفاع کرنے میں تقصیر ہوئی۔

دوسری طرف حضرت علیؓ بن ابی طالب مدینہ میں تھے اور حضرت عثمان بن حنیف ان کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ جب یہ لوگ بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت عثمان بن حنیف نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ: ”تم لوگ کیا چاہتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم قاتلین عثمان (سے انتقام لینے) کا عزم لے کر آئے ہیں! حضرت عثمان بن حنیف نے جواب بھیجا کہ جب تک حضرت علیؓ نہ آئیں (ہم اس کی اجازت نہ دیں گے) اور انہیں بصرہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

اس کے بعد قاتلین عثمان کا سر غنہ جبلہ اپنے سات سو (۷۰۰) جنگجوؤں کو لے کر نکلا اور ان پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اس جھڑپ میں حضرت عثمان کے حامیوں کو فتح حاصل ہوئی اور انہوں نے اس کے بہت سے جنگجوؤں کو قتل کر دیا۔

اس کے نتیجہ میں بصرہ کے بہت سے لوگ حضرت طلحہ و زبیر اور سیدہ عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لشکر سے مل گئے۔

جب حضرت علی بن ابی طالبؓ نے سنا کہ بصرہ میں ان کے گورنر عثمان بن حنیف، اور حضرت طلحہ و زبیر و ام المومنین عائشہ کے لشکروں میں لڑائی چھڑ چکی ہے تو سرعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوفہ پہنچے اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) کی تعداد میں ایک لشکر جہاز تیار کیا اور حضرت طلحہ و زبیر کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔^[۱]

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علیؓ نے مقداد بن اسود اور قتیبہ بن عمرو کو حضرت طلحہ و زبیرؓ سے مذاکرات کرنے کے لیے بھیج دیا۔

چنانچہ حضرت مقداد اور قتیبہؓ نے ایک طرف سے اور حضرت طلحہ و زبیرؓ نے دوسری طرف سے جنگ نہ کرنے پر اتفاق کر لیا اور ہر فریق نے اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ حضرت طلحہ و زبیرؓ کا نقطہ نظریہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے جبکہ حضرت علیؓ کا نظریہ تھا کہ ابھی قصاص لینا مناسب نہیں بلکہ اس وقت لیا جائے جب حالات درست ہو جائیں (اور حکومت مستحکم ہو جائے)

چنانچہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر تو اتفاق ہو گیا لیکن یہ بات طے کرنا باقی رہ گئی، کہ قصاص کب لیا جائے؟

[۱] یہاں ہمیں صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ان کے خلاف فوج کشی کی تھی جبکہ حضرت طلحہ و زبیرؓ کا ان سے لڑائی کرنے کا ارادہ نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے ان پر چڑھائی کی البتہ شیعہ صاحبان اور ان سے متاثرین بھی تاثر دیتے ہیں کہ حضرت طلحہ و زبیرؓ نے چڑھائی کی تھی۔

اس اتفاق کے بعد فریقین کے لشکروں نے بہترین رات گزاری اور پر لطف نیند سوئے جبکہ سبائیوں کی نیندیں حرام ہو گئیں کیونکہ ان سے قصاص لینے پر اتفاق ہو گیا تھا چنانچہ اس معرکے کی تاریخ لکھنے والے مؤرخین امام طبری^[1]، ابن کثیر^[2]، ابن الاثیر^[3]، ابن حزم^[4]، وغیرہ نے اپنی تواریخ میں لکھا ہے کہ

اس موقع پر سبائیوں نے یہ پروگرام بنایا کہ یہ معاہدہ قصاص پورا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ سحری کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے تھے کہ سبائیوں کے ایک جتھے نے حضرت طلحہؓ وزیر کے لشکر پر حملہ کر دیا اور کچھ افراد کو قتل کر کے بھاگ گئے۔

حضرت طلحہؓ کے لشکر نے سمجھا کہ حضرت حضرت علیؓ نے ان سے بد عہدی کی ہے، اس لیے انہوں نے بھی حضرت علیؓ کے لشکر پر تیر اندازی شروع کر دی۔

ادھر حضرت علیؓ کے لشکر نے یہ سمجھ کر کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے لشکر نے بد عہدی کی ہے، جواباً تیر اندازی شروع کر دی، چنانچہ دو پہر تک دونوں فریق ایک دوسرے پر تیر پھینکتے رہے۔ اس کے بعد گھمسان کا رن پڑ گیا، دونوں لشکروں کے بڑوں نے جنگ روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے، حضرت طلحہؓ بار بار کہتے۔ اے لوگو! میری بات سنو! لوگو! تم خاموش کیوں نہیں ہوتے؟

لیکن وہ کسی کی نہ سنتے تھے چنانچہ حضرت طلحہؓ نے افسوس سے فرمایا:

أَفِ أَفٍّ فَرَّاشَ نَارٍ وَ ذَبَّانَ طَمْعٍ^[5] (یعنی افسوس کہ لوگ جنگ میں یوں

کود رہے ہیں جیسے شیرے میں لالچی کھیاں اور آگ میں احمق پتنگے گرتے ہیں)

دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے لشکر کے لوگوں کو روکتے رہے لیکن ان کی بھی نہیں سنی جا رہی تھی۔ آخر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے لڑائی روکنے کے

[1] تاریخ طبری: ۵۱۷/۳. [2] البایة والنہایة: ۲۵۰/۷. [3] الکامل فی التاریخ: ۱۲۰/۳.

[4] الفصل فی الملل والاهواء والنحل ۴/۲۳۸. [5] تاریخ خلیفہ بن عبیاط: ۱۸۲.

لیے کعب بن مسور کو مصحف شریف دے کر بھیجا مگر سبائیوں نے اس پر بھی تیر پھینکنے شروع کر دیئے حتیٰ کہ انہیں شہید کر ڈالا۔

در اصل اس کی وجہ یہ ہے کہ (عیاذ باللہ) جب لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کوئی آدمی اسے روک نہیں سکتا۔ امام بخاریؒ نے کتاب الفتنہ میں اس سلسلے میں امراء القیس کے اشعار ذکر کیے ہیں کہ

الْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُونُ فِتْنَةً

تَسْعَى بِزِينَتِهَا لِكُلِّ جَهُولٍ

حَتَّى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَ شَبَّ ضَرَامُهَا

وَلَّتْ عَحُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلٍ

شَمُطَاءٌ يُنْكِرُ لَوْنُهَا وَ تَغْيِرُ

مَكْرُومَةً لِلشِّمِّ وَ التَّقْيِيلِ^[1]

”کہ لڑائی، ابتداء میں تو ایک نوعمر بچی کی طرح جو ان ہوتی ہے اور انجام سے

بے خبر لوگوں کے درمیان، پوری زیبائش کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔“

”جب وہ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کے شعلے اٹھنے لگتے ہیں تو ایک کمروہ

بوڑھی بیوہ بن جاتی ہے۔“

”اس کے بال بکھرے ہوتے ہیں، رنگ بدلا ہوتا ہے، کمروہ اور بد شکل

ہونے کی بنا پر سونگھنے اور بوسہ لگانے کے قابل بھی نہیں رہتی۔“

معمر کہ جمل حضرت علی المرتضیٰؑ کی خلافت کی ابتداء میں ۳۶ھ میں ظہر کے بعد

شروع ہوا اور اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے ختم ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) تھی اور اہل جمل کی تعداد پانچ اور چھ ہزار کے درمیان تھی، حضرت علیؓ کے لشکر کا جھنڈا محمد بن علی بن ابی طالب، (ابن الحنفیہ) کے ہاتھ تھا اور اہل جمل کا جھنڈا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس تھا۔ اس دن بہت سے مسلمان مارے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ سے ہماری تلواروں کو سلامت رکھا، ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کے لیے خوشنودی کا سوال کرتے ہیں۔

اس معرکہ میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت محمد بن طلحہ (الساد) شہید ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی حضرت طلحہؓ۔ کیونکہ جب حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت زبیر کو دیکھا تو فرمایا:

کیا آپ کو یاد ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے تمہیں کہا تھا کہ تم مجھ (علی) سے لڑو گے اور تمہارا یہ فعل میرے (علیؓ کے) حق میں ظلم ہوگا، چنانچہ حضرت زبیر واپس پلٹ گئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

اتنی بات تو صحیح ہے کہ آپ نے جنگ نہ لڑی، لیکن کیا واقعی ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان مندرجہ بالا گفتگو ہوئی؟

اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن اس روایت کی سند مضبوط نہیں لیکن کتب تاریخ میں بہت مشہور ہے اور اس سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اس معرکہ میں شریک نہیں ہوئے اور آپؐ ابن جرموز نامی شخص کے ہاتھوں دھوکے سے شہید ہوئے۔

حضرت طلحہ (القیاضؓ) لوگوں کو لڑائی سے روکتے پھرتے تھے کہ آپ کو اپنے پاؤں کے پرانے زخم پڑ کوئی اجنبی تیر آگیا، تو آپ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس معرکہ میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا اونٹ ان کے لشکر کا علامتی نشان تھا اور ناموس رسالت کے فدائی اس کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں پر کھیل رہے تھے اور جب تک اونٹ نہ گرا اس وقت تک یہ معرکہ گرم رہا اور بہت سے لوگ

اس کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے، جب اونٹ گر پڑا تو معرکہ ختم گیا اور حضرت علیؓ فتح یاب ہوئے، مگر حقیقت میں کوئی بھی فتحیاب نہیں ہوا کیونکہ اس معرکہ میں اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہوا۔

جب یہ جنگ ختم ہوئی تو حضرت علیؓ مقتولین کے درمیان پھرنے لگے جب آپ نے حضرت طلحہ (الفیاض) بن عبید اللہ کو پایا تو انہیں (اپنی گود میں) بٹھا کر ان کے منہ سے مٹی صاف کرتے ہوئے فرمایا: اے ابو محمد! تیرا آسمان کے تاروں تلے مٹی میں لت پت ہونا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا اس کے بعد آپ رو دیئے اور فرمایا:

اور فرمایا: کاش کہ میں بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا! ^[1]

جن صحابہ کرام نے اس جنگ میں شمولیت کی وہ سب کے سب اس واقعے پر پریشان ہوئے، حضرت علیؓ کا بھی یہی حال تھا کہ جب انہوں نے محمد بن طلحہ کو مقتولین میں پایا تو رو دیئے۔ محمد بن طلحہ کو کثرت عبادت کی وجہ سے سجاد کا لقب دیا گیا تھا۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ۔

ابن سعد نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے ابن جریموز (ملعون) حضرت زبیرؓ کی تلوار لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں یہ کہتا ہوا پیش ہونے لگا کہ: میں نے زبیر کو قتل کیا ہے، میں نے زبیر کو قتل کیا، جب حضرت علیؓ نے سنا تو فرمایا:

اس تلوار نے کتنے عرصے تک حضرت نبی کریم ﷺ کی مشکلات کو دور ہٹایا اس کے بعد فرمایا:

ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی آگ کی بشارت دو (حضرت زبیر، حضرت نبی کریم علیہ السلام کی پھوپھی کے بیٹے تھے) اور اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ ^[2]

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲۰۷/۱۱، أشد الغابة ۸۸/۳، رجالہ ثقات، حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ جلد ۲/۳۰۲ پر تھوڑے سے تفسیر کے ساتھ یہ الفاظ ذکر کیے ہیں۔ [2] طبقات ابن سعد ۱۰۵/۳۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص کیوں نہ لیا؟

حضرت علیؓ مصلحت اور مفیدہ کو مد نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قصاص کو مؤخر کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے قصاص کو صرف مؤخر کر دیا تھا، ترک نہیں کیا تھا۔

جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے اُفک کے موقعہ پر کیا تھا کہ چند لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ پر بہتان لگایا اور حضرت حسان بن ثابت، حمہ بنت جحش اور مسطح بن اثاثہ نے اس میں نمایاں حصہ لیا لیکن اس سلسلے میں عبد اللہ بن ابی (ابن سلول) نے بڑا کردار ادا کیا۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ”مجھے اس عیسٰی (یعنی عبد اللہ بن ابی سلول) سے کون نجات دلائے گا جس کی ایذا میرے گھر تک پہنچ گئی؟“

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے پیارے رسول میں آپ کو اس سے نجات دلاؤں گا، اگر وہ ہمارے بن قبیلے کا ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے اور اگر اس کا تعلق ہمارے ان بھائیوں سے ہے جو خزرج قبیلے سے ہیں تو آپ ہمیں اسے قتل کرنے کا حکم دیں، ہم بجالائیں گے۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ خزرجی کھڑے ہوئے اور ان کو سخت جواب دیا۔

اس کے بعد حضرت اسید کھڑے ہوئے تو انہوں نے سعد بن عبادہ کا رد کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت نبی اکرم ﷺ انہیں خاموش کرانے لگے۔^[1]

آپ کو معلوم تھا کہ معاملہ بڑا نازک ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی تشریف

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث اُفک حدیث نمبر: ۴۱۴۱ مسلم کتاب الثوبۃ: ۵۶.

آوری سے قبل، اوس اور خزرج اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ وہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو اپنا حکمران بنالیں، چونکہ اس کا ان کے ہاں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اور یہی وہ شخص تھا جو جنگ احد کے دن لشکر کا تیسرا حصہ واپس لے آیا تھا۔

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر اس شخص کو کوڑے لگوانے سے گریز کیا۔ اس شخص کو کوڑے کیوں نہ لگائے؟ صرف مصلحت اور مفیدہ کو مد نظر رکھ کر کیونکہ آپ نے بھانپ لیا کہ اس کو کوڑے نہ لگانے کی بہ نسبت کوڑے لگوانا زیادہ خطرناک ہے۔

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ نے بھی بھانپ لیا کہ قصاص میں جلدی کی بجائے دیر کرنے میں فساد بہت کم ہوگا۔ بلکہ درحقیقت آپ قاتلین عثمان کو (فوری طور پر) قتل کرنے پر قادر ہی نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امن و امان کی حالت تسلی بخش نہ تھی اور فتنہ دبا نہیں تھا اور قاتلین عثمان کے قبائل اپنے اپنے مجرموں کا دفاع کرنے پر تلے بیٹھے تھے، اور پھر فوری قصاص لینے کی صورت میں کون ضمانت دیتا کہ وہ حضرت علیؑ کو بھی قتل نہ کر دیتے؟ جبکہ آخر کار انہوں نے ہی حضرت علیؑ کو اس کے بعد قتل کر دیا تھا۔ اسی بنا پر جب حضرت معاویہؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے بھی قاتلین عثمان سے قصاص نہ لیا۔

کیوں؟ اس لیے کہ وہ بھی اس حقیقت کو دیکھنے لگے تھے جو حضرت علیؑ دیکھ چکے تھے، البتہ حضرت علیؑ اس صورتحال کو حقیقتاً دیکھ رہے تھے، جبکہ حضرت معاویہؓ اسے نظری طور پر دیکھتے تھے۔ اور جب خود ان کے ہاتھ میں خلافت آئی تو انہیں بھی اصل صورتحال وہی نظر آئی جو حضرت علیؑ کو نظر آئی تھی، یہ درست ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے دور امارت میں مختلف آدمی بھیج کر بعض قاتلین عثمان سے قصاص لے بھی لیا تھا۔ لیکن دوسرے بہت سے قاتلین حجاج بن یوسف کے دور یعنی عبد الملک بن مروان کی خلافت

تک زندہ رہے، حتیٰ کہ اس دور میں آخری قاتل بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔^[1]

مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی کمزوری کی بنا پر قصاص میں تاخیر نہ کر رہے تھے بلکہ امت پر شفقت کی بنا پر ایسا ہوا تھا۔

جب یہ معرکہ جمل ختم ہوا تو حضرت علیؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو سنبالا اور انہیں حضرت رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق عزت و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی کہ:

تیرے اور عائشہ کے درمیان اختلاف ہوگا۔

تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (اس صورت) میں سب سے زیادہ بد بخت ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں بلکہ جب یہ موقع آئے تو اسے اس کے محفوظ مقام پر بھیج دینا۔^[2]

چنانچہ آپ نے وہی کیا جس کا آپ کو رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا۔

[1] جب حجاج بن یوسف ثقفی نے گورز عراق کی حیثیت سے کوفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو محاذ جنگ پر پہنچنے کا حکم دیا تو اس وقت ایک بوڑھا کوئی پیش خدمت ہوا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے کو محاذ جنگ پر بھیج کر خود گھر میں رہنے کی درخواست کرنے لگا۔ چنانچہ حجاج نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ جب وہ واپس پلٹا تو کسی نے حجاج سے کہا: اے امیر! آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ یہ عیسیٰ بن صابی ہے جس نے امیر المومنین عثمانؓ کی لاش کو ٹھوکر مار کر اُن کی پسلیاں توڑ دی تھیں۔ یہ سن کر حجاج نے اسے واپس بلایا اور اس سے پوچھا: اَانتَ الذی کسر ضلعی امیر المومنین عثمانؓ؟ یہ خاموش ہو گیا تو اس نے جلا دے کہا: اس منافق کی گردن اُڑا دے تو اس نے تلوار سے اس کی گردن اُڑا دی۔ [مترجم ۲]

[2] مسند احمد ۶/۳۹۳، قال الحافظ فی الفتح و سندہ حسن ۱۳/۶۰۔

جنگ صفین [۵۳۷ھ]

جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

اب ضروری ہے کہ معاویہؓ میری بیعت کریں۔

چنانچہ حضرت علیؑ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے لشکر تیار کر لیا (اور اس جنگ سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی) کہ حضرت معاویہؓ بیعت کریں لیکن وہ بیعت کا مطالبہ مسترد کر چکے تھے اس لیے حضرت علیؑ ایک لاکھ افراد پر مشتمل لشکر لے کر شام کے اندر صفین کے مقام پر پہنچ گئے۔

جب حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؑ کی چڑھائی کے متعلق سنا تو منبر پر تشریف لائے اور کہا: حضرت علیؑ، عراق سے ایک لشکر لے کر تمہاری طرف نکلے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟

لوگوں نے اپنی ٹھوڑیاں اپنے سینوں پر رکھ لیں اور سر تسلیم خم کر دیے۔ چنانچہ حضرت ذوالکلاع حمیری کھڑے ہوئے اور کہا:

رائے آپؑ ویں اور عمل ہم کریں گے اور باقی تمام حاضرین بخا موٹی سے بیٹھے رہے! یہ تمہاشی لشکر کا نظم و ضبط!

ادھر حضرت علی المرتضیٰؑ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد

فرمایا:

معاویہ شام سے ایک لشکر لے کر تمہاری طرف آرہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟
تو جواباً پوری مسجد شور شرابے سے بھر گئی اور کچھ کہنے لگے امیر المومنین، مشورہ یہ ہے
..... اور کچھ کہتے ہیں امیر المومنین مشورہ وہ ہے..... حضرت علیؑ ان کے شور شرابے کی
وجہ سے ان کی کوئی بات سمجھ نہ پا رہے تھے، جب شور شرابا زیادہ ہونے لگا تو آپ منبر
سے اتر آئے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے۔^[۱]

وہ تھا حال اہل شام کا! اور یہ تھی کیفیت اہل عراق کی! اسی لیے عبد اللہ بن زبیر
رضی اللہ عنہ نے عبد الملک بن مروان سے لڑائی کے دوران کہا تھا کاش کہ میرے پاس
یہاں کے دس آدمیوں کی بجائے ایک شامی ہوتا۔ کیونکہ اہل شام ثابت الاقدام اور
جنگ باز تھے جبکہ اہل عراق اتار کٹ اور شوریدہ سر تھے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی
ہے) اس کے بعد انہوں نے ہی خود حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ کی اور انہوں نے ہی
آپؑ کو شہید کر دیا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ۔
حضرت علیؑ ماہ صفر ۳۷ھ کو صفین میں پہنچے۔

تاریخ اسلام میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابو مسلم خولائی سے مروی
ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا:

”اے حضرت علیؑ سے خلافت کے بارے تنازع کیوں کرتے ہیں؟ کیا آپ حضرت
علیؑ جیسے ہیں؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ حضرت علیؑ مجھ سے
افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمان کو ظلماً
قتل کر دیا گیا؟ اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور ان کے قصاص کا مطالبہ کر رہا

ہوں..... تم حضرت علیؑ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالے کر دیں اور میں یہاں کا انتظام ان کے سپرد کر دوں گا۔

چنانچہ وہ حضرت علی المرتضیٰؑ کے پاس گئے اور ان سے بات چیت کی لیکن انہوں نے قاتلین عثمان کو ان کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔^[1]

حضرت معاویہؓ اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہتے تھے اور نہ کبھی آپ نے حضرت علیؑ سے خلافت کے معاملے میں جھگڑا کیا اور جب ان میں جنگ صفین ہوئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور پھر تحکیم پر اتفاق ہو گیا تو حضرت علیؑ نے اس موقع پر یہ عبارت لکھی۔

”هَذَا مَا عَاهَدَ عَلَيْهِ عَلِيُّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ، مُعَاوِيَةَ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ“

”یہ تحریر ہے جس کے مطابق امیر المومنین علیؑ نے معاویہ بن ابوسفیانؓ سے معاہدہ کیا ہے۔“

تو اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا: امیر المومنین کا لفظ نہ لکھو، اگر میں آپ کو امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو آپ کی بیعت کر لیتا اور آپ سے جنگ نہ کرتا۔ البتہ آپ فقط اپنا اور میرا نام لکھئے۔

پھر حضرت معاویہؓ نے کاتب کی طرف رخ کیا اور کہا: ان (حضرت علیؑ) کا نام میرے نام سے پہلے لکھو کیونکہ ان کو فضیلت حاصل ہے اور آپ سابق الاسلام ہیں۔
حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے درمیان اس طرح کبھی جنگ نہیں ہوئی کہ ایک خلیفہ المسلمین، دوسرے خلیفہ المسلمین سے لڑ رہا ہے۔ بلکہ لڑائی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؑ، حضرت معاویہؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور حضرت معاویہؓ اپنی

[1] تاریخ الاسلام عهد الخلفاء الراشدين ص: ۵۴۰.

معزولی کو اس وقت تک قبول کرنے پر تیار نہ تھے جب تک ان کے چچا زاد بھائی کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیا جائے، یا وہ آپ کے سپرد نہ کر دیئے جائیں۔

ورنہ خلافت کے موضوع پر ایسا کوئی تنازعہ نہ تھا جس کا چرچا کیا جا رہا ہے۔

حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور حضرت معاویہؓ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار افراد پر مشتمل تھی اور تین دن اور رات لڑائی ہوتی رہی، جو بہت سے لوگوں کے مارے جانے کے بعد ختم ہوئی (جس طرح کہ آگے آرہا ہے) اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شہید ہو گئے جو حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے اور جن سے حضرت رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ: «وَيَحْكُ يَا عَمَارُ! تَقْتُلُهُ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ» "اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔" [1]

امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث "تَقْتُلُكَ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ" کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "میں اس کے متعلق گفتگو نہیں کروں گا ماسے چھوڑ دینا ہی سلامتی کا ذریعہ ہے، اور آپؐ نے فرمایا حضرت رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں باغی گروہ نے قتل کیا اور خاموش ہو گئے۔" [2]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

جمہور علمائے اہل السنۃ ان لوگوں کے برحق ہونے کے قائل ہیں، جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ حضرت علیؓ کے خلاف لڑے وہ باغی تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس موقف پر بھی متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی مذمت نہ کی جائے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا لیکن غلطی کھا بیٹھے۔ [3]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: اہل السنۃ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب التعاون فی بناء المسجد رقم: ۴۴۷، مسلم۔ کتاب

الفتنہ: ۷۰۔ [2] السنۃ للخلال ص: ۴۶۳-۷۲۲۔ [3] فتح الباری ۱۳/۷۲۔

باہمی تنازعات کی بنا پر کسی صحابی پر زبان درازی یا نکتہ چینی کرنا منع ہے خواہ یہ پتہ بھی چل جائے کہ ان میں فلاں گروہ حق پر ہے، کیونکہ وہ اجتہاد کی بنا پر لڑے تھے۔^[1]

امام طبریؒ حضرت علی المرتضیٰ کے طرفداروں کے مذہب کو مضبوط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”اگر مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کے اختلاف کے وقت گھروں میں دبا جانا واجب ہوتا، تو نہ کوئی حد قائم کی جاتی، اور نہ کسی باطل کو روکا جاسکتا تھا اور فاسقوں کو محرمات کے ارتکاب کے لیے کھلا راستہ مل جاتا۔“^[2]

میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس وقت صحیح ہے جب معاملہ واضح اور آشکارا ہو۔ لیکن جب صورتحال مشتبہ ہو تو اس وقت فتنوں سے دور رہنا ہی واجب ہے اور اسی وجہ سے بہت سے لوگ اس معرکہ میں شرکت سے باز رہے۔

لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اسی موقف پر ایمان رکھیں کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ، اسی طرح حضرت علیؓ اور ان حضرات کے طرفدار محض اجتہاد کی بنا پر لڑے کیونکہ صورتحال بڑی پر فتن تھی اور خاص طور پر معرکہ جمل کے لیے کوئی تیار نہ تھا اور نہ ہی وہ لڑنا چاہتے تھے۔

[1] فتح الباری ۱۳/۳۷۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں اسی باغی گروہ نے قتل کیا ہو جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی حضرت علیؓ سے صلح کو سیواؤ کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں تیر برسائے تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ سے بھی یہی بات مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے کوند والو! میری گردن میں ایک چیز ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں رکھ دوں۔ جان لو کہ ایک مرتبہ میں حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ کے پاس معاویہؓ بھی تھے۔ اسی دوران وحی الہی کا نزول ہونے لگا چنانچہ آپ نے میرے ہاتھ سے قلم لے کر معاویہؓ کے ہاتھ میں تمہادیا۔ اللہ کی قسم میں نے اس سے اپنے دل میں ذرہ برابر ملال نہ کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ خبردار! آگاہ رہنا کہ مسلمان وحی ہے جو میرے اور ان کے تنازعے میں اپنے آپ کو سلامت رکھے۔ [طبقات حنابلہ جلد دوم: ص ۱۶۵]

[2] فتح الباری ۱۳/۳۷۔

امام ابن حزم اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر جمہور علمائے امت سے نقل کیا ہے کہ اس پر بحث ہی نہ کی جائے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: ”اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حضرت علیؓ نے ان سے لڑائی میں پہل کی تو اسے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت اور ان کی اطاعت سے انکار کرنے میں پہلو تہی کی اور آپ کو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک اور ظالم ٹھہرایا اور ان کے متعلق جھوٹی شہادت قبول کی۔ کیونکہ اہل شام میں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ حضرت علیؓ قتل عثمانؓ پر راضی تھے۔“

اور اہل شام کے ہاں یہ جھوٹی شہادت مندرجہ ذیل چار وجوہات کی بنا پر سند قبولیت حاصل کر گئی تھی۔

① امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے قاتلین سے انتقام نہ لینا۔

② جنگ جمل

③ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دار الخلافہ بنانا، جبکہ کوفہ، قاتلان سیدنا عثمانؓ کی چھاؤنی تھی۔

④ حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر میں ان لوگوں کا موجود ہونا، جو قتل سیدنا عثمانؓ میں ملوث تھے۔

مذکورہ بالا چاروں وجوہات کی بنا پر شام کے (ان پڑھ) عوام کو شک ہو گیا کہ سیدنا عثمانؓ کے قتل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ہاتھ ہے، حالانکہ حضرت علیؓ کا ان کے قتل میں کوئی ہاتھ نہ تھا، بلکہ آپ قاتلین عثمانؓ پر لعنت کرتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ صرف اتنی بات پر (شامیوں کے خلاف) لشکر کشی جائز نہ تھی (بلکہ ان کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی) تو جواب دیا جائے گا کہ:

اہل شام کے لیے بھی جائز نہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ سے اس بنا پر لڑتے کہ وہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑنے میں بے بس ہیں، بلکہ اگر حضرت علیؓ قاتلان عثمانؓ

سے قصاص لینے کی طاقت رکھتے بھی ہوتے اور انہیں تاویل کی بنا پر یا خطاً چھوڑ بھی دیتے تو ان کی اس کوتاہی پر جماعت میں تفریق ڈالنے اور ان کی بیعت سے انکار کرنے کی گنجائش نہ تھی بلکہ آپ کی بیعت، ہر حال میں دین الہی کے لیے درست ترین اور مسلمانوں کے لیے نفع مند تھی۔

ان معرکوں میں کون کون سے صحابہ رسول شریک ہوئے؟

جنگ جمل یا جنگ صفین میں شریک ہونے والے صحابہ کرام یہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت قیس بن سعد، حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت جریر بن عبداللہ، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت ابوقادہ، حضرت ابوالہیثم بن الہیثم، حضرت سعد بن سہل، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عدی بن حاتم، حضرت اشعث بن قیس، حضرت جاریہ بن قدامہ، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت نعمان بن بشیر۔ رضی اللہ عنہم۔ اور جن صحابہ نے ان جنگوں میں حصہ نہ لیا وہ یہ تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص (فاتح ایران)، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اخف بن قیس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عثمان بن حصین، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوبکر ثقفی، حضرت ابویوب انصاری، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ولید بن عقبہ، حضرت سعید بن العاص (اموی) حضرت عبد اللہ بن عامر (اموی)، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابو ہریرہ سلمی، حضرت اہبان بن صفی، حضرت سلمہ بن اکوع۔

تحکیم (ثالثی) کا واقعہ

معرکہ صفین تحکیم (ثالثی) پر ختم ہو گیا۔ چونکہ فیروں پر مصاحف (قرآن کے نسخے) بلند کر دیئے گئے تھے اور فریقین جنگ سے رک گئے اور یہ بات طے کر کے کہ رمضان المبارک میں تحکیم (ثالثی کونسل کا اجلاس) ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کوفہ اور حضرت معاویہ شام چلے گئے اور حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنے ثالثی نمائندے کے طور پر مقرر کر دیا۔

اور تحکیم (ثالثی کونسل) کا قصہ اس طرح مشہور ہے کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔

چنانچہ پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری منبر پر چڑھے اور کہا میں حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں، (اور انہیں خلافت سے یوں جدا کرتا ہوں) جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو انگلی سے جدا کرتا ہوں، پھر انہوں نے اپنی انگوٹھی (انگلی سے) نکال دی۔

پھر عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا: میں بھی حضرت علیؓ کو یوں ہی خلافت سے معزول کرتا ہوں جس طرح ابو موسیٰؓ نے کیا اور میں بھی حضرت ابو موسیٰؓ کی طرح حضرت علیؓ کو اس طرح خلافت سے جدا کرتا ہوں جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو جدا کر رہا

ہوں اور حضرت معاویہؓ کو اس طرح برقرار رکھتا ہوں جس طرح اپنی اس انگوٹھی کو! چنانچہ شور اٹھا اور حضرت ابو موسیٰؓ غصے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس کوفہ جانے کی بجائے مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاصؓ شام کی طرف لوٹ گئے۔^[1]

الختصر یہ من گھڑت داستان ہے اور اسے ابو جعفر جیسے کذاب راوی نے گھڑا ہے اور ہم ایک سے زائد مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ شخص کذاب اور داستان گو ہے جبکہ صحیح واقعہ وہی ہے جو اہل حق نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ حکیم (مالٹی) کے موقعہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابو موسیٰؓ سے ملے اور کہا:

اس قصے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا:

میرا خیال یہ ہے کہ: وہ (علیؓ بن ابی طالب) اس گروہ سے ہیں جس پر حضرت نبی کریم ﷺ تادم واپس راضی رہے۔^[2]

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا:

آپ مجھے اور معاویہؓ کو کہاں چھوڑ رہے ہیں؟

حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا:

اگر تم دونوں سے تعاون طلب کیا جائے تو تم میں تعاون کی صلاحیت ہے اور اگر تم سے مستغنی ہوا جائے تو عرصہ تک اللہ کا دین تم سے مستغنی رہا ہے۔ پھر یہاں پر بات ختم ہو گئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ کی طرف، لوٹ آئے۔ اور ان کو خبر دی

[1] تاریخ طبری ۵۱/۴، کامل فی التاريخ ۱۶۸/۳۔

[2] "العوام من القوام بحوالہ دار قطنی" (مصنف نے یہاں تاریخ کبیر امام بخاری ۵/۳۹۸) کا حوالہ دیا ہے جبکہ یہ روایت وہاں موجود نہیں البتہ العوام من القوام" میں سنن دار قطنی کے حوالے سے یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور محبت الدین الخلیب نے اس کے حاشیے پر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی مراد یہ بیان کی ہے کہ امر خلافت اس گروہ پر چھوڑ دیا جائے جس پر حضرت نبی کریم ﷺ تادم واپس راضی رہے۔ [ج-۲-۱]

اور حضرت ابو موسیٰؓ حضرت علیؓ کی طرف لوٹ آئے۔^[1]

پہلی روایت بلاشبہ تین وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

① اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابو مخنف کذاب ہے۔

② خلیفہ المسلمین کو ابو موسیٰؓ وغیرہ معزول نہیں کر سکتے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک اس سہولت کے ساتھ وہ معزول نہیں کیے جاسکتے اور محض دو آدمی امیر المؤمنین کی معزولی پر کس طرح اتفاق کر سکتے ہیں؟ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جبکہ حکیم (مالٹی کونسل) میں جو کچھ طے ہوا، وہ یہ تھا کہ ان دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو فہ میں خلیفہ المسلمین کے منصب جلیلہ پر فائز رہیں اور حضرت معاویہؓ شام میں گورنر کے منصب پر برقرار رہیں۔

③ صحیح روایت وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

[1] حکیم کی تفصیلات بحوالہ الحنفی کی کتاب مرویات ابی محمد فی تاریخ الحمیری میں پڑھیے جو دار العاصمہ، الریاض، نے شائع کی ہے۔

جنگ نہروان [۵۳۷]

حضرت علیؓ کو فہ کی طرف لوٹ آئے واپسی پر آپ ہی کے لشکر کے ایک باغی گروپ (خوارج) نے آپ کے خلاف خروج کر دیا اور ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ (فیصلے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں) کا نعرہ بلند کر کے تحکیم (ٹائی) کو مسترد کر دیا اور انہوں نے آپ کے خلاف اس قدر طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا کہ وہ مسجد میں کھڑے ہو کر چیختے کہ ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ، لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ حضرت علیؓ (یہ سن کر) فرماتے ”كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ“ ”کہ برحق کلمے سے باطل مراد لیا جا رہا ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن خطابؓ کو قتل کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کو قتل کر کے اس کا پیٹ چاک کر دیا حالانکہ وہ بیچاری اس ماہ زچگی کی حالت میں تھی۔ جب حضرت علیؓ کو (اس ظلم کی) خبر پہنچی تو انہوں ان کی طرف پیغام بھیج کر پوچھا کہ:

انہیں کس نے قتل کیا ہے؟

خوارج نے جواب دیا کہ: ہم سب نے اسے قتل کیا ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ ان کی طرف دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور نہروان میں ان کے

خلاف جنگ لڑی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن عیسیٰ الطبراع نے بیان کیا

اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن سلیم نے عبد اللہ بن عثمان بن ظہیم سے اور اس نے عبید اللہ بن عیاض بن عمرو القاری سے بیان کیا کہ ہم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبد اللہ بن شداد، اپنی عراق سے واپسی پر ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی عرصہ میں حضرت علیؓ نے عراق میں خارجیوں سے جنگ لڑی تھی اور یہ وہیں سے واپس آرہے تھے تو آپؐ نے اس سے کہا:

اے عبد اللہ بن شداد، میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں، اس کے متعلق سچ بتاؤ گے؟
مجھے اس قوم کے متعلق بتاؤ جس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا؟

اس نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپؐ کو سچ نہ بتاؤں۔
آپؐ نے فرمایا: تو مجھے ان کا قصہ سناؤ۔

اس نے کہا کہ: جب حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے معاہدہ کیا اور دو آدمیوں کو ثالث مقرر کیا تو آٹھ ہزار قراء نے آپؐ کے خلاف خروج کیا۔ چنانچہ وہ لوگ کوفہ کے ایک طرف حروراء کے مقام پر جمع ہو گئے اور آپؐ پر طعنہ زنی کرنے لگے کہ: تو نے اس قیص کو اتار دیا جو اللہ نے تجھے پہنائی تھی اور اس نام (امیر المومنین) سے دست برداری اختیار کی جو اللہ نے تیرا رکھا تھا، پھر تو نے مزید غلطی یہ کی کہ اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم بنایا، جبکہ اللہ کے سوا اور کوئی حکم نہیں۔

جب حضرت علیؓ کو ان باتوں کی خبر پہنچی، جن کی بنا پر وہ آپؐ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے اور آپؐ سے جدا ہو رہے تھے، تو آپؐ نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے، کہ امیر المومنین کے پاس ہر آدمی قرآن لے کر حاضر ہو۔ جب سارا گھر قراء سے بھر گیا تو آپؐ نے بڑا مصحف منگو کر اپنے سامنے رکھا اور اس پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگے: اے مصحف، لوگوں کو بتا!

لوگوں نے کہا۔ اے امیر المومنین آپؐ اس سے کیا پوچھ رہے ہیں؟ یہ تو محض ورق

ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا۔

چنانچہ آپ نے لکھا: "هَذَا مَا صَلَّحَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قُرَيْشًا"

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ [الاحزاب: ۲۱]

"کہ تم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ثواب اور آخرت کے دن اچھائی کی

امید رکھتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ (کا طرز عمل) بہترین نمونہ ہے۔"

چنانچہ حضرت علی نے ان کی طرف عبد اللہ بن عباسؓ کو بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ گیا جب ہم ان کے لشکر کے درمیان پہنچے تو ابن الکواء نے لوگوں کو خطبہ دینا شروع کر دیا اور کہا:

اے قرآن کے حاملین، یہ شخص عبد اللہ بن عباسؓ ہے، اگر تم میں سے کوئی اسے نہ جانتا ہو تو میں کتاب اللہ سے اس کا تعارف کرواتا ہوں، یہ وہ ہے، جس کے متعلق اور جس کی قوم کے متعلق ﴿قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾^[۱] کے الفاظ نازل ہوئے ہیں، اسے اس کے ساتھیوں کے پاس واپس بھیج دو، اور اس کے ساتھ کتاب اللہ سے مباحثہ نہ کرنا۔

لیکن اس کی قوم کے خطباء کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم، ہم اللہ کی کتاب کے حوالے سے اس سے گفتگو کریں گے، اگر اس نے ہمارے علم کے مطابق حق پیش کیا تو اس کی پیروی کریں گے اور اگر باطل پیش کیا تو ہم اسے لا جواب کر دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے تین دن تک عبد اللہ بن عباسؓ سے کتاب اللہ کے حوالے سے بحث کی، تو ان میں سے چار ہزار (۴۰۰۰) افراد توبہ تائب ہو کر واپس لوٹ گئے جن میں ابن الکواء بھی تھا اور وہ انہیں لے کر کوفہ میں حضرت علی کے پاس آ گیا۔ بعد ازاں

[۱] جھگڑا کرنے والی قوم۔

حضرت علیؑ نے باقی خارجیوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ ہمارے درمیان اور ہمارے مخالفین کے درمیان جو کچھ طے ہوا ہے اس کا تمہیں پتہ چل چکا ہے لہذا امت محمدیہ کے درمیان اتفاق ہو جانے تک تم جہاں چاہو، سکونت اختیار کرو اور ہم اس وقت تک تم سے جنگ نہ کریں گے، جب تک تم بے گناہوں کے قتل کرنے اور ڈاکہ زنی کرنے اور ذمہ توڑنے سے باز رہے، اگر تم مذکورہ بالا جرائم کرو گے تو ہم تمہارے جرائم کے مطابق تم سے لڑیں گے کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: اے ابن شداد! کیا پھر آپ ان سے لڑے؟ تو عبد اللہ بن شداد نے کہا: ”اللہ کی قسم! انہوں نے اس وقت تک ان کی طرف فوج کشی نہ کی جب تک انہوں نے راہزنی نہ کی اور ناحق خون نہ کیا اور اہل ذمہ کے مال و جان کو حلال نہ سمجھا۔“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا واقعی ایسا ہوا؟

اس نے کہا: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الہ نہیں، ایسا ہی ہوا۔

آپ فرمانے لگیں: وہ کیا بات ہے جو اہل ذمہ کی زبانی مجھ تک پہنچی ہے؟ وہ کہتے ہیں ذوالثدی، ذوالثدی (یعنی پستان والا شخص)

اس نے کہا: میں نے اسے دیکھا اور اس وقت میں حضرت علیؑ کے ساتھ مقتولین کے درمیان کھڑا تھا، چنانچہ آپ نے لوگوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو ان میں سے ہر کوئی صرف اتنا ہی بتا رہا تھا کہ میں نے اسے فلاں فلاں قبیلے کی مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، میں نے اسے فلاں قبیلے کی مسجد میں نماز ادا کرتے دیکھا تھا، اور اس کے متعلق کوئی یقینی خبر بیان نہیں کر رہا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اہل عراق کے بقول وہ کیا بات تھی جو حضرت علیؑ نے اس

شخص پر کھڑے ہو کر کہی؟

عبداللہ بن شداد نے کہا: میں نے آپ کو وہاں پر کہتے ہوئے سنا: ”صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ“ (اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا)

ام المؤمنین نے کہا: ”کیا تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہتے ہوئے سنا؟“
عبداللہ بن شداد نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم!

ام المؤمنین نے فرمایا: اللہ حضرت علیؑ پر رحم فرمائے۔ ”صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ“ ان کا تکیہ کلام تھا کہ وہ جب کسی تعجب انگیز چیز کو دیکھتے تو فرماتے تھے: ”صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ“ لیکن اہل عراق ان کے نام پر جھوٹ بولتے ہیں اور ان کے کلام میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے ہیں۔^[1]

اور خارجیوں کی تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰) تھی جو موت کے گھاٹ اتر گئی جبکہ حضرت علیؑ کے لشکر میں صرف چار اور بعض روایات میں سات افراد شہید ہوئے۔^[2] اور ان کے درمیان وہ پستانوں والا نڈا (حرقوص بن زہیر) بھی تھا جسے حضرت علیؑ نے مقتولین میں تلاش کیا تھا۔

اور یہ واقعہ بعینہ اسی طرح ہوا جس طرح حضرت رسول مقبول ﷺ نے پیشگی بتایا تھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، کہ آپ نے فرمایا تھا:

”اِنَّهُ تَخْرُجُ فِرْقَةٌ عَلٰی حِيْنٍ اِخْتِلَافٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ تَقْتُلْتُهُمْ اَوْلٰى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ“^[3]

”کہ وہ فرقہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت نکلے گا، اسے وہ گردہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔“

[1] مسند احمد تحقیق احمد شاہ ۶۵۶ و قال اسنادہ صحیح . [2] البدایة والنهاية ۷/۲۹۸.

[3] مسلم کتاب الزکوٰۃ ۱۴۸ و ما بعد دیکھئے صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة: ۳۶۰۱.

ایک اور حدیث میں ہے کہ ”إِنَّ فِيهِمْ ذُو الشُّدَّةِ“^[۱] کہ ان کے مقتولین میں پستانوں والا بھی ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؑ اُسے مقتولین میں تلاش کر رہے تھے، جب وہ مل گیا تو آپ نے شکرانے کے طور پر اللہ کو سجدہ کیا۔^[۲] کیونکہ وہ جان گئے کہ آپ حق پر ہیں۔

[۱] مسلم کتاب الزکوۃ ۱۴۸، صحیح بخاری کتاب المنقب: ۳۶۰۱.

[۲] مسند احمد تحقیق احمد شاکر ۱۵۴/۲ اسنادہ صحیح: ۷۴۸.

شہادت امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب [۴۰ھ]

جنگ نہروان کے تقریباً دو سال بعد جبکہ حالات قدرے معمول پر آرہے تھے، کہ تین خارجی (کوفہ سے نکل کر) مکہ میں جمع ہوئے اور باہمی معاہدہ کیا کہ وہ علیؑ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابوسفیان اور عمروؓ بن العاص کو قتل کر دیں۔

وہ اپنے (فاسد عقیدے کے مطابق) کہنے لگے کہ ہم ان تینوں کو قتل کر کے اللہ کا قرب حاصل کریں گے اور پھر لوگوں کو ان کے قتل سے سکون مل جائے گا۔ چنانچہ عبد الرحمن بن ملجم مرادی کہنے لگا کہ میں علی بن ابی طالب کا قتل اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

برک تسمیٰ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ”میں معاویہؓ کا قتل اپنے ذمہ لیتا ہوں۔“

عمرو بن بکر تسمیٰ کہنے لگا: ”میں عمروؓ بن العاص کو ٹھکانے لگاؤں گا۔“

چنانچہ یہ تینوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ سترہ (۱۷) رمضان المبارک کی رات کو اس پلان پر عمل کیا جائے۔

حضرت عمروؓ بن العاص، مصر میں تھے اور حضرت معاویہؓ شام میں تھے اور حضرت علیؑ کوفہ میں تھے۔ چنانچہ ابن ملجم نے سیدنا علی الرضیٰ کو نماز فجر کے لیے نکلنے وقت اس خنجر سے قتل کیا جسے وہ ہفتہ بھر زہر میں بھاتا (پان دیتا) رہا تھا۔

جب حضرت علیؑ زخمی تھے تو آپ نے فرمایا: اگر میں جگ گیا تو میں اس پر عمل سے

غالب آؤں گا اور اگر میں شہید ہو گیا، تو اسے میرے بدلے میں قتل کر دینا، یہ سن کر یہ ملعون کہنے لگا: ”اللہ کی قسم یہ بچ نہ سکے گا کیونکہ میں نے اس خنجر کو ایک جمعہ تک زہر میں بچھایا ہے۔ (یعنی یہ ملعون پورا ہفتہ اپنے خنجر کو زہر کی پان دیتا رہا)

جب حضرت علیؑ شہید ہو گئے اور تو لوگوں نے اس کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیئے اور اس کی آنکھوں میں انگاروں جیسی سلائیاں پھیر دیں، لیکن یہ بے حس و حرکت پڑا رہا اور کسی طرح کی آہ و بکا اور گریہ زاری نہ کی۔ جب انہوں نے اس کی زبان، کاٹنے کا ارادہ کیا تو یہ ڈر گیا۔

انہوں نے کہا: کیوں؟ کیا وجہ ہے اب کیوں رو رہے ہو، کیا اب تکلیف ہو گی؟ کہنے لگا: میں ڈرتا ہوں کہ میں ایسی گھڑی بسر کروں جس میں اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ سبحان اللہ! اس صریح گمراہی پر غور کرو کہ (عیاذ باللہ) یہ اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی کے خون کو مباح سمجھتا ہے پھر اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس پر کوئی ایسا لمحہ نہ گذرے جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کر رہا ہو!۔

دوسری طرف برک تہمی بھی فجر کی نماز کے وقت حضرت معاویہؓ کی طرف نکلا اور آپ کو تلوار سے زخمی کر دیا، لیکن آپ علاج کے بعد تندرست ہو گئے، البتہ آپ کی رگ تھال کٹ گئی۔

جبکہ عمرو بن بکر حمیمی، عمرو بن العاص کے ارادے سے نکلا لیکن اس روز وہ پیٹ میں خرابی کی وجہ سے نماز کے لیے مسجد میں نہ آئے تو اس نے قائم مقام امام خارجہ بن ابی حبیب کو عمرو بن العاص سمجھ کر نماز میں شہید کر دیا۔

جب وہ پکڑا گیا تو لوگوں نے کہا: تو نے کیا کیا؟

اس نے کہا: ”میں نے لوگوں کو عمرو بن العاص سے آرام پہنچایا ہے۔“

انہوں نے کہا: ”تو نے عمرو کو نہیں بلکہ خارجہ کو قتل کیا ہے۔“

وہ کہنے لگا: ”میں نے تو عمرو کا کام تمام کرنا تھا، لیکن اللہ نے خارجہ کا کام تمام کر دیا۔“^[1]

چنانچہ عبدالرحمن بن ملجم مرادی کی طرح عمرو بن بکر تمیمی اور بکر تمیمی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔^[2]

[1] اس کی یہ بات ضرب البغل بن مکی۔

[2] الطبقات الکبریٰ ۳/۳۵، البلیاۃ والنہایۃ: ۷/۳۳۸۔

صحابہؓ کے درمیان اختلاف کے اسباب

حضرت علی بن ابوطالب اور حضرت طلحہ، زبیر، اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف کا مشہور سبب یہ ہے:

حضرت طلحہ اور زبیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے نکلے تھے، جبکہ حضرت معاویہؓ نے اس غرض سے خروج نہیں کیا تھا بلکہ ان کے خروج کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سنبھال لی تو انہوں نے حضرت عثمان کے مقرر کیے ہوئے بعض گورنروں کو معزول کر دیا جن میں حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان بھی شامل تھے۔

جب حضرت معاویہؓ کو معزولی کا حکم پہنچا تو انہوں نے معزولی کے حکم کو مسترد کر دیا اور کہا میں کس کی طرف سے معزول سمجھا جاؤں؟ انہوں نے کہا: حضرت علیؓ کی طرف سے۔

حضرت معاویہؓ نے کہا: میرے چچا زاد بھائی کے قاتل کہاں ہیں؟ حضرت عثمانؓ کے قاتل کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: پہلے ان کی بیعت کرو پھر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کرو۔ آپ نے کہا: نہیں! بلکہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے سپرد کریں پھر میں ان کی بیعت کروں گا۔

شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس شام کے صوبہ کی قوت ہے اور اس قوت کے بل بوتے پر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے دباؤ بڑھایا جاسکتا ہے۔

اس لیے آپ نے فرمایا: ”میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ پہلے بیعت کرو اور پھر عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام پر غور کیا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اس بات پر اختلاف تھا کہ بیعت پہلے کی جائے یا حضرت عثمانؓ کا قصاص پہلے لیا جائے۔

حضرت علیؓ سمجھتے تھے کہ پہلے وہ بیعت کریں پھر جب حالات پرسکون ہو جائیں گے اور امن و امان بحال ہو جائے گا تو پھر قاتلان عثمانؓ کے مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔ جبکہ حضرت معاویہؓ کی رائے اس کے برعکس تھی، ان کا خیال تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونے والوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں، اس کے بعد خلافت کے معاملے پر غور کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اولیت پر اختلاف تھا کہ پہلے کون سا کام کیا جائے۔ قاتلان عثمانؓ سے قصاص یا خلافت کو تسلیم کرنا۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے بھی حضرت معاویہؓ کے موافق تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے جلد از جلد قصاص لیا جائے۔ البتہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فرق یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے جبکہ حضرت معاویہؓ نے ابھی تک ان کی بیعت نہ کی تھی۔

ان جنگوں کے متعلق صحابہ کرام کا موقف

صحابہ کرام اس مسئلہ پر تین گروہوں میں بٹ گئے۔

پہلا گروہ: حضرت طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت معاویہؓ یہ گروہ سمجھتا تھا کہ قاتلان عثمان سے جلدی قصاص لیا جائے۔

دوسرا گروہ: حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے رفقاء کرام، اس گروہ کا خیال تھا کہ پہلے منصب خلافت کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔

تیسرا گروہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، اخف بن قیسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت ابو بکرہ ثقفیؓ (رضی اللہ عنہم) جیسے صحابہ پر مشتمل تھا یہ طبقہ سمجھتا تھا کہ اس موقع پر دونوں گروہوں سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

ان جنگوں اور اختلافات کا سبب یہ تھا کہ معاملات مشتبہ تھے اور فتنہ کا دور دورہ تھا۔ اس لیے کوئی بھی اس مسئلے پر تسلی بخش غور نہیں کر سکتا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

امام طبریؒ صحیح سند کے ساتھ اخف بن قیس سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد، حضرت طلحہ اور زبیرؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان دونوں سے کہا:

تم دونوں مجھے کیا حکم دیتے ہو، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قتل ہو جائیں گے؟
دونوں نے کہا کہ حضرت علیؓ سے مل جانا،!

اور پھر جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو میں مکہ مکرمہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے ملا، تو ان سے پوچھا: کہ آپ مجھے کیا حکم دیتی ہیں؟
آپؓ نے فرمایا: ”حضرت علیؓ کے ساتھ مل جاؤ۔“

(اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہ طاہرہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پر کبھی معترض نہ ہوئے، کیونکہ وہ خلافت پر ان کی بیعت کر چکے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت احنف کو ان کی پیروی کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر اس مسئلہ (قصاص قتل عثمانؓ) میں انہوں نے اجتہاد کیا کہ اس کو اولیت دی جانی چاہیے۔ اور جب صحابہ کرام معرکہ جمل کی طرف نکل رہے تھے، تو حضرت احنف بن قیسؓ ان سے ملے اور ان سے کہا: ”اللہ کی قسم میں تم سے نہیں لڑوں گا کیونکہ تمہارے ساتھ ام المومنین ہے، اور نہ ہی اس آدمی (حضرت علیؓ) سے لڑوں گا جس کی بیعت کا حکم آپؓ نے ہی مجھے دیا تھا۔“^[1]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ

”اے علیؓ: تیرے اور عائشہؓ کے درمیان تنازعہ ہوگا، لہذا اس سے نرمی کرنا۔“
حضرت علیؓ نے عرض کیا: ”پھر تو میں بد بخت انسان ہوں گا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں! البتہ جب ایسا ہو تو اسے امن والی جگہ پہنچا دینا۔“^[2]

[1] فتح الباری ۱۳/۳۸، نیز دیکھئے تاریخ طبری.

[2] فتح الباری ۱۳/۶۰.

قاتلانِ صحابہ کے متعلق اہل سنت کا موقف

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”کہ ہمارے نزدیک ابنِ ملجم (ملعون) ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ہم جہنم کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس بات کو بھی جائز سمجھتے ہیں کہ اللہ اس سے درگزر کر لے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر اپنا کوئی فیصلہ بھی نہیں ٹھونس سکتے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو قاتل عثمانؓ اور قاتل زبیرؓ اور قاتل طلحہؓ اور قاتل سعید بن جبیرؓ اور قاتل عمارؓ اور قاتل خارجہؓ اور قاتل حسینؓ کا ہے۔“^[1]

ہم ان سب سے برأت کرتے ہیں اور اللہ کی خاطر ان سے نفرت رکھتے ہیں اور ان کے معاملے کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔“^[2]

صحابہ کے درمیان اختلافی معاملات میں حق کہاں ہے؟

حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عمارؓ کے بارے فرمایا تھا: ”کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور آپ نے خارجیوں کے متعلق فرمایا: کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت نکلیں گے اور انہیں وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی۔ چنانچہ یہ دونوں حدیثیں صریح ہیں کہ حق، حضرت علیؓ کے قریب تھا کیونکہ حدیث میں دو طرح کے الفاظ آئے ہیں:

”تَقْتُلُهُمْ أَقْرَبُ الطَّائِفَتَيْنِ إِلَى الْحَقِّ“

”ان (خارجیوں) کو دونوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کی طرف زیادہ قریب ہوگی۔“..... اور ایک روایت میں ہے:

[1] ان سب کے متعلق ایک ہی حکم ہے کہ یہ ملت سے خارج نہیں، اور ہم جزم کے ساتھ انہیں کفار بھی نہیں کہہ سکتے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مجرم اور فاسق ہیں الایہ کہ ان میں کوئی توبہ کر گیا ہو۔

[2] تاریخ اسلام، عصر خلفاء راشدین ۶۵۴، ترجمہ عبد الرحمن بن ملجم۔

«أُولَى الطَّائِفَتَيْنِ إِلَى الْحَقِّ»

”دونوں جماعتوں میں سے جو حق کے زیادہ لائق ہوگی۔“

لہذا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر نص ہیں کہ حضرت علیؓ جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنے مخالفین سے حق کے زیادہ قریب تھے۔ لیکن مکمل طور پر حق پر نہ تھے۔ کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: «الْأَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ» (حق کے زیادہ قریب) «الْأُولَى بِالْحَقِّ» (حق کے زیادہ لائق) یہ نہیں فرمایا کہ وہ جماعت مکمل طور پر برحق ہوگی۔

یہ تجزیہ کوئی حضرت علیؓ پر تنقید و طعن نہیں ہے بلکہ اس بات سے وضاحت کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ اس فتنہ میں الگ تھلگ تھے دراصل وہی حق پر تھے، جبکہ حضرت علیؓ کے لیے بھی سلامتی اسی بات میں تھی کہ وہ لڑائی سے رک جاتے کیونکہ نتائج دیکھ کر ہی رائے قائم کی جاتی ہے، اسی لیے جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کو مقتول پایا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیے اور پشیمان ہوتے ہوئے فرمایا:

”کاش کہ میں بیس سال قبل مر گیا ہوتا!“

اور جب جنگ صفین کے بعد حضرت حسن نے کشت و خون کی تفصیل سنائی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا، اس لیے وہ ان معرکوں میں شریک ہونے پر شرمندہ ہوئے۔“

دوسری طرف حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت حسنؓ کے صلح جویمانہ کردار کی پیش گوئی فرماتے ہوئے ان کی تعریف بیان کی تھی اور فرمایا تھا:

«إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ طَائِفَتَيْنِ

عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»^[1]

[1] صحیح بخاری، باب مناقب الحسن والحسين حديث نمبر: ۳۷۴۶.

”کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اور شاید کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرادے۔“

چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے صلح کرانے کی پیش گوئی فرماتے ہوئے حضرت حسنؓ کی تعریف بیان کی جبکہ ان کے باپ حضرت علیؓ کی تعریف بیان نہیں کی کیونکہ انہوں نے جنگ کی تھی۔ البتہ نہروان میں خارجیوں سے لڑائی کی وجہ سے ان کی تعریف بیان کی، کیونکہ اس وقت آپ ﷺ مکمل طور پر حق پر تھے اور آپ نے ان سے لڑائی پر کسی طرح کا غم بھی نہیں کیا، بلکہ عام طور پر مسلمان، خارجیوں کے اس قتل پر خوش ہوئے اور حضرت علیؓ نے جب انہیں قتل کیا تو خود سجدہ شکر ادا کیا۔ لیکن جب اہل جمل سے لڑائی لڑی تو روپڑے اور اسی طرح جب صفین میں جنگ لڑی تو بھی سخت غمگین ہوئے۔

خلافت امیر المؤمنین سیدنا حسن بن علیؑ [۷۴۰ھ]

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کوفیوں نے حضرت حسن بن علیؑ کی بیعت کر لی اور آپ اپنی بیعت کے بعد شامیوں سے لڑنے کے لیے کوفہ سے شام کی طرف چل پڑے کیونکہ اہل شام ابھی تک امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب اور ان کے بعد امیر المؤمنین حسن بن علیؑ کی اطاعت تسلیم کرنے سے روگرداں تھے۔ حضرت حسن بن علیؑ جب کوفہ سے نکلے تو آپ کی نیت میں صلح کی خواہش تھی اور آپ کشت و خون کو پسند بھی نہ کرتے تھے بلکہ آپ اس بات کے حق میں بھی نہ تھے کہ ان کے باپ حضرت علیؑ اہل شام سے جنگ کریں۔^[1]

اور آپ کی نیت صلح کی علامات میں سے یہ بات بھی نمایاں تھی کہ آپ نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو لشکر کی قیادت سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عبد اللہ بن عباس کو سپہ سالار بنا دیا۔^[2]

حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علیؑ فوجی دستوں کو لے کر حضرت معاویہؓ کی طرف چل پڑے تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے کہا: ”میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک نہیں پھرے گا جب تک اس کا آخری حصہ میدان سے نہ پھرے گا۔“

تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: کہ مسلمانوں کی اولاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

[1] البداية و النہایة ۷/۲۴۰ . [2] فتح الباری ۱۳/۶۷ .

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: میں!

حضرت عبد الرحمن بن عامر اور عبد الرحمن بن سمرہؓ فرمانے لگے: کہ ہم ان سے ملاقات کرتے ہیں اور صلح کی درخواست کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو بکرہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت رسول کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسنؓ آئے، تو آپ نے فرمایا:

”إِنِّى هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“^[1]
 ”کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور شاید کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرادے۔“

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے سفید کاغذ کے نیچے مہر لگا کر اسے حضرت حسنؓ کی طرف بھیج دیا اور فرمایا: اس پر آپ جو چاہیں لکھ دیں وہ آپ کو ملے گا۔

عمرو بن العاص کہنے لگے: ”بلکہ ہم جنگ کریں گے، تو حضرت معاویہ نے فرمایا: ٹھہریے اے ابو عبد اللہ:“ (زہری کہتے ہیں اور آپؓ دونوں میں سے بہتر آدمی تھے) آپ ان کے قتل سے اس وقت تک خلاصی حاصل نہ کریں گے جب تک، اچھے اہل شام قتل نہ ہو جائیں۔ ان کے بعد جینے میں کوئی خیر نہ ہوگی، اور اللہ کی قسم میں تو اس وقت تک لڑائی سے گریز کروں گا جب تک اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔^[2]

اس موقع پر حضرت معاویہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو آپؓ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے، اس طرح حضرت معاویہؓ امیر المومنین بن گئے اور اس سال کا نام عام الجماعة پڑ گیا۔

[2] مصنف عبد الرزاق ۵/۴۶۲۔۔

[1] صحیح بخاری کتاب الفتنة حدیث: ۷۱۰۹۔

خلافت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیانؓ

۵۶۰ تا ۵۴۰ھ

جب حضرت معاویہؓ نے منصب خلافت سنبھالا تو معاملہ خلافت سے ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔

سنن ابی داؤد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے خادم ابو عبد الرحمن سفینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

”خِلَافَةُ النَّبِيِّ تَلَاوُونَ سَنَةً ثُمَّ يُوتِي اللَّهُ مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ“

”کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ جسے چاہے گا اسے بادشاہی عطا کرے گا۔“

پھر حضرت سفینہؓ نے فرمایا: حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دو سال، حضرت عمرؓ کی دس سال، حضرت عثمانؓ کی بارہ سال، حضرت علیؓ کی چھ سال (یعنی خلافت کے بھی کل تیس سال بنتے ہیں)، اس روایت کو ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔^[۱]

مگر جب ہم کتب تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں لکھا نظر آتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے دو سال تین ماہ اور حضرت عمرؓ نے دس سال اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال اور حضرت علیؓ نے چار سال نو ماہ اور حضرت حسنؓ نے چھ ماہ خلافت فرمائی (یعنی اس طرح

[۱] ابو داؤد، کتاب السنة، باب: فی الخلفاء، حدیث ۴۶۴۶، سند احمد ۴/۲۷۳، ۵۰۲۴۴/۵۰

خلافت کل ساڑھے اسیس سال ہوئی)

حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن جراح بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَوَّلُ دِينِكُمْ نَبُوءَةٌ وَ رَحْمَةٌ. ثُمَّ مُلْكٌ وَ رَحْمَةٌ ثُمَّ مُلْكٌ أَعْفَرُ ثُمَّ مُلْكٌ وَ جَبَرُوتٌ» [1]

”کہ تمہارے دین کا ابتدائی دور نبوت اور رحمت کا دور ہے۔ پھر بادشاہت

اور رحمت کا دور ہوگا۔ پھر پست درجہ کی بادشاہت۔ پھر بے رحم بادشاہت۔“

آپ کا یہ فرمان کہ «أَوَّلُ دِينِكُمْ نَبُوءَةٌ وَ رَحْمَةٌ» (تمہارے دین کا ابتدائی دور نبوت اور رحمت کا دور ہے) سے مراد مومنین کے لیے حضرت نبی کریمؐ کی امامت اور پھر ابو بکر، عمر، عثمان، علیؓ کی امامت مراد ہے۔

پھر فرمایا: «ثُمَّ مُلْكٌ وَ رَحْمَةٌ» (پھر بادشاہت اور رحمت کا دور ہوگا) اس سے مراد حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ہے۔

پھر مملکت اعفر فرمایا، اس سے مراد پست درجہ کی بادشاہت ہے۔ (اعفر کا لفظ تعفیر سے نکلا ہے اور اس کا مٹی سے لت پت ہونا ہے اور یہ کلمہ اس بادشاہت کی مذمت پر منطبق ہے جیسے عرب لوگ محاورہ بولتے ہیں تَرَبَّتْ يَدَاكَ کہ تیرے ہاتھ خاک آلود ہو ہوں اور یہ کلمہ رفعت و علو کا متضاد ہے۔) اور اس کا اطلاق حضرت معاویہ کے بعد کا دور ہے خواہ وہ یزید کا دور ہو یا اس کے بعد والوں کا یعنی اموی دور خلافت۔

پھر فرمایا: «ثُمَّ مِلْكٌ وَ جَبَرُوتٌ» اس سے مراد بے رحم بادشاہت ہے۔

حضرت معاویہؓ مسلمانوں کے سربراہ بن گئے اور تقریباً ۲۰ سال خلیفۃ المسلمین

[1] سنن دارمی کتاب الاشربہ ۱۱۴/۲ باب ما قيل في المُسْكِرِ، رجاله ثقات إلا انه قيل ان مكحولاً لم يسمع من ابي ثعلبة العُشَنِيِّ.

کے منصب پر فائز رہے۔ اور آپ کے دور امارت میں جو ۴۰ ہجری سے لے کر ۶۰ ہجری تک جاری رہا، امن و امان کی حالت تسلی بخش رہی اور فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور اسی عرصے میں سیدنا حسن بن علیؓ وفات پا گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے زہر سے وفات پائی اور بعض لوگوں نے دیگر وجوہات ذکر کی ہیں۔ اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ اس سلسلے میں صحیح سند سے کوئی خبر منقول نہیں، کہ جس سے پتہ چل سکے کہ زہر والی بات صحیح ہے یا دوسری باتیں درست ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ ۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ و عن ابیہ۔

یزید بن معاویہ کی بیعت:

۵۶ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت کریں۔

حضرت معاویہ نے اس موقع پر اپنے پیش رو خلفاء کی سنت سے عدول کیا کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد خلافت کے معاملے کو لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا، یا حضرت ابوبکرؓ و خلیفۃ المسلمین نامزد کر گئے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا۔

پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے چھ افراد کو نامزد کر دیا اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ اور چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ کو خارج کر دیا۔

پھر حضرت عثمانؓ آئے اور انہوں نے کسی کو نامزد نہ کیا۔

پھر حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے کسی کو نامزد نہ کیا۔

اور حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ سے کہا گیا کہ یا تو آپ امر خلافت کو اس طرح رہنے دیں جس

طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے رہنے دیا تھا۔

یا پھر ایسے کرو جیسے ابو بکر صدیقؓ نے کیا تھا کہ اپنے بعد اس شخص کو خلیفہ بناؤ جو آپ کے گھرانے سے نہ ہو۔

یا پھر حضرت عمرؓ کی طرح کر دو کہ انہوں نے معاملہ چھ آدمیوں پر چھوڑ دیا تھا جو ان کے گھرانے سے نہ تھے۔

یا پھر اس معاملے کو (حضرت عثمانؓ کی طرح) یوں ہی رہنے دیں۔ تاکہ مسلمان جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

لیکن انہوں نے اسی بات پر اصرار کیا کہ یزید ہی ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے اس موقع پر افضل طریقہ چھوڑ دیا۔ شاید آپ ڈرتے تھے کہ اس مسئلہ کو شور مچا کر چھوڑنے سے دبے ہوئے فتنے کی چنگاری پھر بھڑک اٹھے گی نیز آپ کو اندازہ تھا کہ اطاعت، امن اور قوت اس گروہ کے پاس ہے جس میں ان کا بیٹا یزید ہے۔^[1]

یزید بن معاویہ کی بیعت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ یہ بیعت صحیح تھی لیکن انہوں نے دو چیزوں کی بنا پر اس بیعت کو ناپسند کیا ہے۔

❶ وہ کہتے ہیں کہ یہ جدید بدعت تھی کیونکہ انہوں نے خلافت کو اپنی اولاد (کی تحویل میں) دے دیا۔ گویا اب وہ وراثت بن گئی حالانکہ اس سے پہلے وہ شور مچا کر صوابدید پر تھی، اور اس بات پر نص تھی کہ یہ اس کے سپرد کی جائے جو قریبی رشتہ دار نہ ہو، تو پھر بیٹے جیسے قریبی رشتہ دار کو کس طرح خلافت سونپ دی جائے۔ اس قاعدے کی بنا پر بیٹے کی شخصیت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اس منصب کے لیے اس کی بیعت لینا ٹھیک

[1] دیکھئے مقدمہ ابن خلدون، فصل ولی عہد کے بارے میں، ص: ۱۶۶۔

نہیں۔ اس لیے اہل سنت بنیادی طور پر خلافت کو وراثت تسلیم نہیں کرتے۔

۲ اس وقت وہ لوگ بھی موجود تھے جو یزید سے زیادہ اہل اور خلافت کے حق دار تھے۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ اور اس طرح کے دیگر صحابہ کرام۔

یہ تو ہے اہل السنۃ کا نقطہ نظر جیسے کہ امام ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے افضل طریقہ کو چھوڑ دیا (انہیں چاہیے تھا) کہ وہ اسے شوریٰ کی صوابدید پر چھوڑتے اور اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو یہ منصب نہ سونپتے۔ لیکن جب آپ نے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لے لی اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی لہذا یہ شرعاً منعقد ہو گئی۔^[1]

رہے شیعہ صاحبان تو وہ امامت اور خلافت کو صرف حضرت علی اور ان کی اولاد کا حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف یزید کی بیعت کو ہی برا نہیں سمجھتے، بلکہ ہر اس بیعت کو برا سمجھتے ہیں، جو حضرت علی اور ان کی اولاد کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ پر ہو۔ لہذا وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سب کی بیعت کو برا جانتے ہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ مَبَایِعُ لَہُ (بیعت کیا جانے والا شخص) کیسا ہی صاحب کمال کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ نص کے اعتبار سے حضرت علی اور ان کی اولاد ہی قیامت تک کے لیے خلافت کی حقدار ہے۔

امیر یزید بن معاویہؓ، خلافت کے لیے موزوں تھا یا نہیں؟

امام ابن کثیرؒ ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی، سیدنا محمد بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب (ابن الحنفیہ برادر سیدنا حسن و حسین) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

[1] العواصم من القواصم: ۲۲۸۔

عبداللہ بن مطیع کہنے لگا: ”یزید بن معاویہ شراب پیتا ہے اور نماز چھوڑ دیتا ہے۔“
محمد بن علی المرتضیٰ فرمانے لگے: ”جو کچھ تم بیان کرتے ہو، میں نے اس میں نہیں
دیکھا۔ میں اس کے پاس گیا اور وہاں قیام کیا میں نے اسے نماز کا پابند اور خیر کا متلاشی
پایا ہے، وہ دین کے مسائل پوچھتا ہے اور سنت کی پیروی کرتا ہے۔

وہ کہنے لگے: ”وہ آپ کو دکھلانے کے لیے یہ سب کچھ کرتا تھا۔“

محمد بن علی المرتضیٰ نے جواب دیا: اسے میرا کیا ڈرتھا، یا مجھ سے کیا لالچ تھا؟“
بھلا جو کچھ تم بتا رہے ہو، وہ تمہیں اطلاع دے کر کرتا ہے؟

وہ کہنے لگے: ”اگرچہ ہم نے اسے یہ سب کچھ کرتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے
نزدیک یہ سچ ہے۔

حضرت محمد بن علی المرتضیٰ فرمانے لگے:

”اللہ تعالیٰ نے شہادت والوں کی ایسی شہادت کو رد کر دیا ہے پھر آپ نے حق
تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [الزخرف: ۸۶]^[1]

”ہاں! مگر جو حقیقی شہادت دیں اور انہیں معلوم ہو۔“

لہذا یزید کی شخصیت پر چیتوں، بندروں سے کھیلنے اور شراب نوشی یا دیگر فسق و فجور
کے الزامات صحیح سند سے ثابت نہیں ہو سکے، اس لیے ہم ان کی تصدیق نہیں کر سکتے
(اور ہر مسلمان کے متعلق) اصل یہ ہے کہ (اسے) بے گناہ سمجھا جائے، جب تک کہ
اس کے متعلق یقینی شہادت سامنے نہ آجائے، لہذا ہم کہتے ہیں کہ اس کا علم اللہ سبحانہ و
تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن محمد بن علی المرتضیٰ (ابن الحنفیہ) کی مذکورہ روایت سے تو یہ
بات اظہر من الشمس ہے کہ اس میں یہ عیب نہ تھے۔

یزید کے حالات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور ہمیں اس بات کی فکر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس نے اپنے ذاتی افعال کا جواب اپنے رب کو دینا ہے، اگر ہم فرض کر لیں کہ یزید واقعی فاسق تھا تو پھر بھی اس طریقے سے اس کے خلاف خروج کرنا واجب نہ تھا، (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

خلافت امیر یزید بن معاویہ بن ابوسفیانؓ

۶۰ھ ۶۳۵ھ

۶۰ھ میں امیر یزید کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی، اس وقت اس کی عمر چونتیس (۳۴) برس تھی۔ البتہ حضرت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس کی بیعت نہ کی، یہ دونوں بزرگ اس وقت مدینہ میں تھے اور جب ان دونوں کو یزید کی بیعت کے لیے طلب کیا گیا تو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا:

”میں اس رات غور کر کے تمہیں اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔“

انہوں نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“

جب رات ہوئی تو آپ مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلے آئے اور بیعت نہ کی۔ جب حضرت حسین بن علیؓ کو بلایا گیا اور انہیں کہا گیا کہ آپ بیعت کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں چھپ کر بیعت نہیں کروں گا، بلکہ لوگوں کے سامنے علانیہ بیعت کروں گا۔“

انہوں نے کہا: ”ٹھیک ہے، لیکن رات ہوئی تو آپ بھی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے پیچھے چلے گئے۔“

عراقی، حضرت حسینؓ سے خط و کتابت کرتے ہیں:

عراقیوں کو خبر پہنچی کہ حضرت حسینؓ نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی اور عراقی

خود بھی یزید بن معاویہ کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ تو حضرت معاویہؓ کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تو صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو خلیفہ بنانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسین بن علیؓ کو خطوط لکھے اور ان میں یہ لکھا کہ ہم نے آپ کی بیعت کی ہے اور ہم آپ کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرتے اور ہماری گردنوں میں یزید کی بیعت نہیں ہے، بلکہ آپ کی ہے۔ اور ان کی طرف سے اس قدر خطوط آئے کہ ان کی تعداد پانچ صد (۵۰۰) سے بڑھ گئی۔ یہ سارے خطوط کوفہ والوں کی طرف سے تھے اور وہ آپ کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

اس موقع پر سیدنا حسین بن علیؓ نے اپنے چچا زاد مسلم بن عقیل کو بھیجا، کہ وہ وہاں جا کر حالات کا مکمل جائزہ لیں اور حقیقت حال سے آگاہ کریں۔ جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا، جب آپ کو مکمل طور پر یقین ہو گیا کہ وہاں کے لوگ یزید کی بجائے حضرت حسین بن علیؓ کو پسند کرتے ہیں تو وہ ہانی بن عروہ کے پاس ٹھہر گئے اور لوگ یکے بعد دیگرے آپ کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کرنے لگے۔ چنانچہ بیعت مکمل ہو گئی۔

اور (ان دنوں) حضرت نعمان بن بشیرؓ، یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ جب انہیں اطلاع پہنچیکہ یہاں کوفہ میں مسلم بن عقیل موجود ہیں اور لوگ ان کے پاس آ کر حضرت حسین کی بیعت کر رہے ہیں، تو انہوں نے اس سے چشم پوشی کا اظہار کیا اور اس معاملے کو اہمیت نہ دی، یہاں تک کہ اس کے چند حاشیہ بردار کوئی، شام میں یزید بن معاویہ کے پاس شکایت لے کر گئے اور اسے کوفہ کی صورت حال سے آگاہ کیا، کہ لوگ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور نعمان بن بشیرؓ اس معاملے کو اہمیت نہیں دے رہے، تو یزید نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ پر گورنر مقرر کر دیا۔ اور یہ اس سے پہلے بصرے پر گورنر تھا۔ یزید نے اس

صورتحال سے نپٹنے کے لیے اسے کوفہ کی گورنری بھی سونپ دی۔

چنانچہ عبید اللہ بن زیاد منہ پر کپڑا لپیٹ کر رات کو کوفہ میں داخل ہوا، جب وہ لوگوں پر گذرتا تو انہیں سلام کہتا اور وہ اسے یوں جواب دیتے وعلیک السلام یا ابن بنت رسول اللہ ﷺ (اے نواسا رسول، آپ پر سلام ہو)

دراصل وہ اسے حضرت حسینؑ سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ رات کو چھپ کر داخل ہو رہا تھا اور منہ پر عمامہ لپیٹے ہوئے تھا، جب عبید اللہ بن زیاد کو معلوم ہوا کہ معاملہ خطرناک ہے اور لوگ حضرت حسینؑ کا انتظار کر رہے ہیں، تو وہ قصر امارت میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنے عقیل نامی غلام کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ جائے اور اس معاملے کا پتہ چلائے اور یہ بھی بتلائے کہ اس معاملے میں کون سی شخصیت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

چنانچہ وہ گیا اور اپنے آپ کو حمص کا باشندہ ظاہر کر کے لوگوں سے آپ کے متعلق پوچھنے لگا اور بتانے لگا کہ وہ حضرت حسینؑ کی مدد کے لیے تین ہزار دینار لایا ہے۔ کچھ عرصہ پوچھ گچھ کے بعد اسے ہانی بن عروہ کے گھر کا پتہ بتایا گیا۔ چنانچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہوا اور اس نے حضرت مسلم بن عقیل سے ملاقات کر کے ان کی بیعت کی اور انہیں تین ہزار دینار دیئے اور کئی دن ان کے پاس آتا جاتا رہا، چنانچہ وہ معاملے کا مکمل پتہ چلا کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لوٹ گیا اور اسے پوری پوری خبر دی۔

حضرت حسینؑ کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی:

جب حالات سازگار ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے مسلم بن عقیل کی بیعت کر لی تو انہوں نے حضرت حسینؑ کی طرف پیغام بھیجا کہ حالات سازگار ہیں لہذا اب آپ تشریف لے آئیں، تو حضرت حسین بن علیؑ (آٹھ ذی الحجہ) کے دن، مکہ سے نکل پڑے۔

ادھر عبید اللہ بن زیاد کو مسلم بن عقیل کے پروگرام کا پتہ چل چکا تھا۔ اس نے حکم دیا: کہ ہانی بن عروہ کو میرے پاس لاؤ۔

جب اسے لایا گیا تو عبید اللہ نے پوچھا۔

مسلم بن عقیل کہاں ہے؟

ہانی بن عروہ نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔“

عبید اللہ بن زیاد نے اپنے غلام عقیل کو بلایا، جب وہ آیا تو اس سے کہا: کیا تو اسے

جانتا ہے؟

اس نے کہا: ”ہاں۔“

تو ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیونکہ یہ غلام اسے جانتا تھا اور اس نے اس کے گھر، مسلم بن عقیل کی بیعت بھی کی تھی۔ اور ہانی کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ (اس کی بیعت اور دیناروں کا معاملہ) تو عبید اللہ بن زیاد کا دھوکہ تھا۔

چنانچہ ابن زیاد نے پھر پوچھا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہے؟

ہانی نے کہا: ”اللہ کی قسم! اگر وہ میرے قدم کے نیچے بھی ہوتا تو میں اسے نہ اٹھاتا۔“

یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد نے اسے پیٹا اور اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔

جب مسلم بن عقیل کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے چار ہزار افراد کا لشکر لے کر عبید اللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا اور اہل کوفہ بھی اس کے ساتھ نکل پڑے۔ اس وقت عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ کے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان سے کہا کہ لوگوں کو مسلم بن عقیل کا ساتھ دینے سے باز رکھو، مزید برآں انہیں روپے پیسے کا لالچ بھی دیا اور انہیں شام کے لشکر کا ڈراوا بھی دیا۔

چنانچہ کوئی سردار لوگوں کو مسلم بن عقیل سے جدا کرنے لگے۔

مسلم بن عقیل کے ساتھ چار ہزار کا لشکر تھا اور ان کا شعار (کوڈ ورڈ Code

(Word) تھایا منصُورُ اَمِتُ (اے منصور مار دو!)

چنانچہ کوئی سرداروں کے ڈرانے دھمکانے اور لالچ دینے کی بنا پر عورتیں آتیں اور اپنے بیٹوں کو لے جاتیں اور مرد آ کر اپنے بھائیوں کو لے جاتے اور قبائل کے سربراہ اپنے اپنے لوگوں کو اس شورش میں حصہ لینے سے روکنے لگے۔ حتیٰ کہ مسلم بن عقیل کے ساتھ چار ہزار میں سے صرف تیس (۳۰) آدمی باقی رہ گئے اور سورج ابھی غروب نہ ہونے پایا تھا، کہ وہ بھی چلے گئے اور مسلم بن عقیل اکیلے رہ گئے، اور آپ کو فہ کی گلیوں میں بے یارو مددگار پھرنے لگے، آپ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کدھر جائیں۔ چنانچہ آپ نے بنو کندہ کی کسی عورت کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے کہا کہ میں پانی پینا چاہتا ہوں۔

اس نے آپ کو اجنبی سمجھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟

آپ نے فرمایا: ”میں مسلم بن عقیل ہوں اور اسے یہ بھی خبر دی کہ لوگوں نے مجھے بے یارو مددگار چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ حضرت حسینؑ بھی آرہے ہیں کیونکہ میں نے انہیں پیغام بھجوایا ہے کہ وہ آجائیں۔

چنانچہ اس عورت نے آپ کو اپنے گھر کے ساتھ والے گھر میں داخل کر لیا اور انہیں روٹی اور پانی دیا۔ لیکن اس کے بیٹے نے عبید اللہ بن زیاد کو مسلم بن عقیل کے ٹھکانے کی اطلاع دے دی، تو اس نے ستر آدمیوں کو بھیج کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا چنانچہ آپ بھی ان کے ساتھ لڑے۔ بالآخر انہوں نے آپ کو امان کے وعدے پر گرفتار کر لیا اور عبید اللہ کے محل میں لے گئے۔

چنانچہ اس نے مسلم بن عقیل سے سوال کیا، کہ بتاؤ تم نے کس وجہ سے ہمارے خلاف چڑھائی کی؟

آپ نے فرمایا: حضرت حسینؑ بن علی کی بیعت کی وجہ سے، جو ہماری گردنوں میں ہے۔ اس نے کہا: ”میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔“

آپ نے فرمایا: ”مجھے وصیت کر لینے دو۔“

اس نے کہا: ”ہاں وصیت کر لو۔“

آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے تھے آپ نے فرمایا، تم ان تمام لوگوں سے بڑھ کر میرے قریبی رشتہ دار ہو، آؤ، میں تمہیں وصیت کر لوں۔ چنانچہ مسلم بن عقیل، عمر بن سعد کو گھر کے ایک کونے میں لے گئے اور وصیت کی کہ حضرت حسین کو پیغام پہنچا دیں کہ وہ واپس چلے جائیں۔ حضرت مسلم بن عقیل نے اس موقع پر اپنی وصیت میں مشہور فقرہ ارشاد فرمایا:

”اپنے اہل و عیال سمیت واپس لوٹ جاؤ! اور اہل کوفہ سے دھوکہ نہ کھاؤ!، کیونکہ کوفہ والوں نے مجھ سے اور آپ سے کذب بیانی کی اور جھوٹے کا کوئی اعتبار نہیں!“

چنانچہ عمر بن سعد نے ایک آدمی کو ان کا پیغام دے کر بھیجا کہ منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اور کوفہ والوں نے اسے (عین موقع پر) دھوکہ دے دیا!

چنانچہ مسلم بن عقیل کو عرفہ والے دن اسی وقت قتل کر دیا گیا!!

ادھر حضرت حسین بن علیؓ ان کے قتل سے ایک دن قبل یعنی آٹھ ذی الحجہ کو کے سے نکل چکے تھے!!!

صحابہ کرامؓ کا حضرت حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکنا

بہت سے صحابہ کرام نے حضرت حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکنے کی کوشش کی (لیکن وہ آپ کو روکنے میں ناکام رہے) جن صحابہ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، اور آپ کے برادر حضرت محمد بن علی بن ابی طالبؓ۔ (ابن الحنفیۃ)

ان سب نے آپ کے ارادے کا پتہ چلنے پر آپ کو کوفہ جانے سے روکا، ان میں سے چند ایک کے اقوال یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہاشمی قریشی:

جب انہیں پتہ چلا کہ حضرت حسینؑ کوفہ جانے والے ہیں تو آئے اور کہا، کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہو کہ لوگ مجھے اور آپ کو برا کہیں گے تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھوں میں آپ کے سر کے بال پکڑ لوں اور اس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک آپ اپنا پروگرام ملتوی نہ کر دیں۔^[1]

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۶۱۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

امام عمار بن شرحبیل شعیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ میں تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت حسین عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو آپ نے تین راتوں کی مسافت طے کر کے آپ کو راستہ میں جالیا اور پوچھا: ”کہاں جا رہے ہو؟“

آپ نے فرمایا: عراق جا رہا ہوں اور آپ نے ان کو عراقیوں کے بھیجے ہوئے خطوط دکھا کر فرمایا کہ یہ ہیں ان کے خطوط اور ان کی بیعت! اور ان خطوط میں حضرت حسینؓ کی حمایت کا اعلان تھا (آہ! ظالموں نے آپ کو کس طرح دھوکا دیا!)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

”آپ ان کے پاس نہ جائیں۔“

لیکن حضرت حسینؓ نے وہاں جانے پر اصرار کیا (اور اپنی رائے نہ بدلی) چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا:

میں آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں کہ:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو دنیا و آخرت میں سے ایک چیز پسند کرنے کا اختیار دیا تو آپؐ نے آخرت کو پسند کیا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔

اور آپؐ بھی ان کا ٹکڑا ہیں اور اللہ کی قسم! آپؐ میں سے کوئی شخص بھی سلطنت کو ہاتھ میں نہیں لے سکے گا اور اللہ نے محض اس لیے آپؐ کو دنیا سے دور دور رکھا ہے کہ وہ آپؐ کو اس سے بہتر چیز (یعنی آخرت کا گھر) عطا فرمانے والا ہے۔ لیکن آپؐ نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر آپ سے گلے لگ کر رونے لگے۔
اور فرمایا:

”میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ ایک مقتول ہونے والے کی صورت میں“ [1]

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما:

آپ نے حضرت حسینؑ سے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کیا اس قوم کی طرف جارہے
ہو جس نے آپ کے باپ کو قتل کیا اور آپ کے بھائی کو نیزہ مارا، حسین! ان کے پاس
نہ جاؤ! [2]

لیکن حضرت حسینؑ نے جانے پر اصرار کیا۔

۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

آپ نے فرمایا: اے ابو عبداللہ! میں آپ کو نصیحت کرنے والا ہوں اور مجھے آپ
سے بڑی شفقت ہے، مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی شیعوں نے خط
و کتابت کی ہے اور وہ آپ کو ادھر اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن آپ
ان کی طرف نہ جائیں کیونکہ میں نے کوفہ میں آپ کے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ:
”اللہ کی قسم! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور مجھے ان سے نفرت ہو گئی ہے۔“

اور یہ بھی مجھ سے اکتا گئے ہیں اور مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں اور ان میں وفا
داری کبھی نہ ہوگی۔ اور جس کسی نے ان کے ذریعے کامیابی کی منزل حاصل کر لی، اسے
تیر نیم کش کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اللہ کی قسم! نہ تو ان کی نیتیں (صحیح) ہیں اور نہ کسی
مسئلہ پر فیصلہ کن عزم ہے اور نہ ہی یہ تلوار پر صبر کر سکتے ہیں۔ [3]

[1] البدایہ والنہایہ ۸/۱۶۲ . [2] البدایہ والنہایہ ۸/۱۶۳ .

[3] البدایہ والنہایہ ۸/۱۶۳ .

۵۔ مشہور شاعر فرزدق:

حضرت حسینؑ کو فہ کی راہ میں ال رسول کے مداح شاعر فرزدق سے ملے اور اس سے پوچھا: ”کہاں سے آرہے ہو؟“

اس نے کہا: ”عراق سے۔“

آپ نے پوچھا: ”عراقیوں کا کیا حال ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔“

تو آپ نے فرمایا: ”وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ“ (اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے) اور اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا۔^[1]

ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ آپ کو عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے قاصد کے ذریعے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر مل گئی، تو آپ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں مسلم بن عقیل بن ابوطالب کے بیٹوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! ہم اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لیے بغیر نہ لوٹیں گے، تو آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا۔

جب عبید اللہ بن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نکلنے کی اطلاع ملی تو اس نے حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار (۱۰۰۰) سپاہیوں کا دستہ دے کر بھیجا کہ وہ راستے میں حضرت حسینؑ سے ملے۔ چنانچہ وہ قادسیہ کے قریب آپ سے ملا اور آپ سے پوچھا۔

اے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے لخت جگر کہاں جا رہے ہو؟

آپ نے فرمایا: ”عراق کی طرف۔“

اس نے کہا: ”میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ مجھے آپ

[1] البدایة والنهاية ۸/۱۶۸.

کے متعلق کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔ آپ جہاں سے آئے ہیں وہاں لوٹ جائیں یا شام چلے جائیں جہاں یزید بن معاویہ ہے لیکن کوفے نہ جائیں۔

لیکن حضرت حسینؑ نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور آپ نے عراق کی طرف چلنا شروع کر دیا جبکہ حبن یزید آپ کے سامنے آتا اور آپ کو منع کرتا رہا، آخر حضرت حسینؑ نے اسے کہا: ”ابتعد عنی، ٹکلتک املک!“

”مجھ سے دور ہو جا، تیری ماں تجھے گم پائے۔“

حبن یزیدؑ نے کہا: ”اللہ کی قسم اگر آپ کے علاوہ کوئی اور عرب مجھے یہ بات کہتا تو میں اس سے اور اس کی ماں سے قصاص لیتا، لیکن میں کیا کہوں؟ کیونکہ آپ کی ماں، پوری دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔“

کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا داخلہ

یہاں پہنچ کر حضرت حسینؑ نے عراق جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، اس کے بعد عمر بن سعد (بن ابی وقاص) کی قیادت میں چار ہزار کی تعداد میں کوئی سپاہ کا آخری دستہ بھی آن پہنچا۔ اس وقت سیدنا حسین بن علیؑ کربلا نامی جگہ پر قیام پذیر تھے۔

آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟

لوگوں نے بتایا، کربلا۔

آپ نے فرمایا: ”کَرْبُ وَ بَلَاءُ“ (یعنی دکھ اور آزمائش۔)

جب عمر بن سعد کا لشکر آیا اور اس نے حضرت حسینؑ سے گفتگو کی اور انہیں اپنے ساتھ کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس چلنے کا حکم دیا۔ تو آپ نے انکار کر دیا، جب آپ کو معاملہ سنگین نظر آیا تو آپ نے عمر بن سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ:

میں تجھے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتا ہوں، لہذا ان میں سے جو بات

تمہیں پسند ہو اس کے متعلق مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو۔

اس نے پوچھا وہ کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا:

① ایک تو یہ ہے کہ مجھے واپس جانے دو۔

② یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدوں میں سے کسی سرحد پر جانے دو۔

③ یا پھر مجھے شام میں یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں۔

عمر بن سعد نے کہا: ہاں! آپ یزید کی طرف پیغام بھیجیں اور میں عبید اللہ بن زیاد کی طرف اطلاع بھیجتا ہوں، اور ہم انتظار کرتے ہیں کہ کیا جواب ملتا ہے۔ لیکن حضرت حسین نے یزید کی طرف پیغام نہ بھیجا جبکہ عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کی طرف پیغام بھیج دیا۔

جب قاصد عبید اللہ کے پاس پہنچا اور اسے خبر دی کہ حضرت حسین تمہیں تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرنے کا اختیار دیتے ہیں تو عبید اللہ بن زیاد راضی ہو گیا اور کہا کہ حضرت حسین جو بات بھی پسند کریں وہ مجھے قبول ہے۔

اس وقت اس کے پاس شمر بن ذی الجوشن (نامی ملعون و مردود) بیٹھا ہوا تھا اور وہ ابن زیاد کا بڑا مقرب تھا۔ اس نے کہا: ”اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دے۔“

چنانچہ ابن زیاد اس ملعون کی (خوشامدانہ) بات سے دھوکا کھا گیا اور کہنے لگا: ہاں وہ اپنے آپ کو میرے سپرد کرے۔ (یعنی وہ میرے پاس کوفہ میں حاضر ہو اور میں اسے شام بھیجوں یا سرحدوں پر روانہ کروں یا مدینہ واپس بھیج دوں)

چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کھڑا ہو گیا اور شمر بن ذی الجوشن کو کر بلا کی طرف روانہ کر کے کہنے لگا کہ:

تو جا اور حضرت حسین کو اپنا آپ میرے سپرد کرنے (یعنی گرفتاری دینے) کا حکم سنا دے۔ اگر عمر بن سعد (اسے گرفتار کرنے) پر آمادہ ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تو اس کی جگہ فوج کا افسر ہے۔

عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کو چار ہزار فوجیوں کا یہی لشکر دے کر رہے بھیجنا تھا۔ چنانچہ اس نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ وہ حضرت حسین کے معاملے سے فارغ ہو کر رہے چلا جائے کیونکہ اس نے عمر بن سعد سے رہے کی گورنری کا وعدہ کر رکھا تھا۔

چنانچہ شمر بن ذی الجوشن اس جگہ پر جا پہنچا جہاں حضرت حسین بن علیؑ اور حر بن یزید تمیمی اور عمر بن سعد موجود تھے۔

جب حضرت حسینؑ کو خبر پہنچی کہ ان کی قسمت کا فیصلہ عبید اللہ بن زیاد نے کرنا ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اسے گرفتاری دے دیں تو آپؑ اسے مسترد کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں کبھی بھی عبید اللہ بن زیاد کی کو گرفتاری نہ دوں گا۔ حضرت حسین کے پاس بہتر (۷۲) شہسوار تھے اور کوئی لشکر پانچ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو حضرت حسینؑ نے ابن زیاد کے کوئی لشکر سے کہا۔

”اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو! کیا میرے جیسے انسان سے تمہارا لڑائی لڑنا درست ہے؟ اور میں تمہارے رسولؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اور اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی شخص نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا:

”کہ یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔“^[۱]

اور آپؑ نے انہیں ابن زیاد کے حکم کو تسلیم نہ کرنے اور اپنے ساتھ ملنے کی ترغیب

[۱] ترمذی کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين: ۳۷۶۸۔

دینا شروع کر دی۔ چنانچہ تیس افراد آپ کے ساتھ مل گئے۔ ان میں ابن زیاد کے لشکر کے ہر اول دستے کا امیر خز بن یزید بھی تھا۔

خز بن یزید سے کہا گیا: ”یہ کیا کر رہے ہو؟ تم ہمارے ساتھ ہر اول دستے کا امیر بن کر آئے ہو اور اب حضرت حسینؑ کی طرف جا رہے ہو؟“

اس نے کہا: ”تم پر افسوس، اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو جنت اور جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں، اللہ کی قسم! میں کسی قیمت پر جنت کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا اگرچہ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں یا جلادیا جاؤں۔“

اس کے بعد حضرت حسینؑ نے اپنے ساتھیوں اور ابن زیاد کے سپاہیوں کو جمعرات کے روز ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھائیں، آپ نے انہیں کہا تھا کہ تمہارا امام تم سے ہو اور ہمارا امام ہم سے، لیکن انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ ہم آپ کی لامت میں نماز ادا کریں گے۔

چنانچہ انہوں نے ظہر اور عصر کی نمازیں سیدنا حسینؑ کے پیچھے ادا کیں، جب مغرب کا وقت قریب ہوا تو وہ اپنے گھوڑوں کو لے کر حضرت حسینؑ کی طرف بڑھنے لگے۔

اور اس وقت حضرت حسینؑ اپنی تلوار کی ٹیک پر آرام حاصل کر رہے تھے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو اپنے ہمراہیوں سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کیا کہ وہ آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ان کی طرف جاؤ اور ان سے پوچھو! کہ وہ کیا چاہتے ہیں، چنانچہ بیس شہسوار ان کی طرف گئے، ان میں حضرت عباسؑ بن علیؑ بن ابی طالب بھی تھے، انہوں نے ان سے گفتگو کی اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ:

یا تو حضرت حسین، ابن زیاد کی مرضی قبول کریں (یعنی گرفتاری دے دیں) یا پھر وہ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

انہوں نے کہا ہم ابو عبد اللہ (حسین) کو خبر دینے تک کچھ نہیں کہہ سکتے، چنانچہ وہ حضرت حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں خبر دی، تو آپ نے فرمایا کہ انہیں کہو کہ وہ ہمیں اس رات مہلت دیں اور ہم کل کو انہیں بتائیں گے تاکہ میں اپنے رب کے لیے نماز پڑھ لوں کیونکہ میں اپنے رب کے لیے نماز پڑھنا پسند کرتا ہوں۔

چنانچہ آپ اور آپ کے تمام جانثار اس رات اللہ کے لیے نماز پڑھتے رہے اور اللہ سے استغفار کرتے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ [رضی اللہ عنہم]

سانحہ کر بلا

جمعہ المبارک کے روز صبح سویرے فریقین کے درمیان گھسان کا رن پڑا، کیونکہ حضرت حسین بن علی المرتضیٰؑ نے ابن زیاد گورز کو ذہ کو گرفتاری دینے سے انکار دیا تھا۔ فریقین کی عددی اور فوجی طاقت میں بڑا فرق تھا، سیدنا حسینؑ کے جانشینوں نے اندازہ لگا لیا کہ ان میں اس خونخوار لشکر کو فتح کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے حضرت حسینؑ کے سامنے شہید ہونے کا عزم مصمم کر لیا۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے حضرت حسینؑ کے سامنے مردانہ وار مقابلے کے بعد شہید ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ (اَنَا لِلّٰهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ) اور سیدنا حسین بن علیؑ کے سوا کوئی نہ بچا۔

بعد ازاں سیدنا حسینؑ دن کے طویل عرصے تک میدان میں گھومتے رہے اور کوئی شخص آپ کو قتل کرنے کی جسارت پر آمادہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ شمر بن ذی الجوشن آگیا اور اس نے کوئی جنگجوؤں سے چیخ کر کہا:

افسوس! تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں، اسے گھیرے میں لے لو اور قتل کر دو! چنانچہ انہوں نے حضرت حسینؑ کا محاصرہ کر لیا۔ آپ اپنی تلوار سونت کر شیر کی طرح ان پر یلغاریں کرتے رہے اور ان غداروں کے سر اڑاتے رہے، بسا اوقات عددی کثرت شجاعت پر غالب آ جاتی ہے۔ (اور ہزاروں کتے، بالآخر شیر کو ٹڈھال کرنے میں

کامیاب ہو جاتے ہیں)

اسی دوران شمر بن ذی الجوشن (سیدنا حسین کا سوتیلا ماموں) اپنے فوجیوں سے چلا کر کہنے لگا:

تم پر افسوس! تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟! آگے بڑھو!

چنانچہ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے سیدنا حسینؑ کو شہید کر ڈالا۔ (اَنَا لِلّٰهِ وَ اِنَّ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ) اور جس شخص نے آپ کو قتل کیا اور آپ کا سرتن سے جدا کیا وہ (اشتر نخعی کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا) ملعون سنان بن انس نخعی تھا اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو شمر بن ذی الجوشن لعین نے قتل کیا تھا۔ (قَبَّحَهُ اللّٰهُ وَ لَعَنَهُ)

حضرت حسین کی شہادت کے بعد ان کا سر مبارک کوفہ میں ابن زیاد کی طرف بھیجا گیا۔ جب آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے رکھا گیا تو ملعون ابن زیاد آپ کے منہ میں چھڑی داخل کر کے کہنے لگا:

کہ یہ بہت خوبصورت دانتوں والا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں تجھے قباحت و خرابی کا داغ لگاؤں گا، میں نے حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس منہ کی وہ جگہ چومتے دیکھا ہے جہاں تو نے چھڑی رکھی ہے۔^[1] طبرانی میں سند صحیح سے مروی ہے کہ امام ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ اگر میں ان لوگوں میں ہوتا، جنہوں نے حضرت حسین کو شہید کیا ہے، پھر میں جنت میں بھی داخل ہو جاؤں، تو مجھے حضرت رسول مقبول ﷺ کے چہرے کو دیکھتے وقت حیا آئے گی۔^[2] (لیکن کوفیوں میں حیا کہاں جو انہیں شہید کر کے بھی ان کی محبت کا دم بھرتے تھے)

[1] طبرانی ۲۰۶/۵، حدیث نمبر ۵۱۰۷، صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابة: باب مناقب الحسن والحسين، رقم: ۳۷۴۸۔ [2] معجم الكبير ۱۱۲/۳-۲۸۲۹۔

ساخہ کر بلا میں حضرت حسینؑ کے ساتھ کون کون شہید ہوئے؟

حضرت حسینؑ کے ساتھ آپ کے بہت سے اہل بیت شہید ہوئے جن کی تعداد اٹھارہ بنتی ہے:

چنانچہ اولاد علیؑ بن ابی طالب میں سے مندرجہ ذیل سادات کرام شہید ہوئے۔
(۱) سیدنا حسین، (۲) سیدنا جعفر، (۳) سیدنا عباس، (۴) سیدنا ابوبکر، (۵) سیدنا محمد،
(۶) سیدنا عثمان، (صلوات اللہ علیہم ورحمۃ)
حضرت حسینؑ کی اولاد میں سے۔

(۷) سیدنا علی الاکبر، (۸) سیدنا عبد اللہ (جبکہ امام زین العابدین علی الاصفہ کو اللہ نے
سلامت رکھا)

حضرت سیدنا حسن بن علیؑ کی اولاد میں سے۔

(۹) سیدنا عبد اللہ، (۱۰) سیدنا قاسم، (۱۱) سیدنا ابوبکر۔ (صلوات اللہ علیہم ورحمۃ)

حضرت عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے۔

(۱۲) سیدنا جعفر، (۱۳) سیدنا عبد اللہ، (۱۴) سیدنا عبد الرحمن، (۱۵) سیدنا مسلم،^[۱]

(۱۶) سیدنا عبد اللہ بن مسلم۔ (صلوات اللہ علیہم ورحمۃ)

حضرت عبد اللہ بن جعفرؑ بن ابی طالب کی اولاد میں سے۔^[۲]

(۱۷) سیدنا عون، (۱۸) سیدنا محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آل رسول کریم ﷺ سے تعلق رکھنے والے مذکورہ اٹھارہ افراد اس بے جوڑ معرکہ
میں شہید ہوئے۔

سیدنا حسینؑ کے سامنے شہادت پانے والوں میں سیدنا ابوبکر بن علیؑ (۳)، (۶) سیدنا

[۱] تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۲۲۴۔

[۲] آپ کوفہ میں ہی شہید کر دیے گئے تھے۔

عثمان بن علیؓ، اور (۱۱) سیدنا ابوبکر بن حسنؓ بن علیؓ بھی تھے۔ لیکن آپؐ کبھی بھی ان کے نام شیعہ کی آڈیو کیسٹوں میں نہ سنیں گے اور نہ ہی ان سادات کرام کے نام ان کتابوں میں مذکور ہیں جو شیعہ صاحبان نے مقتل حسین کے متعلق تصنیف کی ہیں، اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

شاید اس لیے کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب نے اپنی اولاد کے نام بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے نام پر رکھے تھے۔ یا یہ کہ حضرت حسینؓ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوبکر (یا عمر) رکھا تھا۔ ان کی یہ سردمہری اور علمی خیانت بڑی عجیب ہے۔

فضائل صحابہ میں امام احمد بن حنبلؓ نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ ام المومنینؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس تھے۔ اس وقت حسین میرے پاس تھے وہ رونے لگے تو جب میں نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس چلے گئے، حضرت جبرائیل نے پوچھا:

اے محمد (ﷺ)! تو اس سے محبت کرتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ”ہاں۔“

اس نے کہا: ”تیری امت عنقریب اسے قتل کر دے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس سرزمین کی مٹی نہ دکھاؤں جہاں یہ قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے مٹی دکھائی تو وہ اس جگہ کی مٹی تھی جسے کربلا کہا جاتا ہے۔“^[۱]

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے شہادت حسین پر

[۱] احمد، فضائل الصحابہ ۲/۷۸۲، نمبر: ۱۳۹۱۔

جثات کو نوحر کرتے ہوئے سنا۔^[1]

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس روز آسمان خون برسانے لگا تھا، یا یہ کہ دیواروں پر خون ہی خون نظر آنے لگا تھا، یا جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون پایا جاتا، یا جس اونٹ کو بھی ذبح کیا جاتا وہ خون بن جاتا، یہ سب بے سرو پا حکایات اور شیعہ خرافات ہیں۔ جو صرف جذبات کو ابھارنے کے لیے وضع کی گئی ہیں ان کی صحیح سند تو کجا کہیں ضعیف سند بھی نہیں ملتی۔

البتہ طبرانی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ابو رجاء عطار دی بیان کرتے ہیں کہ: ہمارا ایک پڑوسی بلہجین سے تعلق رکھتا تھا، وہ کوفہ آیا اور اس نے کہا تم اس فاسق بن فاسق کو کیا سمجھتے ہو جسے اللہ نے قتل کیا ہے؟ (اس بلہجینی ملعون فاسق نے یہ بات سیدنا حسین کی بابت کہی تھی۔)

ابو رجاء عطار دی کا بیان ہے کہ: اچانک اللہ نے اس پر آسمانوں سے دو تارے سے برسائے جن سے اس کی بصارت ختم ہو گئی۔^[2]

فضائل صحابہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دوپہر کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ کو خواب میں گرد آلود دیکھا اور اس وقت آپ کے پاس ایک شیشی تھی جس میں آپ خون کے قطرے ڈال رہے تھے۔ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟“

آپ نے فرمایا: ”یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں آج سارا دن یہی کام کرتا رہا ہوں۔“

اس حدیث کے راوی عمار غرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے خواب کے دن کا تاریخ

[1] احمد، فضائل الصحابہ ۷۶۶/۲، حدیث نمبر: ۱۳۷۳۔ و سندہ حسن۔

[2] معجم الکبیر ۱۱۲/۳، رقم ۲۸۳۱۔

سے موازنہ کیا تو وہ خواب اسی تاریخ کے مطابق ہوا جس دن آپ شہید ہوئے تھے۔^[1]

جبکہ حضرت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

”مُرَانِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَيْتُ“^[2]

”کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔“

اور یاد رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول کریم کے علیے کو خوب جانتے تھے!

المختصر یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ اس طور سے شہید ہوئے۔

اور جس شخص نے آپ کے قتل کا حکم دیا وہ عبید اللہ بن زیاد تھا لیکن یہ ملعون بھی تھوڑے عرصہ بعد قتل ہو گیا۔ اسے مختار بن ابی عبید ثقفی نے حضرت حسینؑ کے انتقام میں قتل کر دیا تھا حیرت کی بات یہ ہے کہ مختار بن ابی عبید ثقفی خود بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے مسلم بن عقیل کو کوفہ بلوا کر بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔

یہ تھا حال اہل کوفہ کا، بلکہ سبھی شیعوں کا یہ حال ہے کہ

① اولاً تو وہ اپنے آپ سے اس بات کا انتقام لیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسلم بن عقیل کو بے یار و مددگار کیوں چھوڑا حتیٰ کہ وہ شہید کر دیئے گئے اور ان کے اپنے جسوں پر خراش تک نہ آئی۔

② جب حضرت حسینؑ لکے تو سوائے حر بن یزید اور اس کے چند ساتھیوں کے کسی نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔

چونکہ اہل کوفہ نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، اس لیے وہ حسرت سے اپنے سینے پیٹتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس گناہ کے کفارے کے طور

[1] فضائل الصحابہ ۲/۷۷۸ نمبر ۱۳۸۰۔

[2] بخاری: کتاب التعمیر، باب من رأى النبی فی المنام رقم: ۶۹۹۴، مسلم، کتاب الروایا رقم: ۱۰۔

پر کرتے ہیں جو ان کے بقول ان کے بڑوں نے کیا تھا۔^[1]

جامع ترمذی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عمارہ بن عمیر بیان کرتے ہیں: کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مسجد میں ترتیب سے رکھے گئے تو میں بھی وہاں گیا، تو وہاں موجود لوگ شور مچا رہے تھے وہ آگیا! وہ آگیا! (میں نے دیکھا) کہ ایک سانپ آیا جو سروں کے درمیان سے گذر کر ابن زیاد (ملعون) کے نتھنوں میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد نکل کر غائب ہو گیا اچانک لوگوں نے پھر کہا کہ وہ آگیا، وہ آگیا! اس طرح سے اس سانپ نے دو یا تین مرتبہ ایسا کیا!^[2]

(غور کیجئے) سیدنا حسین بن علیؑ کی شہادت میں گھناؤنا کردار ادا کرنے والے ملعون عبید اللہ بن زیاد سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح انتقام لیا (کہ اس کے ساتھیوں سمیت اس کا سر بھی قلم ہوا اور اس کی لاش عبرت کا نشانہ بن گئی اور سانپ والی عبرت ناک سزا اس فرعون صفت کو خصوصی طور پر شاید اس لیے دی گئی کہ اس ظالم نے سیدنا حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کے منہ مبارک میں چھڑی ڈال کر ان کی بے حرمتی کی تھی۔
(نعوذ باللہ من ذلک)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کی شرعی حیثیت:

حضرت حسینؑ کے خروج سے بظاہر کوئی دینی یا دنیاوی اصلاح نہ ہوئی۔ شائد اسی لیے صحابہ کرام نے آپ کو بروقت روکا تھا۔^[3] جبکہ اس خروج کی وجہ سے ان کوئی

[1] مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے اس لشکر کا نام ہی تو امین (توبہ کرنے والے) تھا جس نے حضرت حسین کا انتقام لیا تھا۔ یہ نام اس سردمہری اور مجرمانہ غفلت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے رکھا گیا، جو اہل کوفہ نے حضرت حسین سے برتی تھی۔ یہاں سے سیاسی طور پر شیعہ کی ابتداء ہوئی البتہ مذہبی طور پر شیعہ بنو امیہ کے دور کے بعد وجود میں آئے۔

[2] ترمذی کتاب المناقب۔ باب مناقب الحسن والحسين۔ ص: ۳۷۸۰۔

[3] دیکھیے کتاب حداء، باب صحابہ کرام کا حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکنا صفحہ: ۱۷۲۔

ظالموں کو نواسہ رسول سے بدسلوکی کا موقع ملا اور انہوں نے آپ کو ظلماً شہید کر دیا۔ اور آپ کے خروج اور قتل سے اتنا نقصان ہوا کہ اگر آپ گھر بیٹھ جاتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا لیکن یہ اللہ کی تقدیر تھی جو نافذ ہو کر رہی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگرچہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف ہی ہو۔

شہادت حسینؑ تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں ایک المناک حادثہ ہے اور مسلمان قیامت تک اس کی ٹیس اپنے دلوں میں محسوس کرتے رہیں گے۔ تاہم حضرت حسینؑ کی شہادت انبیاء کرام کی شہادت سے بڑی نہیں ہے، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر ایک رقاصہ کے کہنے پر کاٹ دیا گیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے قتل کی تدابیر کی گئیں اور حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق اور عثمان اور علی بن ابی طالبؓ کو خنجروں، نیزوں، تلواروں سے گھائل کر دیا گیا۔ اور یہ سب کے سب حضرت حسینؑ سے افضل تھے۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ان شہادتوں کی بدولت خوش کر دے)

پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے تذکرے پر گریبان پھاڑے اور چہرے کو پینٹنا شروع کر دے کیونکہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اس طرح کے افعال سے روک دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَ شَقَّ الْجُيُوبَ»^[1]

”کہ وہ شخص ہم سے نہیں جو (شدت غم میں) رخسار پیٹے اور گریبان چاک کر لے۔“

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجيوب ۱۲۹۴۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا بَرِيٌّ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَةِ» [1]

”میں چیخنے چلانے اور بال منڈوانے اور گریبان چاک کرنے والی سے بری ہوں۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا لَمْ تَتَّبِعْ فَإِنَّهَا تُلْبَسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دِرْعًا مِنْ حَرْبٍ وَسِرْبًا مِنْ قِطْرَانٍ» [2]

”اگر نوحہ کرنے والی توبہ نہ کرے تو وہ قیامت کے دن خارش کی اوڑھنی اور گندھک کی قمیص پہنائی جائے گی۔“

اس لیے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کے سامنے اس طرح کے مصائب بیان کئے جائیں تو وہ ایسے ہی کہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ [البقرہ: ۱۶۰]

شہادت حسین کے متعلق لوگوں کے نظریات:

حضرت حسینؑ کی شہادت کے متعلق لوگ تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت حسینؑ کا قتل (نحوہ باللہ) درست ہے کیونکہ انہوں نے امام کے خلاف چڑھائی کی اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارا پارا کرنے کی جسارت کی ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَاءَكُمْ وَآمَرَكُمْ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَأَقْتُلُوهُ كَأَنَّا مِنْ كَافٍ» [3]

[1] مسلم کتاب الامان رقم: ۱۶۷۔ [2] مسلم کتاب الجنائز: رقم ۲۹۔

[3] مسلم کتاب الامارة: ۵۹-۶۰۔

”جو کوئی انسان اس حال میں تمہارے پاس آئے کہ تمہاری امارت ایک شخص کے سپرد ہو چکی ہو اور وہ تمہاری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو خواہ وہ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو۔“

اور ان کے خیال میں چونکہ حضرت حسینؑ نے مسلمانوں کی جماعت کو (نعمو باللہ) پھوڑنا چاہا اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا خواہ کوئی بھی ہو، اسے قتل کر دو۔

یہ قول ان ناہمیوں کا ہے جو حضرت حسین بن علیؑ و عن ابیہ سے بغض رکھتے ہیں۔ دوسرے گروہ کے لوگ شیعہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ امام تھے ان کی اطاعت واجب تھی اور واجب تھا کہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی۔

تیسرے گروہ کے لوگ اہل السنۃ والجماعت ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آپ مظلوم شہید ہوئے اور آپ نہ تو منصب خلافت پر فائز تھے، یعنی اس طرح امام وقت نہیں تھے جس طرح شیعہ حضرات سمجھتے ہیں اور نہ ہی آپ بغاوت کی حالت میں قتل ہوئے، بلکہ آپ مظلوم شہید ہوئے اور (اس گروہ کے لوگوں کا عقیدہ) حضرت رسول کریم ﷺ کے اس قول کے عین مطابق ہے کہ

«الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْحَنَّةِ»^[1]

”کہ حسن اور حسین جتنی نوجوانوں کے سردار ہیں۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حسینؑ نے واپس لوٹنے یا شام میں یزید کی طرف جانے کا عزم کر لیا تھا، لیکن کوفیوں نے انہیں عبید اللہ بن زیاد کو گرفتاری دیئے پتھر وہاں جانے سے روک دیا۔

[1] أخرجه الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين۔ رقم: ۳۷۶۸۔

شہادت حسینؑ میں یزید کا کردار:

سیدنا حسین رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کی شہادت میں یزید بن معاویہؓ کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور ہماری یہ بات یزید بن معاویہؓ کے دفاع کے قبیل سے نہیں بلکہ حق کے دفاع کے لیے ہے۔

یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو اس لیے بھیجا کہ وہ حضرت حسینؑ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روک دے، اس نے عبید اللہ کو آپ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ حضرت حسینؑ بذات خود یزید کے متعلق حسن ظن رکھتے تھے، اسی لیے تو آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: تمام مؤرخین کا اس حقیقت پر اتفاق ہے، کہ یزید بن معاویہؓ نے حضرت حسینؑ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، البتہ اس نے ابن زیاد کی طرف یہ ضرور لکھا تھا کہ وہ آپ کو عراق کی امارت سے روکے۔ اور جب اسے حضرت حسینؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے اس پر شدید دکھ اور رنج و الم کا اظہار کیا اور اس کے گھر سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور اس نے اہل بیت کی مستورات کو کبھی بھی قیدی نہ بنایا، بلکہ اس نے ان کا اکرام کیا اور انہیں اکرام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دی بلکہ انہیں وہاں پہنچایا۔

رہی وہ روایات جو کتب شیعہ میں درج ہیں کہ آل بیت رسول کی عورتوں کی توہین کی گئی اور انہیں قید کر کے شام لے جایا گیا اور وہاں ان کی توہین کی گئی تو یہ سب جھوٹ ہیں (ان کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں)، بلکہ بنو امیہ (اپنے چچیرے خاندان) بنو ہاشم کی تعظیم کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب عبدالملک بن مروان کو فاطمہ بنت عبد اللہ بن جعفر ہاشمیہ سے حجاج یوسف گورنر عراق کے نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے اسے مسترد کر دیا اور حجاج کو حکم دیا کہ وہ اس سے جدا رہے اور اسے طلاق دے دے (اس سے ثابت

ہوا کہ وہ بنو ہاشم کی تعظیم کرتے تھے، بلکہ ہاشمی خواتین کو کبھی بھی قیدی نہیں بنایا گیا۔^[1]
چنانچہ اس دور میں ہاشمی خواتین کا بڑا احترام تھا اور وہ معزز و محترم سمجھی جاتی تھیں۔
لہذا یزید کے متعلق جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اہل بیت رسول کی خواتین کو قیدی بنایا، یہ لغو داستان اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت حسینؑ کے سر مبارک کو یزید کی طرف بھیجا گیا تو یہ بھی سفید جھوٹ ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں البتہ آپ کا سر مبارک عبید اللہ کے پاس کوفہ میں لے جایا گیا اور حضرت حسینؑ کو دفن کر دیا گیا اور ان کی قبر کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا، لیکن مشہور یہ ہے کہ انہیں کر بلا میں اسی جگہ دفن کیا گیا تھا جہاں آپ کی شہادت ہوئی تھی۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ۔

یزید بن معاویہؓ کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

یزید بن معاویہؓ کے دور میں برپا ہونے مندرجہ ذیل واقعات کو اہمیت دی گئی ہے:

① سیدنا حسینؑ بن علیؑ کا قتل، ② عبد اللہ بن زبیرؓ سے لڑائی، ③ سانحہ حرہ۔

اس بنا پر کچھ لوگ اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ منع کرتے ہیں، جو لوگ اسے لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں ان کو تین باتیں ثابت کرنا پڑیں گی۔

① وہ ثابت کریں کہ یزید فاسق تھا۔

② وہ ثابت کریں کہ اس نے اس فسق سے توبہ نہیں کی کیونکہ جب کافر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، تو فاسق کی توبہ کیوں قبول نہیں؟

③ وہ ثابت کریں کہ نامزد کر کے فوت شدہ شخص کو لعنت کرنا جائز ہے۔

اور جس میت کو نامزد کر کے اللہ اور اس کے رسول نے لعنت نہیں کی اسے لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ جب ابو جہل کو گالی دی

[1] منهاج السنہ ۴/ ۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹۔

گئی تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا»^[1]

”کہ فوت شدگان کو گالی نہ دو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کے ہاں

پہنچ چکے ہیں۔“

اور اللہ کا دین، سب و شتم پر قائم نہیں ہے (جیسا کہ شیعہ نے سمجھا) بلکہ وہ تو مکارم اخلاق پر قائم ہے، لہذا اللہ کے دین میں گالی کی کچھ حیثیت نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ»^[2]

”کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“^[3]

لہذا مسلمان کو گالی دینا فسق ہوا اور یزید کو کسی نے بھی طلت اسلام سے خارج قرار نہیں دیا، بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے فاسق کہا گیا ہے اور یہ بھی اس صورت میں کہ اس کے متعلق ذکر کردہ فسق ثابت کیا جاسکے، لیکن اس کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہے۔

دوسری طرف حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما ينهى عن سب الاموات، حدیث ۱۳۹۳۔

[2] صحیح بخاری کتاب الايمان، باب خوف المؤمن ان يحبط عمله، رقم: ۴۸، مسلم کتاب الايمان: ۱۱۶۔

[3] طبقات حنابلہ میں حضرت ابو طالب عکرمیؓ کے تذکرہ میں منقول ہے کہ انہوں نے امام احمد سے یزید بن معاویہ پر لعنت کے سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں گفتگو نہ کرو! کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ» ”کہ مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔“ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «خَيْرُ الْغُرُوفِ قُرْنَى ثَمَ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ وَ قَدْ كَانَ يَزِيدُ مِنْهُمْ» ”کہ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔“ اور یزید ان میں داخل ہے۔“ (لہذا مجھے اس کے معاملے میں ہاموشی پسند ہے۔)

”أَوَّلُ حَيْشٍ يَغْزُونَ حُدُودَنَا قَبْصَرٌ مَغْفُورٌ لَهُمْ“^[1]

”کہ وہ پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔“

اور یہ لشکر یزید بن معاویہ کی قیادت میں تھا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابو ایوبؓ (خالد) انصاریؓ، میزبانؓ رسولؓ جیسے سادات صحابہ کرام بھی تھے اور یہ حملہ ۴۹ھ میں ہوا تھا۔

امام ابن کثیر (دمشقی) فرماتے ہیں کہ یزید نے اپنے امیر مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر فاحش غلطی کی کہ وہ حرۃ کی بغاوت کچل کر مدینہ کو تین دن مہاجر سمجھے، کیونکہ اس میں صحابہ کرام اور ان کے بیٹوں کے قتل کی اجازت بھی تھی۔^[2]

اس بنا پر ہم یزید بن معاویہ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا:

لَا نُحِبُّهُ وَلَا نُسَبِّهُ. نہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور نہ اسے گالی دیتے ہیں۔^[3]

لہذا ہمیں اس کا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر چھوڑنا چاہیے واللہ اعلم

[1] بخاری کتاب الجہاد باب ما قبل فی قتال الروم رقم الحدیث: ۲۹۲۴۔

[2] دیکھئے صفحہ ۵۴ (البدایۃ والنہایۃ)۔

[3] طبقات صحابہ ص ۳۳ پر شہرہ آفاق محدث اور فقیہ امام عبد اللہ بن عبد اللہ بن کثیریؒ کا فتویٰ منقول ہے کہ انیسے یزید بن معاویہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی خلافت صحیح تھی اور فرمایا کہ بعض علماء کے بقول ساتھ صحابہ کرام نے اس کی بیعت کی تھی اور ان میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی تھے۔ رہا اس سے محبت کا مسئلہ تو جو کوئی اس سے محبت کرے اسے مطعون نہ کیا جائے، اور جو کوئی اس سے محبت نہ رکھے اس پر کوئی گرفت نہیں کیونکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہے اور صحابہ کرام کی محبت رسول اللہؐ کی محبت کی بنا پر واجب ہے اور یزید کا معاملہ بھی عبد الملک اور اس کے بیٹوں جیسا ہی ہے اس لیے فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے اس کے متعلق بحث نہ کی جائے ورنہ اس کے باپ تک معاملہ پہنچ جائے گا (اور وہ طویل القدر صحابی ہے)

عدالت صحابہؓ

صحابی کی لغوی تعریف:

صاحب کی طرف منسوب شخص کو صحابی کہتے ہیں اور لغت میں اس کے کئی معانی ہیں جو فرمانبرداری اور ملازمت (یعنی سفر و حضر میں ساتھ رہنے) کے گرد گھومتے ہیں۔^[1]

صحابی کی اصطلاحی تعریف:

جو شخص ایمان کی حالت میں حضرت رسول کریم ﷺ سے ملا ہوا اور اسلام پر اس کی وفات ہوئی ہو، اسے صحابی کہتے ہیں۔^[2] علاوہ ازیں دیگر تعریفات بھی ہیں۔

اور صحابہ کرام، حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں رہنے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کے اعتبار سے مختلف درجات رکھتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں صحابہ کرام کی عدالت طے شدہ مسئلہ ہے (اور عنقریب اصحابؓ محمد ﷺ کی عدالت کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ کرام کے اقوال ذکر ہوں گے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ [الفتح: ۱۸]

”کہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، اس نے ان پر سکینت نازل کی اور انہیں فتح قریب عطا کی۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ راضی ہوا، کن سے راضی ہوا؟

ان مومنوں سے جنہوں نے درخت کے نیچے حضرت رسول کریم ﷺ سے بیعت کی۔ نیز فرمایا کہ: اس نے جان لی وہ چیز جو ان کے دلوں میں ہے (یعنی ایمان اور سچائی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ نازل فرمائی (یعنی عین اسی وقت)

لویہ ہے اللہ تعالیٰ کی شہادت ان لوگوں کے صدق ایمان پر جنہوں نے درخت کے نیچے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیت رضوان کی۔ علاوہ ازیں حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

« لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ إِلَّا صَاحِبُ الْحَمَلِ الْأَحْمَرِ »^[۱]

”کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی آگ

میں داخل نہیں ہوگا، سوائے سرخ اونٹ والے کے۔“

یہ شخص منافقین میں سے تھا اور ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عمرہ کے لیے) نکلے تھے اور اس کا نام جُدہ بن قیس تھا۔

[۱] ترمذی کتاب المناقب، باب فی فضل من بايع تحت الشجرة، رقم: ۸۳۶۳ واصلہ فی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۱۶۳۔

جن لوگوں نے درخت کے نیچے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کی تعداد ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) تھی۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی شہادت دی اور ثابت کر دیا کہ ان کے باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہیں نیز رسول اللہ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ ان میں سوائے ایک آدمی کے اور کوئی آدمی منافق نہیں تھا اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق بتا بھی دیا کہ وہ کون تھا۔ اور پھر اس شخص نے آپ کی بیعت نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَسْعَوِي مِنْكُمْ مَنْ اتَّقَىٰ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ اتَّقَوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾

”تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (اس کی راہ) میں لڑائی کی وہ ان لوگوں سے درجات میں بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (اس کی راہ میں) لڑائی کی۔“

پھر فرمایا؟ ﴿وَكَمَلَا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ [الحديد: ۱۰]

”اور اللہ نے سب سے اچھائی (یعنی جنت) کا وعدہ کیا ہے۔“

یعنی اس نے ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور اس کی راہ میں لڑائی کی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح مکہ کے بعد (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور اس کی راہ میں لڑائی کی، سب سے اچھائی (یعنی جنت) کا وعدہ کیا ہے۔“

اور اسی وعدہ کی تائید اس تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۚ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۚ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّا هُمْ الْمَلَائِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴾ [الانباء: ۱۰۱-۱۰۳]

”بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آواز بھی نہ سنیں گے، اور وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جو ان کے نفسوں کو پسند لگیں گی، انہیں بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہ ڈالے گی۔ اور فرشتے یہ کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دوسری شہادت ہے ان عام صحابہ کرام کے متعلق، جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے رہے یا فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور خرچ کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کے مصارف کے متعلق فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾

”کہ یہ ان مہاجر ناداروں کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے اور وہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں، ان کے قلبی عمل کی تصدیق کرتا ہے۔ کیونکہ خوشنودی اور فضل کی خواہش قلبی عمل ہے۔

آگے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

”اور (مال غنیمت سے حصہ) ان لوگوں کے لیے (بھی) ہے جو وطن بنا چکے تھے گھر (دار) ہجرت مدینہ (کو اور ایمان کو ان (کی ہجرت) سے پہلے۔“
اور یہ انصار مدینہ تھے۔

نیز فرمایا

﴿يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الحشر: ٩٠٨]

”وہ محبت رکھتے ہیں ان سے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں اور ان (مہاجرین) کو کچھ دیا جاتا ہے تو یہ سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود بھی فاقہ ہو اور جو لوگ اپنے نفس کی حرص سے محفوظ کر دیئے گئے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“
اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

”کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“

اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک امت جسے اللہ تعالیٰ بہترین امت بتائے اور وہ درحقیقت ایسی ہو جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) تمام مہاجرین اور انصار مرتد ہو گئے، سوائے تین آدمیوں کے۔^[1] کیونکہ جو امت ساری کی ساری مرتد ہو گئی ہو سوائے

تین آدمیوں کے، اسے اللہ تعالیٰ خَيْرِ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ نہیں کہہ سکتا۔
صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْبُوا اَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ
مِثْلَ اُحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ» [1]

”کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں
میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو ان کے
ایک مد (نصف کلو غلہ) کے برابر نہیں پہنچ سکے گا اور نہ اس کے نصف کو۔“
صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا۔
وہ کہیں گے:

”لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَبِّ“

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا؟ وہ کہیں گے: جی ہاں!

پھر نوح علیہ السلام کی امت سے پوچھا جائے گا، کیا انھوں نے تمہیں میرا پیغام پہنچایا؟
وہ کہیں گے، ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا،

تب اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائیں گے: تمہاری گواہی کون دے گا کہ تم نے

پیغام پہنچایا تھا؟

وہ کہیں گے: ”حضرت محمد ﷺ اور اس کی امت۔“

چنانچہ وہ حضرت نوح ﷺ کے لیے گواہی دیں گے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے

[1] بخاری کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی لو کنت متخذًا خليلة، رقم: ۳۶۷۳،
مسلم = کتاب فضائل الصحابة رقم: ۲۲۱۔

فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائے۔“

پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے فرمایا:

”الْوَسَطُ الْعَدْلُ“ کہ وسط سے مراد عدل ہے (یعنی متوازن اور افراط و تفریط کے درمیانی راہ چلنے والی امت)۔^[1]

یہ تفسیر حضرت رسول کریم ﷺ سے منقول ہے کہ وسط سے مراد عدل ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ ثابت ہوا کہ یہ امت محمدیہ امت عادلہ ہے، علاوہ ازیں اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو اجمالی اور عمومی اعتبار سے حضرت رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی عدالت پر دلالت کرتے ہیں۔ (مثلاً) اہل علم نے ان روایات کو جو اصحاب رسول نے آپ کے حوالے سے بیان کی ہیں، کھنگالا اور پرکھا تو کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہ ملا جس نے حضرت رسول کریم ﷺ پر کوئی جھوٹ بولا ہو، بلکہ صحابہ کرام کے آخری دور میں جب قدریہ اور شیعہ اور خوارج جیسے فرقوں کی بدعات کا دور شروع ہوا تو کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہ ملا جو ان اقوام میں شامل ہوا ہو، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی صحبت کے لیے ان کا انتخاب فرمایا اور وہ آپ کی رفاقت مبارکہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی پسند تھے۔^[2]

[1] بخاری، کتاب التفسیر: باب و كذلك جعلناكم امة وسطا، رقم الحدیث: ۴۴۸۷۔

[2] حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو کسی کے دل کو حضرت محمد ﷺ کے دل جیسا نہ پایا تو اسے اپنی رسالت اور نبوت کے لیے پسند فرمایا، پھر حضرت محمد کے دل کے بعد باقی لوگوں کے دلوں کو دیکھا، تو کسی کے دل کو صحابہ کرام کے دلوں جیسا نہ پایا تو اس نے انہیں اپنے نبی کے وزیر بنا دیا۔

عصمت صحابہ؟

اتنا کچھ ثابت ہونے کے باوجود اس بات پر متنبہ کرنا ضروری ہے کہ ان کی عدالت سے ان کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے، اگرچہ ہم اصحاب رسول کی عدالت کے قائل ہیں لیکن ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے کیونکہ وہ پھر بھی بشر ہیں۔

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

”كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ“

”حضرت آدم علیہ السلام کے سب بیٹے خطا کار ہیں۔“

تو وہ بھی اولاد آدم ہونے کے ناطے سے خطا کار ہیں، وہ غلطی بھی کرتے ہیں اور درستی بھی، اگرچہ ان کی خطائیں ان کی نیکیوں کے سمندر میں غرق ہو چکی ہیں۔ [رضی اللہ عنہم]

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے اہل حق گروہ یعنی اہل السنۃ والجماعۃ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے۔^[1]

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

اہل السنۃ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ صحابہ کرام، سب کے سب عادل تھے اور سوائے چند مبتدعین کے اور کسی نے اس اتفاق کی مخالفت نہیں کی۔^[2]

علاوہ ازیں امام عراقی، امام جوینی، امام ابن صلاح، امام ابن کثیر وغیرہم نے بھی اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول سب کے سب عادل ہیں۔

امام ابو بکر خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول سے ان کے متعلق کوئی چیز بھی ثابت نہ ہوتی تو بھی ان کی ہجرت اور نصرت،

۱۱ مسند احمد ۱/۳۷۹۔ [1] استیعاب ۸/۱۔ [2] اصابہ ۱/۱۷۱۔

جہاد اور اتفاق فی سبیل اللہ، دین حق کی خیر خواہی اور اس کی خاطر اپنی اولاد اور ماں باپ سے لڑائی کرنا، نیز ان کی ایمانی قوت اور یقین قطعی جیسی خوبیاں، اس بات کا اعتقاد رکھنے کے لیے کافی ہیں، کہ وہ ہستیاں، صاف ستھری اور عادل ہیں اور وہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر عادل ہیں جو ابداً الابد تک ان کے بعد آئیں گے۔^[1]

[1] الکفایہ فی علم الروایہ ص: ۹۱.

صحابہ کرام کی عدالت پر نکتہ چینی کرنے والے کون؟

اصحاب رسول ﷺ کی عدالت پر نکتہ چینی کرنے والے چار فرقے ہیں:

شیعہ،..... خارجی،..... ناصبی،..... معتزلی۔

مسلمانوں کے اجماع میں ان لوگوں کی حیثیت، پرکاہ کے برابر نہیں ہے، اس لیے ان کی مخالفت کسی شمار میں نہیں ہے۔

اصحاب رسولؐ پر ان کی نکتہ چینی اور جرح کے دلائل کیا ہیں؟

پہلی دلیل: کچھ صحابہ کرام سے گناہ کا صدور ہونا۔

دوسری دلیل: قرآن و سنت کی نص کے مطابق چند صحابہ کا منافق ہونا۔

تیسری دلیل: عدالت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ان کے درجات بھی یکساں ہوں، جبکہ ہم سب کے نزدیک ان کے درجات میں مساوات نہیں ہے تو اس طرح ان میں عدالت کی مساوات بھی نہ ہوئی۔

چوتھی دلیل: تمام اصحاب رسولؐ کی عدالت پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی۔

بعض صحابہ کرام سے معاصی کا صدور ہونا؟:

جواب: ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ان صحابہ کرام سے گناہوں کا ظہور پذیر ہونا ان کی عدالت کے منافی نہیں۔ ہمارا اعتقاد صرف اتنا ہے کہ وہ عادل ہیں، معصوم نہیں ہیں۔

بعض صحابہ کا نص سے منافق ہونا؟

جواب: رہا ان کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ کرام منافق تھے تو یہ صاف جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ منافقین کا صحابہ میں شمار نہیں ہوتا، کیونکہ جب آپ صحابی کی تعریف پڑھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔

جبکہ منافقین نے ایمان کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات نہیں کی اور نہ وہ ایمان پر فوت ہوئے لہذا وہ اس تعریف میں داخل نہیں ہیں۔

عدالت کا تقاضا کہ درجات میں مساوات ہو؟

جواب: باقی رہا ان کا یہ خود ساختہ اصول کہ ان کی عدالت سے ان کا مساوی درجات ہونا لازم آتا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں اور بعض صحابہ، بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ ابو بکر تمام صحابہ رسول سے افضل ہیں ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد علیؓ، ان کے بعد عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم)، ان کے بعد بدری صحابہ اور پھر بیعت رضوان والے صحابہ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام فضیلت میں یکساں نہیں ہیں۔

جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾

[الحديد: ۱۰]

”کہ تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے فی سبیل اللہ خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ ان لوگوں سے درجات میں بڑھ کر ہیں، جنہوں نے فتح مکہ کے بعد (فی سبیل اللہ) خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔“

تمام صحابہ کی عدالت پر دلیل نہیں؟

جواب: رہا ان کا یہ کہنا کہ تمام صحابہ کی عدالت پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی عدالت کے ثبوت میں قرآن و سنت کے بعض دلائل گزر چکے ہیں، تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مبتدعین نے صحابہ کی عدالت کی نفی پر بعض دلائل سے استدلال کیا ہے لیکن ان کے دلائل ذکر کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر کرتے ہیں کہ:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ٧]

”کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی، اس میں محکم آیات بھی ہیں، جو اصل کتاب ہیں، اور دوسری متشابہات ہیں، سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، فتنہ (گمراہی) کشید کرنے کے لیے اور (غلط) مطلب اخذ کرنے کے لیے جبکہ ان کا اصل مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور عقلمندوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں حاصل کرتا۔“

ہم نے کبھی نہیں کہا کہ جو لوگ عدالت صحابہ کے قائل نہیں ہیں، ان کے پاس شبہات نہیں ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس کتاب اللہ سے شبہات بھی ہیں اور سنت رسول سے بھی۔

صحابہ کرام کے متعلق شبہات اور ان کے جوابات

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

پہلے شبہ کے متعلق، اہل بدعت ہمیں اس حدیث نبوی کا مطالعہ کرواتے ہیں جو حوض کوثر کے متعلق ہے کہ:

”يَرِدُ عَلَى رَجُلٍ أَعْرَفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي فَيَذَاوُونَ عَنِ الْحَوْضِ
فَأَقُولُ أَصْحَابِي أَصْحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدْتُوا بَعْدَكَ“^[1]

”مجھ پر کچھ لوگ وارد ہوں گے، جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ جب وہ حوض کوثر سے دور ہٹا دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا میرے ساتھی! میرے ساتھی! تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات رواج دی تھیں؟“

اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور اس کی تائید میں بہت سی دیگر روایات بھی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

”إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتَّى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَى مِنْكُمْ وَ سَيُؤْخَذُ

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب کما بدأنا اول خلق نعیده رقم: ۴۷۴۰، باب کما بدأنا اول خلق نعیده و کتاب الفتنہ، رقم الحدیث: ۴۷۴۰، مسلم کتاب الطہارۃ ۳۶، ۳۷.

أَنَاسُ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ مِنِّي وَ مِنْ أُمَّتِي فَيَقَالُ أَمَا شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بِعَدِّكَ وَاللَّهِ مَا بَرِحُوا بِعَدِّكَ يَرْجِعُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ

”بے شک میں حوض پر ہوں گا، تاکہ میں تم میں سے اپنے اوپر وارد ہونے والوں کو دیکھ سکوں اور عنقریب کچھ لوگوں کو پکڑ کر مجھ سے جدا کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اللہ کی قسم یہ آپ کے بعد مسلسل اپنی ایڑیوں پر پھرتے رہے۔“

اس روایت کے راوی ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں:

«اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ تَرْجِعَ عَلَيَّ أَعْقَابَنَا»

”اے اللہ ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔“

دوسری روایت اس طرح ہے:

«إِنَّا فَرَطُكُم عَلَى الْحَوْضِ وَلَا نَأْزِعَنَّ أَقْوَامًا ثُمَّ لَا غَلْبَ عَلَيْهِمْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي أَصْحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدْتُمَا بِعَدِّكَ»^[1]

”کہ میں تم سے پہلے حوض پر پہنچ چکا ہوں گا اور چند اقوام کے متعلق میں جھگڑا کروں گا پھر میں خاموش کر دیا جاؤں گا، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں، یہ میرے ساتھی ہیں، تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے تیرے بعد کس قدر بدعات پھیلائیں۔“

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

[1] مسلم۔ کتاب الفضائل، رقم: ۲۹۰۲۵۔

چنانچہ ہم ان روایات کا صحیح مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ ان صحابیوں سے مراد وہ منافقین ہیں جو عہد نبوت میں اسلام کا اظہار کرتے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴾ [المنافقون: ۱]

”جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں، کہ ہم گواہی دیتے ہیں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔“

یہ لوگ ان منافقین میں سے تھے۔ جن کے نفاق کو حضرت نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے، انہی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا

عَلَى الْبَيْتِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

”اور آپ کے گرد و پیش اعرابیوں میں سے منافقین بھی ہیں اور اہل مدینہ میں سے بھی چند لوگ حد نفاق تک پہنچ چکے ہیں، تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔“

سو وہ لوگ (جو حوض کوثر سے ہٹا دیئے جائیں گے) ان منافقین میں سے تھے جنہیں حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ کرام میں سے سمجھتے تھے لیکن وہ صحابہ نہ تھے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور (سب لوگ جانتے ہیں کہ) اکثر عرب مرتد ہو گئے تھے، حتیٰ کہ سوائے اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل طائف اور ایک قول کے مطابق اہل بحرین کے اور کوئی قبیلہ اسلام پر قائم نہ رہا، سب کے سب اپنی ایڑیوں پر پھر گئے، یہی وہ لوگ

ہیں جن کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ فرمائیں گے ”أَصْحَابِي أَصْحَابِي!“ ”میرے ساتھی! میرے ساتھی!“ تو آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کارنامہ (ارتداد) سرانجام دیا تھا کیوں کہ لوگ آپ کے بعد پے در پے اپنی ایڑیوں کے بل پھرتے رہے۔

⑤ تیسری بات یہ ہے، کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تو رہے، لیکن انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی، لہذا وہ لوگ اصطلاحاً صحابی کی تعریف میں داخل نہیں۔

اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے کہا کہ:

”لَيْنَ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ“

”کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت دار، ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔“

تو مدینہ منورہ کے اس رئیس المنافقین کی یہ بات حضرت عمرؓ کو سنائی گئی، تو انہوں نے اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں؟

آپ نے فرمایا: نہیں! کہیں یوں نہ کہا جانے لگے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔^[1] چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اسے عرفا اپنے صحابہ میں شامل کیا۔ یعنی عرفی یا لفظی اعتبار سے نہ کہ اصطلاحی اور شرعی اعتبار سے کیونکہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنا نفاق ظاہر کر دیا تھا اور اللہ نے اسے رسوا کر دیا تھا۔

⑥ چوتھی بات یہ ہے کہ بسا اوقات کلمہ (أَصْحَابِي) سے وہ تمام لوگ مراد لیے جاتے ہیں جو قبول اسلام کے حوال سے حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھی یعنی امتی اپنے

[1] بخاری۔ کتب التفسیر۔ باب يقولون لنن رجعنا إلى المدينة، رقم الحديث: ٤٩٠٧.

اگرچہ انہوں نے آپ کو نہ بھی دیکھا ہو، اور ہماری اس توجیہ پر اُمّتی! اُمّتی! یا اُنھم اُمّتی کے الفاظ والی روایت دلالت کرتی ہے۔

باقی رہا حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ میں انہیں پہچانتا ہوں گا، سو آپ واضح کر چکے ہیں کہ میں اس امت کو پہچان لوں گا، چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ انہیں کیسے پہچانیں گے حالانکہ آپ نے انہیں دیکھا نہیں ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: میں انہیں وضو کے نشانات سے پہچانوں گا۔^[1]

ان تمام توجیہات کے بعد گزارش کرتا چلوں کہ خارجی اور ناصبی و معتزلی حضرات اصحاب رسول کے ارتداد پر اس حدیث پر استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف شیعہ صاحبان ہی استدلال کرتے ہیں تو انہیں کہا جائے گا کہ:

[1] بخاری کتاب الوضوء: باب فضل الوضوء، رقم: ۱۶۳۹، مسلم، کتاب الوضوء، رقم: ۳۵۔

مفتی: (پوری روایت اس طرح ہے کہ) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبرستان پر گئے اور فرمایا:

”اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ ذَا رِقْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَ اَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا جَفْوٰی، وَ دِدْتُ اَنَا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا“

”کہ مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، میں پسند

کرتا ہوں کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا۔“

لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا: تم میرے صحابی ہو اور ہمارے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے ان ساتھیوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟

آپ نے فرمایا تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے پانچ کلیان گھوڑے ان گھوڑوں میں پھر رہے ہوں جو سیاہ رنگت والے ہیں، تو انہیں پہچان نہ سکے گا؟۔

انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے مقدس رسول۔

آپ نے فرمایا: وہ وضو کی وجہ سے پانچ کلیان آئیں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر پہنچ چکا ہوں گا۔ آگاہ رہنا کہ کچھ لوگ میرے حوض سے یوں دور ہٹا دیئے جائیں گے جیسے بھٹکا ہوا اونٹ بنایا جاتا ہے، میں انہیں آواز دوں گا، ادھر آؤ، تو مجھے کہا جائے گا، کہ انہوں نے آپ کے بعد (آپ کے دین کو) بدل دیا تھا۔ تو میں کہوں گا ”سُخْفًا سُخْفًا“ کہ: ”تمہاری ہلاکت ہو۔“

وہ کون سی دلیل ہے جو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ وغیرہم اہل بیت کو اس سے مستثنیٰ کرتی ہے؟ اور ان کو مرتدین کی صف میں شامل کرنے سے روکتی ہے؟

جبکہ ہم لوگ تو ان محترم ہستیوں کے ارتداد کے قائل نہیں حاشا وکلاً اور اللہ کی پناہ ہم ان کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتے، بلکہ ان کی امامت اور بزرگی کے قائل ہیں اور حدیث نبوی کے مطابق ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں جیسے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حراً پر چڑھے تو فرمایا: اے حراء! ٹھہرا جا! تیرے اوپر نبی ہے، یا صدیق یا شہید^[1]

اور اس وقت حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے اور وہ جنتیوں میں ہیں۔
اور آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا حسنؓ اور حسینؓ جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں۔^[2]

ہم شیعہ سے کہیں گے کہ اگر تم کہو کہ ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو عبیدہؓ وغیرہ اصحاب رسول ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا تو پھر ہا صبیوں جیسے لوگوں کو یہ بات کہنے سے کون روکے گا کہ علیؓ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنہیں حوض سے روکا جائے گا۔
اگر تم کہو گے کہ حضرت علیؓ کے فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو وہ جواب دیں گے کہ حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے فضائل ان سے بھی زیادہ ثابت ہو چکے ہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

دوسرے شبہ کے متعلق اہل ہدعت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے فاسد استدلال

[1] سنن ابی داؤد = کتاب السنۃ: باب فی الخلفاء رقم: ۴۶۴۸۔ سنن الترمذی = کتاب المناقب۔ باب مناقب سعید بن زید، رقم: ۳۷۵۷۔

[2] سنن ترمذی = کتاب المناقب رقم: ۳۷۶۸، ابن ماجہ = المقدمة فضائل علی بن ابی طالب رقم: ۱۰۵۔

کرتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْكِهِ لِيَجْعَلَ الْأُزْرَاعَ لِيَكْثُرَ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ۲۹]

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرنے کے لیے رکوع اور سجدے کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے (شرافت و بزرگی کی) علامات ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور ان کی یہی مثال انجیل میں ہے۔ جیسے کھیتی نے اپنی کونپلیں نکالیں، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر موٹی ہوئی، پھر اپنی ڈالی پر کھڑی ہوئی، اس کا یہ منظر کسان کو دلکش لگتا ہے (اللہ نے انہیں اس کھیتی کی طرح شاداب کیا) تاکہ وہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (اور وہ صحابہ کی شان کو دیکھ کر دانت پیسنے لگیں)، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے، ان لوگوں کے ساتھ، جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس آیت میں اصحاب رسول کی مدح اور تعریف روز روشن کی طرح آشکار ہو رہی ہے لیکن جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت میں (جو ہم نے چند سطریں پہلے بھی ذکر کی ہے) فرمایا ہے:

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ﴾

”کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی (یا کھوٹ) ہے وہ فتنہ اور من مرضی کا مطلب تلاش کرنے کے لیے تشابہات سے استدلال کرتے ہیں۔“

اسی طرح یہ لوگ، اس آیت کریمہ کے آخری کلمات ﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ کے درپے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مِنْهُمْ (یعنی ”ان میں سے“) سے مراد ان میں سے کچھ لوگ ہیں کیونکہ یہاں ”مِنْ“ تبعوضیہ ہے، اس لیے اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، لہذا ان میں سے کچھ لوگ جنت میں جائیں گے اور کچھ نہیں جائیں گے۔^[1]

ان لوگوں کا یہ استدلال محض تلمیس اور کذب ہے، بلکہ اس قماش کے لوگوں میں سے چند لوگوں نے اس حد تک جسارت کی کہ اس پر مفسرین کے اجماع کا بھی دعویٰ کر دیا کہ یہاں مِنْ کا لفظ تبعوضیہ ہے۔

جبکہ بہت سی وجوہات کی بنا پر یہ دعویٰ سرے سے کذب پر مبنی ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ علمائے تفسیر کے بقول یہاں لفظ (مِنْ) تبعوض کے لیے نہیں ہے یعنی مِنْهُمْ کا مطلب مِنْ بَعْضِهِمْ کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مِنْهُمْ دو معنوں میں آتا ہے۔

① پہلا معنی یہ ہے کہ ان کی جنس اور ان جیسوں سے، جس طرح قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ ۚ ﴾ حج: ۳۰

”کہ تم (ہر طرح کے) بتوں کی پلیدی سے بچو۔“

[1] تَمَّ احْتَدَيْتُ: ۱۱۷ (المحمد التيجاني الشيعي).

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ تم بعض بتوں کی پلیدی سے بچو اور بعض سے نہ بچو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمام بتوں کی پلیدی سے بچیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان جیسے بتوں کی نجاست سے بچو،

① دوسرا معنی یہ کہ یہاں مِنْ مَّوَكَّدَہ ہے، جس طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ﴾ کہ ہم قرآن سے (وہ چیزیں) نازل کرتے ہیں جو (سراسر) شفاء اور رحمت ہیں۔ چنانچہ اس آیت یعنی ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ﴾ میں مِنْهُمْ سے مراد مِنْ أَمْثَلِهِمْ ہے۔

② تیسرا معنی یہ کہ یہاں مِنْهُمْ تاکید کے لیے ہے یعنی ان جیسے نیکو کاروں سے یا ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ [رضی اللہ عنہم]

مزید برآں آیت کے سیاق پر غور کیجئے۔ یہ آیت مکمل طور پر مدح پر مشتمل ہے، اس میں کسی ایک صحابی کی بھی مذمت نہیں ہے، بلکہ تمام صحابہ کی مدح ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾

اور ان کے باطن کے تزکیہ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کے رکوع اور سجود اور عاجزی و انکساری کا تذکرہ کر کے ان کی ظاہر کی پاکیزگی بیان کی اور ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ کا تذکرہ کر کے ان کے باطن کی پاکیزگی بیان کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف منافقین جیسے بیان نہیں کیے کہ:

﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُتْمًا يُرَاؤُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

[نساء ۱۴۲]

”کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی تگ و دو کرتے ہیں اور وہ انہیں ان کے عمل کی جزا دینے والا ہے، جب یہ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے ہوئے دل سے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لیے اور وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔“

دیکھیے اللہ نے ان کا وصف کس طرح بیان کیا، ان کے باطن کی پاکیزگی بیان نہیں کی، باوجود اس کے کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں پھر بھی ان کے باطن کو جھٹلادیا ہے، جبکہ صحابہ کے متعلق بیان فرمایا: ﴿ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ﴾ مزید برآں (مِنْهُمْ) سے، (مِنْ جَنْسِهِمْ) یا (تاکید علیٰ حالہم) مراد لینا، جمہور مفسرین بلکہ تمام اہل سنت مفسرین کا قول ہے مثلاً

(۱) نسفی، (۲) ابن الجوزی، (۳) ابن الانباری، (۴) زحشری، (۵) الزجاج، (۶) العکمری، (۷) نیشاپوری، (۸) ابن کثیر، (۹) طبری وغیرہم مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ یہاں کلمہ ”مِنْ“ تبعیض کے لیے نہیں ہے جیسا کہ دشمنان خدا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ تاکید کے لیے ہے، یا جنس بیان کرنے کے لیے ہے۔^[۱]

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

اس طرح کے دیگر شبہات کی طرح وہ اس روایت سے بھی شبہ وارد کرتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ عمرہ کے غرض سے حدیبیہ پہنچے اور وہاں قریش کے ساتھ

[۱] دیکھئے اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ تالیف محمود صافی: ۲۶، ص: ۲۷۲۔

مصالح متعقد ہوگئی، تو آپ نے عمرہ کیے بغیر لوٹنے کے ارادے سے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ سرمنڈوائیں اور قربانیاں کریں، تو صحابہ کرام نے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی، اس عدم تعمیل کو دیکھ کر آپ حضرت ام سلمہؓ کے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا:

اے اللہ کے پیارے رسول! آپ غصے میں کیوں ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں کیوں نہ غصہ کروں، میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں، وہ میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ [بخاری]^[1]

مبتدعین کہتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ نے آپ کو ناراض کیا اور اس طرح کے لوگوں کا عادل ہونا محال ہے۔

اس واقعہ کی اصل صورتحال بیان کرنے سے قبل ہم عروہ بن مسعود ثقفی کا حیرت انگیز مشاہدہ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں، عروہ بن مسعود کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ جب کبھی تھوکتے تو صحابہ کرام اسے زمین پر گرنے سے پہلے ہی ہاتھوں ہاتھ لے لیتے تھے اور میں قیصر روم اور کسریٰ ایران اور نجاشی حبشہ کے درباروں میں حاضر ہو چکا ہوں، میں نے کسی کو اپنے بادشاہ کی اس قدر تعظیم کرتے نہیں دیکھا، جس قدر محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں معاملہ صحابہ کرام کی معصیت و نافرمانی کا نہیں، بلکہ ان کے وفور شوق کا تھا، ان کی شدید آرزو تھی کہ وہ بیت اللہ الحرام کی زیارت کریں، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کاش حضرت رسول کریم ﷺ اپنی رائے بدل لیں، یا اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے نبی کو مکہ داخل ہونے کا حکم دے دے۔

اس آرزو میں انہوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں تاخیر کی، ہماری اس توجیہ پر حضرت ام سلمہؓ کی حکمت دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے یہ صورتحال دیکھ کر فرمایا:

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد: ۲۷۲۱۔

آپ اپنا سر منڈوائیں اور قربانی ذبح کریں۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نکلے اور اپنا سر منڈوایا اور قربانی کی، تو تمام صحابہ اپنے سر منڈوانے اور قربانیاں کرنے لگے۔ گویا اصل بات یہ ہے کہ یہاں معاملہ مصیبت و نافرمانی کا نہیں تھا۔ جیسے کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ انہوں نے آپ کے بولے بغیر ہی محض آپ کو دیکھ کر اپنے سر منڈوانے اور قربانیاں کرنی شروع کر دیں، کیونکہ انہیں پتہ چل گیا کہ معاملہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اور سوائے واپس لوٹنے کے کوئی چارہ نہیں، اس لیے انہوں نے سر منڈوائے اور قربانیاں کیں اور اللہ کے حکم کی تعمیل کی، اسی بنا پر اللہ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

اور پوری سورہ نازل فرما کر اس کا نام سورہ فتح رکھا کیونکہ یہ صلح کے بعد نازل کی تھی اور یہ صلح درحقیقت اصلی فتح تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا کی۔

مزید برآں ہمارا جواب یہ بھی ہے کہ اس روایت سے صرف شیعہ ہی استدلال کرتے ہیں، نا صہبی اور خارجی اور معتزلی اس سے استدلال نہیں کرتے، نا صہبی تو اس وجہ سے کہ وہ اہل بیت کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور وہ اس فرقے کے بہت عرصہ بعد ظاہر ہوئے اور خارجی تو اس وقت (صلح حدیبیہ کے وقت) موجود ہی نہ تھے اور پھر خارجی تو ان صحابہ کو بھی کافر کہتے تھے جنہوں نے باہم جنگ کی۔ اور معتزلہ وہ ہیں جو جنگ جمل اور صفین جیسے فتنوں میں شامل ہونے والے اصحاب رسول کی عدالت پر حرف گیری کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم شیعہ صاحبان سے کہیں گے کہ:

کیا ان کے ساتھ (صلح حدیبیہ کے وقت) حضرت علی بھی تھے یا نہیں؟!

اہل سنت اور شیعہ کا اجماع ہے کہ حضرت علی بھی ان کے ساتھ تھے، بلکہ آپ نے ہی آنحضرت ﷺ اور سہیل بن عمرو کا صلح نامہ لکھا اور حضرت علی بھی قربانی کر رہے تھے، نہ اپنا سر منڈوا رہے تھے تو جس وجہ سے صحابہ کرام کی عدالت مجروح ہوگی اسی وجہ سے حضرت علی کی عدالت بھی مجروح ہوگی، لیکن ہم اہل السنۃ نہ حضرت علی کی عدالت پر طعن کرتے ہیں نہ دیگر صحابہ کرام کی عدالت پر۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

(صحابہ کرام کی عدالت میں شبہات ڈالنے والے حضرات) یہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے لشکر اسامہ تشکیل دیا تو اس میں ابو بکر، عمرؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کو شامل کیا اور فرمایا: ﴿لَعَنَ اللَّهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ جَيْشِ أُسَامَةَ﴾ (کہ اللہ ان پر لعنت کرے جو لشکر اسامہ سے پیچھے رہیں) تو جب حضرت رسول کریمؐ فوت ہوئے اور لشکر اسامہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تو ابو بکر و عمر اس کے ساتھ نہ گئے لہذا یہ دونوں حضرت رسول کریم ﷺ کی زبان سے (نعوذ باللہ) ملعون قرار پائے۔

ہم کہتے ہیں کہ اولاً تو یہ سفید جھوٹ ہے، حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ بات ثابت ہی نہیں کہ انہوں نے فرمایا ہو، اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر سے پیچھے رہے، یہ ٹھیک ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے لشکر اسامہ تیار کیا، لیکن اس سے پیچھے رہنے والے پر لعنت نہیں فرمائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی لشکر اسامہ میں تشکیل نہیں ہوئی، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق تو حضرت نبی کریم ﷺ کی بیماری کے

ایام میں بحکم رسولؐ مسلسل بارہ دن مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہے، تو آپؐ انہیں بیک وقت مدینہ میں نماز پڑھانے اور لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟ البتہ حضرت عمر فاروق کا نام لشکر اسامہ میں ضرور شامل تھا لیکن جب حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو لشکر اسامہ ابھی مدینہ منورہ میں موجود تھا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عمر فاروق کو مشاورت کی غرض سے اپنے پاس رکھنے کی اجازت لے لی اور یہ بات حضرت ابو بکر صدیق کے عظیم خلق پر دلالت کرتی ہے۔

ورنہ آپ مملکت اسلامیہ کے سربراہ ہونے کے ناطے سے بغیر اجازت طلب کیے بھی انہیں اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی تو حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ٹھہر گئے۔ یہ ہے لشکر اسامہ کا اصل واقعہ نہ کہ اس طرح جیسے کذاب بیان کرتے ہیں۔^[1]

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو اکثر عرب اللہ کے دین سے مرتد ہو گئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مرتدین سے لڑنے کی غرض سے غمسا کر اسلام کو روانہ فرمایا، ان کے سپہ سالاروں میں خالد بن ولید بھی تھے، حضرت ابو بکرؓ صدیق نے انہیں نبوت کا دعویٰ کرنے والے میلہ کذاب کی طرف بھیجا اور وہ اس عظیم معرکہ میں فتیاب ہو گئے۔ اس معرکہ کو معرکہ حدیقہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید، اللہ کے دین سے مرتد ہونے والے عرب قبائل کی خبر لینے گئے، ان میں سے جو قبائل دین اسلام کی طرف لوٹ آتے انہیں وہ چھوڑ دیتے اور جو اپنے کفر پر قائم

[1] دیکھئے تاریخ طبری ۲/۴۲۹، الکامل ۲/۲۱۵۔ البدایہ والنہایہ ۵/۲۰۳ و ما بعدہا۔

رہتے ان سے جنگ کرتے۔

حضرت خالدؓ نے جن اقوام پر چڑھائی کی تھی، ان میں مالک بن نویرہ کی قوم بھی تھی اور اس قوم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ انہوں نے کبھی بھی زکوٰۃ نہ دی تھی۔

جب حضرت خالدؓ، ان کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ:

تم نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کیوں کی؟ اموال کی زکوٰۃ کہاں ہے؟ مالک بن نویرہ کہنے لگے، ہم یہ مال آپ کے صاحب کی زندگی میں اسے دیتے تھے، جب وہ فوت ہو گئے ہیں تو ابو بکرؓ اس میں کیا حق ہے۔

یہ سن کر حضرت خالدؓ غصے میں آ گئے اور فرمایا کیا وہ ہمارا صاحب ہی ہے کیا وہ تمہارا صاحب نہیں ہے؟۔ آپ نے ضرار بن ازور کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ اور ایک قول کے مطابق مالک بن نویرہ نے نبوت کی جھوٹی دعویٰ اور سجاد بنت الحارث کی پیروی کر لی تھی۔^[۱]

کتب تاریخ میں ایک تیسری روایت بھی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب حضرت خالدؓ نے ان سے اس مسئلہ پر گفت و شنید کی اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قید کر لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: «أَذِفُّوْا أَسْرَاكُمُ» ”کہ اپنے قیدیوں کو گرماش دو۔“ کیونکہ رات ٹھنڈی تھی۔ لیکن بنو ثقیف کی لغت میں «أَذِفُّوْا الرَّجُلَ» کا مطلب یہ تھا کہ اسے قتل کر دو۔

لہذا انہوں نے سمجھا کہ خالدؓ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے ان قیدیوں کو حضرت خالدؓ کی اجازت کے بغیر قتل کر دیا۔

[۱] اس بات کو شیخ عالم ابن طاہرؒ نے بیان کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ: بنو تمیم اور زیات مرتد ہو گئے تھے اور مالک بن نویرہ یریوی کی کمان میں چلے گئے تھے دیکھئے فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب ص: ۱۰۵۔

ان تینوں وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی ہو، حضرت خالد نے تاویل کی بنا پر انہیں قتل کیا۔ اس لیے ان پر عیب نہیں لگایا جاسکتا۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ یربوعی کو قتل کر کے اسی رات اس کی بیوی سے خلوت کی تو یہ صریح جھوٹ ہے۔

البتہ حضرت خالدؓ نے جب اسے قتل کیا اور اس قوم کو قیدی بنایا تو اس کی بیوہ کو بھی قید کر لیا، لیکن یہ کہنا کہ آپؐ نے پہلی رات ہی اس سے خلوت کی، یا مالک بن نویرہ کو اس کی بیوی جتھیانے کے لیے قتل کیا، تو یہ سب جھوٹ ہے۔^[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں (دادِ شجاعت دینے والا غازی) حضرت خالد بن ولید وہ مجاہد ہے جو کہا کرتا تھا۔

”لَأَنْ أُصْبَحَ الْعَدُوَّ فِي لَيْلَةٍ شَاتِيَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تُهْذَى إِلَيَّ فِيهِ عُرُوسٌ أَوْ أُبَشِّرَ فِيهَا بِوَلَدٍ“^[2]

”سردترین رات میں صبح تک دشمن سے برسرِ پیکار رہنا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ اس میں مجھے خوبصورت دلہن دی جائے یا مجھے اس میں لڑکے کی بشارت دی جائے۔“

حضرت خالد ان عظیم جرنیلوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ سَلَّهُ اللَّهُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ“^[3]

[1] دیکھئے البدایہ والنہایہ ۳۲۶/۶ [2] البدایہ والنہایہ ۱۱۷/۷

حکمدہ (خلیفہ المسلمین سیدنا ابوبکر فرمایا کرتے تھے کہ: عجزن النساء ان یلدن مثل خالد کہ عورتیں خالد جیسا جوان مرد پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔“

[3] فتح الباری کتاب فضائل صحابہ باب مناقب خالد ۳۷۵۷، ابن عساکر ۱۵/۸، دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۱۲۳۷

”کہ خالد تو، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اللہ نے مشرکین پر سونپا ہوا ہے۔“

اسی بنا پر جب حضرت خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل جیسا سانحہ سرزد ہوا، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ خالد کو معزول کر دیجئے، کیونکہ اس کی تلوار میں خوزیزی ہے۔
تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

”لَا وَاللَّهِ ! سَيْفٌ سَلَّهُ اللَّهُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ“^[1]

”اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، وہ تلوار ہیں جسے اللہ نے مشرکین پر سونپا ہے۔“

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

امیر معاویہ کا حجر بن عدی کو قتل کرنا،

حجر بن عدی کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی۔

امام بخاریؒ، ابو حاتم رازیؒ، ابن حبانؒ، ابن سعدؒ، خلیفہ بن خیاطؒ، جیسے جمہور اہل علم کے قول کے مطابق حجر بن عدی تابعی ہیں، صحابہ سے نہیں ہیں۔^[2]

امیر معاویہ نے حجر بن عدی (کوفی) کو قتل کس بنا پر قتل کیا؟

حجر بن عدی، حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے ساتھ مل کر صفین میں لڑے تھے مگر ان کے قتل کا واقعہ عام الجماعۃ یعنی حضرت معاویہ کے حق میں حضرت حسن کی دست برداری اور حضرت امیر معاویہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوا۔ صلح کے بعد حضرت معاویہ نے زیاد بن ابوسفیان کو کوفہ کا گورنر بنایا (اور کوفہ والوں کا حال کسی سے مخفی نہیں، کیونکہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے

[1] الکامل فی التاریخ ۲/۲۴۲، [2] الاصابة ۱/۳۱۳.

حضرت علی کو قتل کیا اور ان کے بیٹے حسن سے خیانت کی، اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت سعدؓ کی امارت پر اعتراض کیا، اور انہی لوگوں نے حضرت ولید بن عقبہ کی امارت پر طعن کیا، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی امارت کو مورد اعتراضات بنایا، بلکہ یہ تلوار کی قوت کے بغیر کسی سے راضی نہ ہوئے اور یہی زیاد بن ابوسفیان قبل ازیں حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔^[1] جب حضرت معاویہ نے صلح کے بعد خلافت سنبھالی تو اسے بصرہ پر برقرار رکھا اور کوفہ بھی اس کے کنٹرول میں دے دیا۔

ایک دن صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ زیاد بن ابوسفیان، لوگوں میں جمعہ المبارک کا خطبہ دے رہے تھے اور ایک قول کے مطابق انہوں نے خطبہ طویل کر دیا تو حجر بن عدی کھڑا ہو کر کہنے لگا "الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ"، (نماز پڑھاؤ، نماز پڑھاؤ) لیکن زیاد نے خطبہ جاری رکھا تو اس نے اسے پتھر مارا۔ یہ دیکھ کر حجر کے ساتھی بھی کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی پتھر مارے اور یہ حرکت عین اس وقت کی گئی جب وہ منبر پر کھڑا خطبہ دے رہا تھا، زیاد بن ابوسفیان نے حضرت معاویہ کو اس بدتمیزی کی اطلاع دی، تو انہوں نے حجر بن عدی کو اپنے پاس حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا، کیونکہ اس نے فتنہ بھڑکانے کی سعی کی تھی۔^[2] اور شاید حضرت معاویہ نے سوچا کہ سرے سے فتنہ کی جڑ ہی کاٹ دی جائے، اس لیے آپ نے حجر کے قتل کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ سے پوچھا کہ تم نے حجر بن عدی کو کس بنا پر قتل کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: آپ مجھے اور حجر کو چھوڑیے یہاں تک کہ ہم اللہ کے ہاں ملاقات کریں!^[3]

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۲۰۲، ۲۰۱۔

[2] الاصابة: ۱/۳۱۳، سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۶۳-۴۶۶، مکمل تفصیل البدایہ والنہایہ: ۵۲/۸ پر دیکھئے

[3] البدایہ والنہایہ: ۵۵/۸ اور دیکھئے العواصم من القواصم: ۲۲۰۔

اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انہیں اور حجر کو چھوڑیے حتیٰ کہ وہ اللہ کے ہاں اکٹھے پیش ہوں۔

ساتواں شبہ اور اس کا جواب:

قضیہ فدک اور میراث فاطمہؑ۔

(عدالت صحابہ کرام میں شبہات پیش کرنے والے) کہتے ہیں کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ ابو بکر صدیق سے حضرت نبی کریمؐ کے ورثہ سے حصہ مانگنے آئیں۔

اس دلیل سے استدلال کرنے والے بھی شیعہ ہیں اور وہ حضرت فاطمہ کے فدک کی جاگیر طلب کرنے کی توجیہ میں اختلاف کرتے ہیں۔

کچھ شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ فدک کی جاگیر، حضرت فاطمہؑ کے لیے، حضرت رسول کریم ﷺ کا ورثہ تھی اور دیگر شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ یہ بیہ تھی اور حضرت رسول کریم ﷺ نے خیبر کے دن حضرت فاطمہؑ کو بیہ کی تھی۔

پہلے قول کی بنا پر کہ فدک کی جاگیر، حضرت رسول کریم ﷺ کا ورثہ تھی، اس کا تذکرہ صحیح بخاری و مسلم میں اس طرح ہے کہ حضرت رسول کریمؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس، حضرت رسول کریم ﷺ کی فدک اور خیبر والی جاگیر سے وراثت طلب کرنے کے لیے تشریف لے گئیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

میں نے حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

« إِنَّا لَا نُورِثُ، مَا تَرَكَهُ صَدَقَةٌ »^[1] یا « مَا تَرَكَنَا صَدَقَةٌ »^[2] یا

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر، رقم: ۴۹۔

[2] صحیح بخاری کتاب فرض الخمس، رقم: ۳۰۹۳، مسلم کتاب الجہاد والسیر: ۴۹۔

”مَاتَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ“ [1]

”کہ ہم انبیاء کا گروہ ہیں کسی کو ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“
اس معنی کی یہ تین روایات ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو انہی الفاظ میں یہ حدیث سنائی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ:

”إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ“ [2]

”کہ ہم انبیاء کی جماعت ہیں، کسی کو ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا۔“
لیکن صحیحین کی روایت ہے کہ:

”إِنَّا لَا نُورَثُ مَا تَرَ كُنَاهُ صَدَقَةٌ“

”بے شک ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا، ہم جو کچھ ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“
اس پر حضرت فاطمہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ناراض ہو گئیں، یا تو اس خیال سے کہ ابو بکرؓ نے حدیث نبویؐ سمجھنے میں غلطی کی، یا پھر سننے میں غلطی کی۔ جبکہ حضرت فاطمہؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم سے استدلال کیا کہ:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ﴾

[النساء: ۱۱] وغیر ذلک

اہل السنہ اس مسئلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا عذر تلاش نہیں کرتے، بلکہ وہ حضرت فاطمہؓ کا عذر تلاش کرتے ہیں، کیونکہ وہ صاف دیکھ رہے ہیں، کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت نبی کریم ﷺ کی متواتر حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اس حدیث کو حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن

عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور بذات خود حضرت علیؓ نے بھی حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

«إِنَّا لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً»^[1]

”بے شک ہمارا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ نے اس جواب کو قبول نہ کیا تو اہل السنہ کو شش کرتے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہؓ کا عذر تلاش کریں، کیونکہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت فاطمہؓ کے حق میں قصور وار نہیں سمجھتے۔

شیعی مجتہدین کہتے ہیں کہ وہ ابو بکرؓ سے ناراض ہوئیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر ابو بکرؓ صدیقؓ پر اللہ راضی ہو گیا، تو انہیں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی نقصان نہیں دے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

[فتح: ۱۸]

اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اس دن حضرت رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے اول نمبر پر تھے۔ لہذا جس شخص سے اللہ راضی ہو گیا اور اس کا رسول بھی راضی ہو گیا تو اسے کسی ناراض ہونے والے کی ناراضی کچھ نقصان نہ دے گی۔

(خیر یہ تو چند معروضی گزارشات تھیں) لیکن ہم تفصیل کے ساتھ اس دلیل کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ وہ جاگیر حضرت نبی کریم ﷺ کا ورثہ تھی، تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا:

«إِنَّا لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً» اس کا معنی یہ ہے کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ

[1] صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس رقم ۳۰۹۴، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر،

صدقہ ہے۔ اسی بنا پر صحیح مسلم کے بعض طرق میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "مَا تَرَكْنَا، فَهُوَ صَدَقَةٌ" کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

شیعہ مجتہدین اس حدیث کی معنوی تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ" میں لفظ "ما" نافیہ ہے، یعنی ہم نے صدقہ نہیں چھوڑا۔

جبکہ اہل السنۃ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ ما موصولہ ہے اور صحیحین کی صحیح روایت میں بھی یوں ہی ہے کہ "مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ" رفع کے ساتھ ہے اور "مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ" کے الفاظ والی روایت بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

مزید برآں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں، جو حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿قَهْبُ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَيَرْثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ [مریم: ۶۰]

"کہ مجھے اپنی جناب سے وارث نصیب فرما جو میرا بھی وارث ہو، اور آل یعقوب کا بھی، اور اے اللہ! اسے برگزیدہ بنا۔"

ان کا استدلال یہ ہے کہ یہاں اللہ نے وراثت ثابت کی ہے، اور حضرت سلیمان کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ [نمل: ۱۶]

"اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔"

ان دونوں آیتوں کی تفسیر مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی آیت یعنی فرمان الہی ﴿يَرْثُنِي وَيَرْثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی نیک آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے فقط مال کا وارث بنانے کی خاطر، لڑکا طلب کرے، تو ہم کیسے مان لیں کہ حضرت زکریا جیسا کریم النفس نبی، اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد مانگے جو فقط اس کی دولت کی وارث ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سفید پوش درویش پیغمبر تھے اور پیشہ کے اعتبار سے بوہی تھے۔ ان کے پاس کتنا مال تھا جس کا وہ اللہ تعالیٰ سے وارث طلب کرنے لگے تھے؟! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، مال جمع نہیں کرتے، اور جو کچھ وہ کماتے ہیں اسے نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿يَرْثِي وَيُورِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (کہ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی) کے سیاق پر غور کیا جائے کہ آل یعقوب کے اشخاص کتنے ہوں گے؟!

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام آل یعقوب میں کس نمبر پر ہیں؟ آل یعقوب میں حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ شامل ہیں اور بذات خود حضرت زکریا علیہ السلام بھی! بلکہ بنو اسرائیل کے تمام انبیاء آل یعقوب ہیں، اور یعقوب علیہ السلام ہی اسرائیل ہیں۔

یہ تو ان کی بات ہوئی جو آل یعقوب سے نبی ہوئی۔ اگر انبیاء کے علاوہ یعقوب کی دیگر اولاد کو بھی حصہ دیا جائے تو حضرت یحییٰ کو کیا ملے گا؟ اور وہ قریبی وراثت کی وجہ سے محبوب الارث بھی ہوں گے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فرمان الہی ﴿يَرْثِي وَيُورِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ کے الفاظ ہی اس شخص کا رد کر رہے ہیں جو فقط مال کی وراثت مراد لے رہا ہے، بلکہ زکریا علیہ السلام نے تو حضرت یعقوب کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ بھی نبی تھے اور زکریا بھی نبی ہیں، لہذا انہوں نے چاہا کہ وہ بیثانوت، علم اور حکمت کا وارث بنے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:
 «إِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ» یا آپ کا فرمان کہ «إِنَّا لَا نُورَثُ مَا
 تَرَكَنَا صَدَقَةً»

”کہ ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں کسی کو ہمارے ترکہ کا وارث نہیں ٹھہرایا جاتا،
 ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔“

اس کی وضاحت صحیح بخاری کی معلق حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ
 نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَ إِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ»^[1]
 ”کہ انبیاء کرام درہم و دینار کے وارث نہیں بناتے (یا چھوڑتے) بلکہ وہ تو
 صرف علم کے وارث چھوڑتے ہیں۔“

باقی رہی دوسری آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ تو اس میں بھی حضرت سلیمان
 ؑ حضرت داؤد کے مال کے وارث نہیں ہوئے تھے، بلکہ آپ نبوت، حکمت اور علم کے
 وارث ہوئے تھے، اور ہماری اس تاویل کی دو وجوہات ہیں۔

ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی سوییاں اور تین
 صد لونٹیاں تھیں اور ان سے بہت سی اولاد تھی، تو اکیلے حضرت سلیمان کس طرح ان
 کے وارث بن سکتے تھے؟ بلکہ حضرت سلیمان کے دوسرے بھائی بھی ان کے وارث
 ہوں گے، لہذا صرف حضرت سلیمان کو ان کے مال کا وارث سمجھنا درست نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس سے مالی یا مادی وراثت مراد ہوتی تو کتاب اللہ میں
 اس کے خصوصی ذکر کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ بات ہر خاص و عام کو معلوم ہے

[1] صحیح بخاری کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، ابو داؤد کتاب العلم باب
 الحث علی طلب العلم ۳۶۴۱ و اسنادہ صحیح۔

کہ فطرتی طور پر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے، اس صورت میں تو ﴿وَوَرِّثْ سُلَيْمَانَ دَاوُدَ﴾ کا فرمان تحصیل حاصل ہے (بنابریں معلوم ہوا) کہ بلاشبہ یہاں اللہ تعالیٰ نے دوسری چیز کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے، اور وہ ہے وراثت نبوت، لہذا ان کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں کہ (رشتہ داروں کو) انبیائے کرام کا وارث بنانا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ کسی کو ان کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ فدک کی جاگیر حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہدیہ اور ہبہ تھی اور آپ نے وہ جاگیر حضرت فاطمہ کو خیر والے دن عطا کی تھی اور وہ اپنی کتابوں میں یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد ﴿وَاَتِ ذَاقُورُبِّي حَقَّهُ﴾ (کہ قرابت داروں کو ان کا حق دیں) کے نازل ہونے پر، حضرت فاطمہ کو بلایا اور انہیں فدک کی جاگیر عطا کی۔^[1]

لہذا ہم تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ من گھڑت افسانہ ہے، کیونکہ نہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور نہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو فدک کی جاگیر عطا کی، بلکہ صحیح اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابو بکرؓ سے فدک کی جاگیر کا مطالبہ ہبہ کی بنا پر نہیں بلکہ ورثہ کے اعتبار سے کیا تھا۔ (اور خیبر، ۷ ہجری کے شروع میں فتح ہوا تھا۔) وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خیبر پر فتح عطا کی تو اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ ﴿وَاَتِ ذَاقُورُبِّي حَقَّهُ﴾ نازل فرمائی، تو آپ نے فاطمہ کو بلایا اور اسے فدک کی جاگیر عطا فرمائی (لہذا ہم مندرجہ بالا افسانے کے مصنفین کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ) حضرت بشیر بن سعدؓ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو اپنا باغ ہبہ کیا اور میں آپ کو گواہ بنانا

[1] تفسیر صافی ۱۸۶/۳

چاہتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: ”کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اتنا کچھ دیا ہے؟ اس نے کہا: ”نہیں، تو آپ نے فرمایا: ”جا چلا جا، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔“^[1]

آپ نے اس بات کو ظلم ٹھہرایا کہ کوئی آدمی اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دے (سوچنے کی بات یہ ہے) کہ حضرت نبی کریم تو ظلم پر گواہ نہ بنے، تو وہ یہی ظلم خود کس طرح کر سکتے تھے، بلکہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کو پاک اور معصوم سمجھتے ہیں۔

ان مجتہدین کو اصرار ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد حضرت فاطمہ کو فدک کی جاگیر عطا کی۔ اور خیبر بے کھ کو فتح ہوا تھا۔ اور اس وقت آپ کی دوسری بیٹیاں، حضرت زینب، اور حضرت ام کلثوم بھی زندہ تھیں کیونکہ حضرت زینب ۸ھ میں^[2] اور حضرت ام کلثوم ۹ھ^[3] میں فوت ہوئیں، تو آپ ان دونوں کو نظر انداز کر کے صرف حضرت فاطمہ کو کس طرح ہبہ کر سکتے تھے؟! صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔ یہ تو حضرت نبی کریم ﷺ پر بہتان ہے کیونکہ اس مکذوبہ روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی اولاد کے درمیان فرق کرتے تھے۔ جبکہ آپ تو ظلم پر گواہ بننے پر راضی نہ ہوئے تھے، تو خود کس طرح ظلم کر سکتے تھے؟!

لہذا دونوں اقوال ساقط الاعتبار ٹھہرے، اور ثابت ہوا کہ وہ جاگیر نہ تو ہبہ تھی اور نہ ورثہ، اس مسئلے میں ایک قابل غور عجیب بات ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ اگر ہم فرض کر لیں کہ فدک کی جاگیر ورثہ کی صورت میں یا ہبہ کی صورت حضرت فاطمہؓ کی تھی تو وہ ان کی ملک میں داخل ہوئی اور سیدہ فاطمہ الزہراءؓ آنحضرت ﷺ کے سانچہ ارتحال کے چھ ماہ بعد فوت ہو گئیں، تو فدک کی جاگیر کن کی ملک میں گئی؟ ظاہر ہے کہ

[1] مسلم۔ کتاب الہبات، رقم ۱۴۔ [2] سیر اعلام النبلاء ۲/۲۵۰، الاصابہ ۴/۲۰۶۔

[3] سیر اعلام النبلاء ۲/۲۵۲، الاصابہ ۴/۶۶۔

وہ وراثت کی ملک میں چلی گئی، تو اس صورت میں حضرت علی المرتضیٰ کا چوتھا حصہ بنا کیونکہ فرعی وارث موجود ہیں۔ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ﴾ کے تحت باقی حصے سیدین حسنین کریمین اور زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم کو ملیں گے اور جب حضرت علیؑ خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنی اولاد کو فدک سے حصہ نہ دیا، اگر فدک کی جاکیر، حقداروں کو نہ دینے کی وجہ سے خاتم بدہن حضرت ابوبکرؓ ظالم تھے اور حضرت عمرؓ بھی ظالم تھے اور حضرت عثمانؓ بھی ظالم تھے تو اس طرح حضرت علیؑ بھی ظالم ثابت ہوئے (نحوذ باللہ) اور ہم (بجملہ اللہ) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؑ کو ظلم سے پاک سمجھتے ہیں۔ لہذا فدک کی جاکیر نہ تو حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف سے ورثہ تھی اور نہ ہی بہرہ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ الزہراءؑ کو فدک کی جاکیر نہ ملی تو وہ ناراض ہو گئیں اور اپنے باپ کی قبر کی طرف شکوہ لے کر گئیں!

یہ سفید جھوٹ ہے! بلکہ یہ بات حضرت سیدہ فاطمہؑ کے شایان شان بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے مقدس نبی یعقوب علیہ السلام کی پریشانی کے وقت کی فریاد کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [یوسف: ۸۶] ”میں اپنی پریشانی (بے بسی) اور غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں۔“

تو حضرت فاطمہؑ کو کس طرح یہ زیب دیتا تھا کہ وہ اپنے دکھ اور غم کا شکوہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ان کی دفات کے بعد لے جائیں، بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی شان بہت بلند ہے اور وہ اپنے دکھ اور غم کا شکوہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں کر سکتیں۔

اور ان کا یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ الزہراءؑ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں اور ناراضی کی حالت میں فوت ہوئیں، اور مشہور بھی ایسے ہی ہے، ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ وہ ناراض ہوئیں، لیکن ہم اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قصور نہیں سمجھیں گے، بلکہ

حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا عذر تلاش کریں گے کیونکہ ان کی ناراضی بلاوجہ تھی۔
اور یہ بھی مشہور ہے کہ حضور ابو بکر صدیقؓ نے انہیں راضی کر لیا تھا جیسا کہ بہت سے اہل علم نے حضرت امام شعبیؒ سے صحیح سند کے ساتھ مرسل روایت کیا ہے۔^[1] اور امام شعبیؒ کبار تابعین میں سے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جاننے والا ہے۔

اور اسی طرح یہ بھی مشہور ہے، کہ انہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا تھا، تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیوی انہیں غسل دے اور ابو بکرؓ کو ان کی موت کا پتہ نہ ہو؟ اور صحیح بات یہ ہے کہ انہیں رات کو دفن کیا گیا اور حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع نہ دی گئی۔

اسی طرح شیعہ کا قول ہے کہ ان کی قبر نامعلوم ہے، یہ جھوٹ ہے کیونکہ ان کی قبر جنت البقیع میں ہے۔

علاوہ ازیں شیعہ کے نزدیک عورت، عقار (جاگیر) کی وارث نہیں بن سکتی، بالفرض اگر فدک کی جاگیر، وراثت بھی ہوتی تو (شیعہ کے مطابق) حضرت فاطمہؓ کو اس سے کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ عقار (زمین) تھی۔^[2]

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ آٹھواں شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اچانک تھی، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں یہ درست ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ کی بیعت کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اچانک ہوئی تھی لیکن ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم صحیح بخاری سے حضرت عمرؓ کا قول پورے سیاق و سباق سے پیش

[1] فتح الباری ۶/۲۳۳۔ [2] الفروع من الکافی ۷/۱۲۹ نمبر ۸، ۹، ۱۰، ۱۱۔

کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ بات پہنچی کہ لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر عمرؓ فوت ہو گئے تو میں فلاں آدمی کی بیعت کروں گا اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت اچانک ہوئی تھی۔

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ: ”اللہ کی قسم اگر عمرؓ فوت ہو گیا تو میں فلاں آدمی کی بیعت کر لوں گا (خبردار!)، تم میں سے کوئی یہ کہہ کر کسی فریب میں مبتلا نہ ہو کہ ابو بکرؓ کی بیعت اچانک ہوئی اور برقرار رہی، یہ ٹھیک ہے کہ وہ اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے فساد سے بچا لیا اور تم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سی عظمت اور فضیلت والا آدمی موجود نہیں کہ اس کی طرف گردنیں اٹھتی ہوں!

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ انصار کے قبیلے بنو ساعدہ کے سقیفہ میں جانے کا واقعہ بیان کیا اور اس میں یہ بات بھی بیان کی کہ: میں نے اپنے ذہن میں ایک بات کو بنایا اور سنوارا، میں چاہتا تھا کہ ابو بکر صدیقؓ کے سامنے کھڑا ہو کر اسے بیان کروں اور اس کے ذریعے لوگوں کے جوش کی تیزی کو قدرے ٹھنڈا کروں، لیکن جب میں نے کھڑے ہو کر بات کرنا چاہی تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”خاموش رہیے اور آرام سے بیٹھئے، تو میں نے ناپسند سمجھا کہ انہیں ناراض کروں۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو کی اور وہ مجھ سے بڑھ کر حلیم اور بردبار اور ذی وقار تھے، اللہ کی قسم انہوں نے فی البدیہہ وہی باتیں یا ان سے اچھی باتیں کر دیں جو میں نے اس موقع کے لیے خوب بنائی سنواریں یعنی ذہن نشین کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپؓ نے قبائل انصار کے لوگوں سے فرمایا:

یہ جو تم نے اپنی نیکیاں اور خوبیاں بیان کی ہیں۔ (ہم مانتے ہیں کہ واقعی یہ نیکیاں

تم نے کیوں اور تم میں ان کی اہلیت بھی ہے۔) لیکن منصب امارت قریش کے قبیلے کے سوا متعارف و مقبول نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ نسب اور گھرانے کے اعتبار سے عربوں میں ممتاز ہیں، لہذا میں پسند کرتا ہوں کہ ان دو آدمیوں (حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ) میں سے کسی ایک کی بیعت کر لو، یہ کہہ کر انہوں نے بیٹھے بیٹھے میرا اور ابو عبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اس عمل کے علاوہ ان کی اور کوئی بات بری نہ لگی۔

اللہ کی قسم! مجھے آگے بڑھا کر بغیر کسی گناہ کے میری گردن ماردی جائے تو یہ عمل مجھے اس کام سے زیادہ محبوب تھا کہ میں اس قوم پر امیر مقرر کیا جاؤں جس میں حضرت ابوبکرؓ جیسا انسان موجود ہو، حتیٰ کہ آوازیں بلند ہو گئیں..... آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہاں موجود لوگوں میں ہمیں ایسا کوئی آدمی نظر نہ آیا جس کی بیعت ابوبکرؓ کی بیعت سے مضبوط تر ہو اور ہم ڈر گئے کہ اگر ہم بیعت کیے بغیر جدا ہو گئے تو وہ ہمارے بعد کسی کی بیعت کر لیں گے، اس کے بعد یا تو ہمیں باہر مجبوری بیعت کرنی پڑے گی، یا ہم اس کی مخالفت کریں گے، اور اس صورت میں فساد رونما ہوگا۔

تو جس شخص نے مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کی بیعت کی، تو نہ بیعت کرنے والے کی مافی جائے گی اور نہ بیعت کیے جانے والے کی، کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بیعت کرنے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل نہ کر دیں۔^[1]

یہ ہے بیعت کا واقعہ، اور یہ درست ہے کہ یہ اچانک ہوئی تھی، لیکن اس کا پورا واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کے ضمن میں بیان کیا ہے لہذا یہ حضرت عمر فاروقؓ پر طعن نہیں ہے۔ [رضی اللہ عنہ]

نواں شبہ اور اس کا جواب:

انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت نبی

[1] صحیح بخاری - کتاب الحدود - باب ما رجم العبدی من الزنی اذا احصنت، رقم: 6830،

کریم ﷺ کی رحلت کا وقت قریب آیا، تو اس وقت آپ کے گھر میں حضرت عمرؓ سمیت کچھ لوگ موجود تھے، آپ نے فرمایا: کوئی چیز لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ پر تکلیف غالب ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے، ہمیں کتاب اللہ کافی ہے اور گمراہ والے جھگڑنے لگے اور اختلاف کرنے لگے کچھ لوگ کہنے لگے کہ کوئی چیز قریب لاؤ، تاکہ اللہ کے رسول ہمیں تحریر لکھ دیں، تاکہ اس کے بعد ہم گمراہ نہ ہوں، اور کچھ لوگ حضرت عمرؓ کی موافقت کرنے لگے، جب اللہ کے رسول کے پاس اختلاف اور ادھر ادھر کی باتیں زیادہ ہونے لگیں تو آپ نے فرمایا:

”قَوْمُوا“ (کہ اٹھ جاؤ)

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔^[1]

اس حدیث کی وجہ سے اصحاب رسول پر ان کے چند اعتراضات ہیں۔

ایک تو وہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول، (نعوذ باللہ) اول فول باتیں کر رہے ہیں۔^[2]

یہ حضرت عمرؓ پر افتراء اور جھوٹا بہتان ہے انہوں نے ہر گز یوں نہ فرمایا کہ آپ اول فول باتیں کر رہے ہیں بلکہ صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی صحیح روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ“

”کہ اللہ کے رسول پر تکلیف غالب ہے۔“

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت حضرت نبی کریم ﷺ مرض الموت کی

[1] صحیح بخاری کتاب العلم رقم، باب كتابة العلم: ۱۱۴، صحیح مسلم کتاب الوصیة، رقم: ۲۲۔

[2] فاسئلوا اهل الذکر ص ۱۴۴، ص ۱۷۹، (تجانی شیع نے یہ جھوٹا امام بخاری پر تھوپا ہے۔)

تکلیف میں تھے، جیسے کہ سیدہ عائشہ طاہرہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ جب آپ غشی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر افاقہ کی حالت پر آئے، تو پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ آپ کے انتظار میں ہیں، اے اللہ کے رسول! تو گمراہ والے آپ کے پاس وضو کا پانی لے کر آئے، آپ نے اس سے غسل کیا، پھر جب نماز کی طرف جانے کے لیے اٹھے تو غشی کی وجہ سے گر پڑے (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) جب افاقہ ہوا تو فرمایا:

”کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟“

انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے پیارے رسول وہ آپ کے انتظار میں ہیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس پانی لاؤ، وہ پانی لائے تو آپ نے غسل کیا پھر آپ نماز کی طرف جانے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو آپ گر پڑے (صلوة اللہ وسلامہ، آپ پر میرے ماں باپ قربان!)

جب تیسری مرتبہ گرنے اور پھر سکون میں آئے تو فرمایا: ”کیا لوگوں نے نماز پڑھا لی ہے؟ انہوں نے کہا: وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ابو بکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔^[1]

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو شدید تکلیف کی حالت میں دیکھا تو دل گرفتہ اور غمگین ہو گئے اور کہا:

اے اللہ کے پیارے رسول! آپ کو کتنا شدید بخار ہے!

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، رقم: ۶۸۷، صحیح مسلم۔ کتاب الصلوۃ: رقم: ۹۰۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے دو آدمیوں کی طرح بخار ہوتا ہے۔
عبداللہ بن مسعود نے کہا: یہ اس لیے ہے، کہ آپ کو دو ہرا جرم ملتا ہے؟
آپ نے فرمایا: ہاں۔“ [1]

لہذا حضرت نبی کریم ﷺ شدید بخار میں تھے، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تو آپ پر ترس کھا گئے اور فرمایا کہ آپ پر تکلیف غالب ہے، لہذا مزید تکلیف نہ دو، آپ کو آرام و سکون میں آ لینے دو، پھر آپ لکھ دیں گے (یہ تھی حضرت عمر کی مراد) آپ فرما رہے ہیں، کہ اللہ کے رسول (اس وقت) تکلیف میں ہیں، ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدہ: ۳]

اور اللہ کے رسول فرما چکے ہیں کہ:

«وَاللّٰهُ مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُفَرِّئُكُمْ إِلَى اللَّهِ وَالْحَنَّةِ إِلَّا وَقَدْ أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا أَمَرَكُمُ اللَّهُ بِهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِّمَّا نَهَاكُمُ اللَّهُ عَنْهُ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ» [ابن حزمہ]

”کہ اللہ کی قسم میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی، جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور جنت کے قریب کرتی ہو، مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں، اور میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور جنت کے قریب کرتی، مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتا چکا ہوں، اور میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، مگر میں تمہیں اس کا حکم دے چکا ہوں اور میں نے ایسی

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المرض، باب اشد الناس بلاء الانبياء، رقم: ۵۶۴۸، صحیح مسلم،

کتاب البر والصلة: ۴۵۰۔ [2] سلسلة الصحيحه ۴/۱۷، ضمن حديث رقم ۱۸۰۳۔

کوئی چیز نہیں چھوڑی جس سے اللہ نے منع کیا ہے مگر میں تمہیں اس سے منع کر چکا ہوں۔“

لہذا دین کی کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی جسے اللہ کے رسول نے بیان نہ کیا ہو۔
تو اللہ کے مقدس رسول ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے؟ اس کے متعلق مسند امام احمدؒ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت پڑھیے:

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کے پاس تھے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک طبق (لکھنے کے لیے کوئی چیز چوڑی ہڈی وغیرہ) لاؤں جس میں آپ وہ چیزیں لکھ دیں جسے آپ کی امت آپ کے بعد بھلا نہ بیٹھے۔
حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ میرے کتاب لانے سے پہلے آپ کی جان نہ چلی جائے، اس لیے میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں خوب یاد رکھوں گا (آپ فرمائیں)

آپ نے فرمایا: «أَوْصِيكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»
”کہ میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی (تاکید کرتا ہوں)۔“ [1]

تو اصلاً کتاب لانے کا کسے حکم دیا تھا؟ حضرت علیؓ کو۔

اگر وہ کہیں کہ صحابہ نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور کتاب نہ لائے تو ہم کہیں گے پھر (نعوذ باللہ) حضرت علیؓ نے پہلے نافرمانی کی، کیونکہ انہیں براہ راست حضرت نبی کریمؐ کی طرف سے کتاب لانے کا حکم تھا، تو وہ کیوں نہ لائے؟ اور جب ہم اس بنا پر تمام صحابہ رسول کو ملامت کریں گے تو حضرت علیؓ بھی ملامت کی زد میں آئیں گے۔
حالانکہ (مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے) کسی پر بھی طعن و ملامت نہیں ہے۔

① پہلی بات تو یہ کہ حضرت علی المرتضیٰؑ مذکورہ بالا حدیث میں بذات خود فرما رہے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ اس دوران کہیں آپ کی جان نہ چلی جائے، تو میں نے کہا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَحْفَظُ وَاعِي“

”اے اللہ کے رسول میں یاد رکھوں گا اور ذہن نشیں کر لوں گا۔“

تو آپ نے فرمایا:

”أَوْصِيَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“

”میں تمہیں نماز، زکوٰۃ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں!“

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے وہ آپ نے بول کر سنا دیا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ آپ لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو آپ پر واجب تھا، یا مستحب۔ اگر وہ کہیں کہ واجب تھا تو پھر یہ ان امور میں سے تھا جن کی تبلیغ واجب تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) آپ نے مکمل شریعت کی تبلیغ نہیں کی، تو یہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی طعن ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾

”کہ میں نے آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔“

اور اگر وہ کہیں کہ وہ مستحب تھا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہم سب کا قول ہے۔

③ تیسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ کا آپ کو قلم دوات نہ لا دینا، نافرمانی کے قبیل سے نہیں بلکہ شفقت کی وجہ سے تھا۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حج تمتع اور عورتوں سے متعہ کرنے سے روکا، جبہ یہ دونوں مشروع ہیں، تو حضرت عمر کس طرح، اس عمل کو حرام قرار دے سکتے

تھے، جسے اللہ نے حلال کیا ہے؟!

۱۔ حج تمتع:

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں، کہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے حج تمتع سے روک کر غلطی کی تھی تو پھر کیا ہوا؟ ہم حضرت عمرؓ کی عصمت کا دعویٰ تو نہیں کرتے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ بھی باقی صحابہ کی طرح غلطی کر سکتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم فرض کر لیں کہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ حضرت صہبیؓ بن معبد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھا ہے تو انہوں نے فرمایا:

«هُدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ»^[1]

”تجھے اپنے نبی کی سنت کی راہنمائی نصیب ہوئی۔“

یہ ہیں سیدنا عمر فاروقؓ جو یہ سمجھتے ہیں کہ حج تمتع سنت ہے بلکہ انہوں نے اس آدمی کی تعریف کی اور اسے منع نہیں کیا اور فرمایا: «هُدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ» کہ تجھے اپنے نبی کی سنت کی راہنمائی نصیب ہوئی۔“

حضرت سالم بن عبد اللہؓ اپنے باپ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ان سے حج تمتع کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ جب انہیں کہا گیا کہ تم اپنے باپ کی مخالفت کرتے ہو تو انہوں نے فرمایا:

میرے باپ نے تمہاری طرح نہیں کہا، بلکہ انہوں نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ عمرے کو حج سے جدا کرو (یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ بغیر قربانی کے کھل نہیں ہوتا، اور ان کا ارادہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت جاری رہے) لیکن تم

[1] سنن نسائی۔ کتاب الحج۔ باب القرآن، رقم: ۲۷۱۹ و سندہ صحیح۔

نے اسے حرام ٹھہرا لیا اور اس پر سزا دینا شروع کر دی۔ حالانکہ اسے اللہ عزوجل نے حلال کیا ہے اور رسول اللہ نے اس پر عمل کیا ہے۔ جب انہوں نے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا تو انہوں نے فرمایا:

«أَفَكِتَابُ اللَّهِ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ عُمَرُ»^[1]

”کیا کتاب اللہ پیروی کی زیادہ مستحق ہے یا عمر کا فرمان؟“

حضرت عمرؓ کا مقصد کیا تھا؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ سال کے کسی دن میں بھی بیت اللہ، عمرہ کرنے والوں سے خالی نہ رہے کیونکہ لوگ جب حج کے لیے نکلتے تو وہ ساتھ ہی عمرہ کا احرام باندھ لیتے، اس کے بعد بیت اللہ کی طرف نہ آتے، حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ وہ اکیلا حج (حج مفرد) کریں پھر مستقل سفر کر کے عمرہ کے لیے بیت اللہ کی طرف آتے رہیں، تاکہ بیت اللہ، لوگوں سے خالی نہ رہے۔

الغرض حضرت عمرؓ کا روکنا نہی تحریمی نہیں تھا، بلکہ ان کی رائے اور خیال تھا اور انہوں نے اس عمل کو افضل سمجھا اور اس بنا پر، ان پر عیب نہیں دھرا جاسکتا، بلکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ انہوں نے جب حبیب بن عبد کو حج تمتع کرتے ہوئے پایا تو فرمایا:

«هُدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ» ”تجھے نبی کی سنت کی ہدایت ملی۔“

۲۔ متعة النساء (یعنی عورتوں سے متعہ):

اس کی ممانعت حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے سنا کہ عبد اللہ بن عباسؓ عورتوں سے متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں تو انہوں نے ان سے کہا کہ تو خود سرا دہی ہے۔

«إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَرَّمَ الْمُتْعَةَ وَالْحُومَ

الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ» [1]

”حضرت رسول کریم ﷺ نے خیبر والے دن گھریلو گدھوں کا گوشت اور عورتوں سے متعہ حرام قرار دیا تھا۔“

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ حدیث شیعہ کی معتمد کتابوں میں بھی موجود ہے۔ [2]

اسی طرح صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ والے سال متعہ النساء کو حرام کر دیا تھا، اسی طرح صحیح مسلم میں سبرہ الجعفی سے مروی ہے کہ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ الْمُتْعَةَ» [3]

حضرت عمرؓ نے بھی متعہ النساء سے روکا تو اچھا کام کیا۔ حیرت ہے کہ یہ ان علم ان کی عدالت پر طعن کا سبب کیسے بن گیا؟ انہوں نے اسی چیز سے روکا جس سے حضرت نبی کریم ﷺ نے روکا ہے بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ نے بھی روکا ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ [المؤمنون ۵-۶]

”کہ وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں

اور ملک یمین سے، کیونکہ وہ ان کے معاملے میں طعن و ملامت سے مبرا ہیں،

پس جو کوئی اس کے علاوہ جھک مارے گا وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔“

گویا اس آیت میں اللہ نے (متعہ کرنے والوں) کا نام عادیین (جھک مارنے والے یا آوارہ گرد) رکھا ہے۔

[1] صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، باب نہی رسول اللہ عن نکاح المتعہ برقم: ۵۱۱۵، مسلم

کتاب النکاح برقم: ۲۹۰۔ [2] وسائل الشیعہ ۱۲/۲۱۔

[3] صحیح مسلم۔ کتاب النکاح، رقم: ۲۰۰ نیز صحیح مسلم، کتاب نکاح المتعہ میں مختلف صحابہ کرام سے حد کی حرمت اور اس سے ممانعت کی بہت سی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

شیعہ حضرات جوازِ متعہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال فاسد کرتے ہیں:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ. وَاحِلٌ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ [النساء: ۲۴]

اس آیت سے ان کا استدلال ایک قرأت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ قَرِيبَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ﴾ سے ہے۔

کہ جن کے ساتھ تم نے ایک مقرر مدت تک متعہ کیا ہے، ان کو ان کی اجرت دو فرض جان کر اور فریضہ کی ادائیگی کے بعد باہمی رضا مندی سے تم جو کچھ کرو، اس معاملے میں تم پر گناہ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلے تو اس قرأت کے اضافی لفظ (إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى) متواتر نہیں ہیں اور نہ ہی یہ ساتوں قرأتوں سے ہے اور نہ ہی یہ عشرہ قرأتوں سے ہے، بلکہ یہ شاذ قرأت ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَفْوَاجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی اس مذکورہ حدیث سے بھی منسوخ ہے جو حضرت علیؓ، حضرت سبرہ الجعفی اور حضرت سلمہ بن اکوع وغیرہم صحابہ سے مروی ہے۔

گیارہواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اِيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلَاكُمْ
وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسْرَا النَّبِيَّ اِلَىٰ بَعْضِ اَزْوَاجِهِ حَدِيْثًا
فَلَمَّا نَبَاَتْ بِهٖ وَاظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضُهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ
فَلَمَّا نَبَاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاكَ هٰذَا قَالَ نَبَاَنِی الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ
تَوْبًا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمْ ۝ [التحریم: ۱-۴]

کہ اس آیت میں صَغَتْ کا معنی ہے ”مَالَتْ اِلَى الْکُفْرِ“ کہ وہ کفر کی طرف
مائل ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی آیات ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ کی
بیویوں، حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ عبید بن عمیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ بیان
کرتے ہوئے سنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنی پھوپھی زاد بیوی زینب بنت جحشؓ کے
پاس ٹھہرتے اور اس کے ہاں شہد نوش فرماتے، میں نے اور حفصہؓ نے باہمی مشاورت
سے منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس آپ تشریف لائیں تو وہ آپ سے یہ
کہے کہ: مجھے آپ سے مغایر کی بو آ رہی ہے، کیا آپ نے مغایر تو نہیں کھایا؟

چنانچہ آپ ہم دونوں میں سے کسی کے پاس گئے تو اس نے آپ سے وہ بات کہہ
دی، تو آپ نے فرمایا، ایسی کوئی بات نہیں، میں نے تو زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے اور
میں دوبارہ نہ پیوں گا، تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ﴾
”کہ اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں، جو اللہ نے آپ کے لیے حلال
کی؟ تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟“

حضرت نبی کریم ﷺ نے شہد نہ پینے کی بات حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے کی تھی، اور
اسے یہ بھی کہا تھا کہ کسی کو نہ بتانا، لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ کو بتا دیا، کہ وہ اپنے

منصوبے میں کامیاب ہو گئی ہے، اور حضرت رسول کریم ﷺ شہد پینے سے رک گئے ہیں اور یہ کہ آپ دوبارہ (وہاں سے) شہد نہ پیئیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾^[1]

کہ جب نبی نے اپنی کسی بیوی کو راز کی بات کہی۔

﴿فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ
فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا قَالَ نَبَايَ الْعَلِيمِ الْخَبِيرُ إِنَّ تَعَوُّبًا
إِلَى اللَّهِ﴾

”جب اس نے وہ بات نبی کو بتائی اور اللہ نے ان پر اصل حقیقت ظاہر کر دی تو نبی نے کسی سے اس کو آگاہ کیا اور کسی سے اعراض کیا۔ پھر جب اس نے (اپنی بیوی کو) ان کے منصوبے کی کہانی سنائی تو وہ کہنے لگی آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے علم اور خبر رکھنے والی ذات نے بتائی، اگر تم دونوں تو بہ کر لو (یعنی اس عمل سے جو بیویوں کے درمیان غیرت وغیرہ کی بنا ہوتا ہے)

﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾

کیونکہ (اس کام کے کرنے سے) تم دونوں کے دل (حق سے) مائل ہو گئے ہیں۔
(کیونکہ وہ کام غلط تھا۔)

اور (مَالَتْ) کا معنی (كَفَرَتْ) نہیں ہے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ تو حضرت نبی کریم کی بیویاں ہیں اور امہات المؤمنین ہیں اور انہی کے متعلق اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو طلاق نہ دیں اور نہ ان کی جگہ کسی کو لائیں اور نہ ہی ان کے بعد کسی عورت سے شادی کریں۔^[2] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دے دی۔

[1] بخاری۔ کتاب الطلاق۔ باب لم تحرم ما احل الله لك، رقم: ۵۲۶۷۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ الرِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا﴾ [احزاب: ۵۲]

مقصد یہ ہے کہ اس طرح کا میلان طبعی امر ہے جو غیرت کے موقعہ پر عورتوں کے درمیان رونما ہو جاتا ہے، بلکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بیویوں کے دو گروپ تھے۔

ایک گروپ میں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ تھیں۔ اور دوسرے گروپ میں حضرت ام سلمہؓ اور دیگر ازواج مطہرات، رضوان اللہ علیہن اجمعین۔

اور مسلمانوں کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی محبت کا بخوبی علم تھا۔ لہذا جب ان میں سے کسی کے پاس ہدیہ ہوتا اور وہ اسے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو اسے مؤخر رکھتا، جب آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر ہوتے تو وہ آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔

حضرت ام سلمہؓ کے گروپ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ تم حضرت نبی کریم ﷺ سے بات کرو کہ وہ لوگوں سے کہیں، کہ ان میں سے جو کوئی آپؐ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہے، تو وہ اپنا ہدیہ اسی گھر میں بھیج دیا کرے جہاں آپ تشریف رکھتے ہوں، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے گروپ کی ازواج مطہرات کا پیغام پہنچایا تو آپؐ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا اور جب دیگر ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپؐ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ ام سلمہؓ کی باری والے دن حضرت نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے دوبارہ اپنے گروپ کی ازواج مطہرات کا پیغام پہنچایا تو آپؐ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے دوبارہ رپوٹ مانگی تو حضرت ام سلمہؓ نے بتایا کہ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ان کی طرف سے کوئی جواب ملنے تک اس سلسلے میں ضرور گفتگو کرتے رہنا۔ چنانچہ جب آپؐ حضرت ام سلمہؓ کی باری والے دن، ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے اس سلسلے میں گفتگو کی، تو آپؐ نے

انہیں جواب دیا۔

تو مجھے عائشہ کے بارے میں ایذا نہ دے، کیونکہ میرے پاس اس وقت وحی نہیں آتی جب میں اپنی کسی بیوی کے کپڑے میں ہوں سوائے عائشہ کے۔
حضرت ام سلمہؓ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایذا پہنچانے سے توبہ کرتی ہوں۔

اس کے بعد ام سلمہؓ کے گروپ نے حضرت فاطمہ الزہراءؓ کو بلایا اور انہیں یہ کہنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، کہ آپ کی بیویاں سیدہ عائشہ بنت ابوبکرؓ کے ساتھ برتاؤ میں آپ سے انصاف کی درخواست کرتی ہیں! چنانچہ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ نے اس سلسلے میں آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا:

اے میری پیاری بیٹی کیا تم اسے پسند نہیں کرتیں جسے میں پسند کرتا ہوں؟
انہوں نے فرمایا: ”جی ہاں اے ابا جان!

تو آپ نے فرمایا پھر اس سے محبت کرو (یعنی عائشہ سے) ^[۱]

چنانچہ وہ ان کی طرف واپس گئیں اور انہیں رپورٹ پیش کی تو انہوں نے کہا: اب پھر آپ کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، لیکن حضرت فاطمہ نے انکار کر دیا، چنانچہ انہوں نے حضرت زینب بنت جحش کو حضرت رسول کریم ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ اس نے آتے ہی آپ ﷺ سے سخت لہجے میں بات کی اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! آپ کی بیویاں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر ابو قحافہ کی بیٹی (عائشہ) کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انصاف کی درخواست کرتی ہیں (راوی) کہتے ہیں کہ ان کی آواز بلند ہو گئی اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو بھی جو حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، کو سنا شروع کر دیا۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ وہ بولتی ہیں

[۱] یہ الفاظ مسلم میں ہیں صحیح بخاری میں نہیں۔

یا نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے کانٹے دار جواب دے کر حضرت زینب کو خاموش کرادیا، تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔“ [1]

مقصد یہ ہے کہ امہات المؤمنین باہم ستین تھیں اور سوتلوں کے درمیان اکثر تو ہتکار ہوتی رہتی ہے، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں، حضرت حصہ اور عائشہ نے غلطی کی لیکن انہوں نے اپنے اس فعل کے ذریعے اللہ سے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔

بارہواں شبہ اور اس کا جواب:

وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے خاندان میں شامل کر کے زیاد بن ابوسفیان قرار دیا حالانکہ وہ عبید ثقفی کا بیٹا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ وہ عبید ثقفی کا بیٹا نہیں تھا، بلکہ وہ زیاد بن ابیہ کے علاوہ کسی اور نسبت سے مشہور بھی نہ تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ سمیہ نامی لونڈی سے ناجائز تعلق کے ذریعے پیدا ہوا تھا (اس کا ناجائز تعلق کے ذریعے پیدا ہونا اسے کچھ نقصان دہ نہ تھا کیونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا) جاہلیت میں سمیہ کے پاس مختلف آدمی آئے تھے ان میں حضرت معاویہ کا والد ابوسفیان بھی تھا۔

(اور اس کا یہ عمل اسے عیب دار نہیں کرتا کیونکہ یہ ناجائز تعلق ان کے دور اسلام میں نہیں ہوا تھا، بلکہ جاہلیت میں ہوا تھا، اس دور میں وہ مشرک تھے لہذا وہ تعلق، اس کے شرک سے سبک تر تھا) اور زیاد، حضرت علیؓ کی طرف سے (بصرہ کا) گورنر تھا اور بڑا فصیح اللسان مقرر اور خطیب تھا۔

حضرت معاویہ کو ان کے باپ ابوسفیان نے بتا دیا تھا کہ زیاد اس کا صلیبی بیٹا ہے

[1] صحیح بخاری کتاب الہیۃ، باب من اھدی الی صاحبہ، رقم: ۲۵۸۱، مسلم کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ۸۳۔

اور ناجائز طریقے سے سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور کسی نے زیاد پر دعویٰ بھی نہ کیا تھا اور سمیہ لوٹری کا خاوند بھی کوئی نہ تھا۔ اگر اس کا خاوند ہوتا تو ہم کہتے:

«الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»

”بچہ مالک یا خاوند کا ہے اور زانی کے لیے پتھر۔“

لیکن اس کا کوئی خاوند نہ تھا بلکہ وہ کسی کی لوٹری تھی اور ابوسفیان نے (دور جاہلیت میں) اس سے شب باشی کی تھی، جس کی بنا پر اس کے ہاں زیاد پیدا ہوا، جسے حضرت معاویہ نے اپنے خاندان میں شامل کر لیا اور اس استلحاق پر تنقید کرنے والوں نے اس بنا پر حضرت معاویہ پر اعتراض کیا کہ آیا وارث کے لیے کسی کو اپنے خاندان میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

لیکن یہ ایک اجتہادی اور فقہی مسئلہ ہے، لہذا حضرت معاویہؓ پر اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں دھرا جاسکتا، اگرچہ بعض اہل علم نے ان کے اس اقدام کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اجتہادی مسئلہ ہی ہے۔ اسپنا پر امام مالک بن انس وغیرہ ائمہ دین، زیاد کو زیاد بن ابوسفیان کہتے تھے۔ یہ ہے اس اقدام کا پس منظر، جس کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وارضاه کو قصور وار قرار دیا گیا۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ کون؟

شیعہ صاحبان کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ بلا فصل بھی وہی تھے اور وہ اس سلسلے میں بعض ایسے دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو اہل السنۃ کی کتابوں میں مذکور ہیں خواہ وہ بخاری اور مسلم کی مؤلفات میں ہیں یا سنن اور مسانید کے مؤلفین کی کتابوں میں، چنانچہ ہم ان میں سے صحیح اور اہم دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر ہم وضاحت کریں گے کہ وہ کس حد تک ان کے مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ مبالغہ آمیز تعریف سے بے نیاز ہیں، آپؓ حضرت رسول کریم ﷺ کے داماد ہیں اور ان کی افضل اور جنتی عورتوں کی سردار بیٹی کے شوہر ہیں۔ مزید برآں وہ حضرت رسول کریم کے چچازاد اور خلفاء راشدین میں سے چوتھے نمبر پر ہیں۔ آپؓ کے فضائل بہت زیادہ ہیں لیکن تنازعہ آپ کے فضائل کے متعلق نہیں کیونکہ وہ تو مسلمہ ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آپ کے فضائل اس بات دلالت کرتے ہیں کہ آپ اپنے پیشرو خلفاء سے پہلے خلافت کے حقدار تھے؟

حضرت علیؓ کی اولیت کے متعلق شیعہ کے دلائل

۱۔ حدیث غدیر سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم:

شیعہ کے ہاں یہ حدیث اہم دلائل میں شمار کی جاتی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے اس

حدیث کے بارے میں گیارہ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس کا نام ”کتاب الغدير“ ہے

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے، کہ حضرت رسول کریم ﷺ ہمیں مکہ اور مدینہ کے درمیان، خم نامی تالاب کے پاس خطبہ دے رہے تھے، جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بزرگی بیان کی اور وعظ و نصیحت کی، اس کے بعد فرمایا:

لوگو! میں بشر ہوں، ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا فرستادہ (ملک الموت) آجائے اور میں اس کی بات قبول کر لوں، لہذا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔

”أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ“

”ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے مضبوطی سے تھام لو۔“

چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر عمل کرنے اور اسے حرز جان بنانے کی ترغیب دی اس کے بعد فرمایا:

”وَأَهْلُ بَيْتِي أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي“

”کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔“ یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی۔“

راوی حدیث حصین نے (حضرت زید بن ارقم سے) پوچھا: اے زید! آپ کے

اہل بیت کون ہیں؟

کیا آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

”ہاں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔“

اس نے کہا:

”وہ کون ہیں؟“

آپ نے فرمایا:

”وہ ہیں آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس۔“

اس نے پوچھا:

”کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟“

انہوں نے فرمایا: ”ہاں۔“^[1]

اور مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً ترمذی^[2] احمد^[3] نسائی (کی خصائص)^[4]

اور حاکم^[5] وغیرہم میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ كُنْتُ

مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ“ کہ جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے۔ علاوہ ازیں

دیگر اضافے بھی ہیں مثلاً (اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ وَ انْصُرْ مَنْ

نَصَرَهُ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ وَ اْدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَانَ

”اے اللہ تو اس کا والی بن، جو اسے اپنا والی بنائے اور اس کے ساتھ دشمنی رکھ جو

اس کے ساتھ دشمنی رکھے اور اس کی نصرت فرما، جو اس کی نصرت کرے اور اسے بے یار و

مددگار چھوڑ، جو اسے بے یار و مددگار چھوڑے اور جدھر وہ جائے حق کو ادھر پھیر دے۔“

علاوہ ازیں دیگر اضافے بھی ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

[1] صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ۳۶۔

[2] ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب علیؑ، رقم: ۳۷۱۳۔

[3] مسند احمد: ۳۴۷/۵۔ [4] خصائص علی: ص: ۹۶، نمبر: ۷۹۔

[5] مستدرک: ۱۱۰/۳۔

مقصد یہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں

«مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ»

کے الفاظ نہیں ہیں البتہ ترمذی، احمد، نسائی اور حاکم وغیرہ میں (مذکورہ بالا الفاظ) حضرت نبی کریم ﷺ سے صحیح اسناد سے مروی ہیں۔ اور دیگر اضافے مثلاً یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ»

کو بھی بعض اہل علم نے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح تحقیق کے مطابق یہ الفاظ آپ سے ثابت نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ اضافہ کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

«اللَّهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ وَادِرُ الْحَقِّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ»

تو یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے نام پر جھوٹ بیان ہوا ہے۔^[1]

(بہر حال) شیعہ صاحبان اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ (بلافصل) ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے قول: «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ»

کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ، خلیفہ ہیں اور مولیٰ کا معنی والی ہے یعنی وہ سردار جس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ یہ ہے ان کے استدلال کا پہلو۔

حدیث انہی الفاظ کے ساتھ حضرت علیؑ سے بھی مروی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے کعبہ کے حجبہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ غدیر خم والے دن کن کن صحابہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے میرے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ»^[2] چنانچہ بارہ بدری صحابہ کرامؓ نے مذکورہ بالا حدیث کے سننے کی شہادت دی۔ لہذا

[2] مسند احمد ۱/ ۸۴، ۱۰۲.

[1] دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، رقم: ۱۷۵.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

پہلے ہم حضرت علیؑ کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کا سبب بیان کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) کی تعداد کے لگ بھگ لوگوں کو (جحفہ کے شدید گرم علاقہ میں) خم کے حوض کے قریب جہاں حجاج کرام کے اپنے اپنے وطنوں کو طرف واپس لوٹتے ہیں، اس لیے جمع کیا تاکہ آپ انہیں آگاہ کریں کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے، علاوہ ازیں وہ دیگر ایسی چیزوں کا اضافہ بھی کرتے ہیں، جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور اس حدیث کے دو اسباب ہیں:

پہلا سبب یہ ہے جیسے کہ حضرت برید بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب کو حضرت خالد بن ولید کے پاس (یعن میں مال غنیمت سے) خمس^[۱] لینے کے لیے بھیجا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ سے بغض رکھتا تھا اور انہوں نے (خمس سے حاصل ہونے والی لوٹری سے خلوت کے بعد) غسل کیا، تو میں نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: تم اس کی طرف دیکھتے نہیں ہو؟!

جب ہم حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور یہ قصہ آپ کے سامنے بیان کیا۔ تو حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا: اے بریدہ کیا تم علیؑ سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

اس سے بغض نہ رکھو کیونکہ اس کا خمس میں اس سے زیادہ حق ہے۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔^[۲]

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بریدہ سے فرمایا:

[۱] حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت خالد کو یمن میں غزوہ کے لیے بھیجا تھا، جب انہوں نے فتح حاصل کر لی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ آپ کسی آدمی کو بھیج کر مال غنیمت سے خمس منگوائیں۔

[۲] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی و خالد الی الیہ، رقم: ۴۳۵۰۔

«مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ» [1]

دوسرا سبب یہ ہے جیسے کہ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمیں صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے سے روک دیا اور ایک شخص کو ہم پر امیر مقرر کر کے خود حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف چل دیے، ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ صدقہ کے اونٹوں والا قافلہ آپ سے مل گیا۔ آپ نے انہیں دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کے نائب نے قافلہ والوں کو اونٹوں پر حوار ہونے کی اجازت دے رکھی تھی اور اونٹوں پر سواری کرنے کے نشانات بھی نظر آرہے تھے، تو آپ غصے ہوئے اور اپنے نائب کو ڈانٹ پلائی۔

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے حضرت رسول کریم ﷺ کے سامنے حضرت علیؓ کی سختی کا شکوہ کیا..... اور ایک روایت میں ہے کہ وہ حلقے (کپڑوں کے جوڑے) تھے اور حضرت علیؓ نے انہیں پہننے سے منع کر دیا تھا تو حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اے سعد بن مالک (ابوسعید) اپنے بھائی علیؓ کے متعلق اس طرح کی بات نہ کیجئے! اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ اس نے اللہ کی راہ میں بہتر کیا ہے۔

اس روایت کے متعلق، امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ نسائی کی شرط پر اس کی سند جید ہے اور اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت علیؓ نے (بین کے فاتح) لشکر کو صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے سے روکا تھا اور اپنے نائب کی طرف سے ان کو دیئے گئے حلقے (کپڑوں کے سوٹ) واپس لے لیے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق قیل وقال زیادہ ہو گیا، تو (واللہ اعلم) جب حضرت رسول کریم ﷺ مناسک حج ادا کر کے لوٹتے ہوئے مدینہ کی راہ پر غدر غم کے مقام پر پہنچے، تو آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حضرت علیؓ کی صفائی بیان کی اور ان کی قدرو منزلت سے لوگوں کو آگاہ کیا، تاکہ ان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی کدورت زائل ہو جائے۔ [2]

[1] ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب علی، رقم: ۳۷۱۲۔ [2] البدایہ والنہایہ: ۹۵/۵۔

یہ ہے سبب حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمان ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ“
باقی ایک بات وضاحت طلب ہے کہ حضرت علیؑ کے متعلق لوگوں کی چہ میگوئیاں آپ ﷺ
کے علم میں تھیں لیکن آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ، یا عرفہ کے دن اس
موضوع پر بات نہیں کی اور اپنی مدینہ واپسی تک اس بات کو مؤخر رکھا، کس لیے؟
اس لیے کہ یہ معاملہ مدینہ والوں کے ساتھ خاص تھا کیونکہ جن لوگوں نے حضرت
علیؑ کے متعلق قیل وقال کیا تھا وہ مدینہ کے لوگ تھے اور یہی لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ
غزوے پر گئے تھے۔

اور غدیر خم جُحْفَہ میں ہے اور یہ مکہ سے تقریباً دو صد پچاس کلومیٹر دور ہے، جو
شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حاجیوں کے اپنے اپنے وطنوں کی طرف لوٹتے ہوئے جدا ہونے
کی جگہ ہے وہ جھوٹا ہے، اس لیے کہ حاجیوں کے جمع ہونے کی جگہ مکہ ہے اور ایک
دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے وطنوں کی طرف لوٹنے کی جگہ بھی مکہ ہے اور لوٹنے کی
جگہ مکہ سے دو سو پچاس کلومیٹر دور نہیں ہو سکتی، کیونکہ مکہ المکرمہ والے مکہ میں ٹھہر
جاتے ہیں اور طائف والے طائف کی طرف اور یمن والے یمن کی طرف اور عراق
والے عراق کی طرف وہیں سے لوٹ جاتے ہیں، اس طرح جو کوئی انسان اپنا حج مکمل
کر لیتا ہے وہ مکہ سے اپنے وطن کو لوٹ جاتا ہے، اور عرب قبائل بھی یہیں سے ہی
اپنے اپنے مقامات کی طرف چلے جاتے ہیں، لہذا (غدیر خم میں) حضرت رسول کریم
ﷺ کے ساتھ، مدینہ یا مدینہ کے راستے والوں کے سوا اور کوئی نہ تھا اور انہی لوگوں کو آپ
نے اپنے خطبہ میں یہ بات کہی کہ ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ“

بہر حال شیعہ اور اہل السنۃ کے درمیان اختلاف اس بات پر ہے کہ شیعہ کہتے ہیں
اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا میں والی ہوں اس کا علی بھی والی ہے اور اہل السنۃ کہتے
ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو میں محبوب اور پیارا ہوں اس کو علی بھی محبوب اور

پیارا ہے۔ اور مولیٰ کا معنی مَوَالَاۃ ہے یعنی نصرت اور محبت اور اس کا عکس مُعَادَاۃ ہے یعنی دشمنی اور اس (مفہوم کے چند دلائل) یہ ہیں۔

۱۔ ایک تودہ اضافی جملہ جسے بعض اہل علم نے صحیح قرار دیا ہے۔ کہ «اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ مَوَالَاۃً وَ عَادِ مَنْ عَادَاۃً» اس میں ذکر کردہ الفاظ (مَوَالَاۃ اور مُعَادَاۃ)، (فَعَلِیُّ مَوَالَاۃ) کی شرح ہیں۔ یعنی یہ الفاظ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ لوگوں کی محبت کے سلسلے میں ہیں۔

اگرچہ حضرت علی الرضیٰؑ اس خطبہ میں کبھی گئی بات سے بھی زیادہ باتوں کے مستحق تھے لیکن نبی کریم ﷺ کا یہ خطبہ حضرت علیؑ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپؐ کا یہاں ٹھہرنا آرام کی غرض سے تھا، کیونکہ مکہ سے مدینہ کا سفر طویل تھا۔ اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ اس سفر میں ایک سے زیادہ مرتبہ آرام فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے (اس موقع پر) لوگوں کو کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت کے بارے میں نصیحت کی اور بتایا کہ کتاب اللہ کی پیروی اور اہل بیت کا احترام اور توقیر واجب ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کے متعلق لوگوں کے ناروا تبصروں کو ختم کرنے کی غرض سے ان کی شان بیان کی اور فرمایا: «مَنْ كُنْتُ مَوَالَاۃً فَعَلِیُّ مَوَالَاۃ» کہ جس کو میں محبوب اور پیارا ہوں اسے علیؑ بھی محبوب اور پیارا ہے۔

۳۔ مَوَالَاۃ کا لفظ کس کس معنی پر دلالت کرتا ہے؟

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ مولیٰ کا لفظ، رب، مالک، منعم، ناصر، محب، حلیف، غلام، آزاد کردہ غلام، چچازاد، داماد، پر بولا جاتا ہے۔^[۱] عرب لوگ ان سب پر لفظ مولیٰ بولا کرتے ہیں۔

۴۔ اس حدیث میں امامت کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت نبی کریم ﷺ کا ارادہ خلافت کا ہوتا تو آپؐ وہ لفظ نہ بولتے جو ان تمام معانی کا متحمل ہے، جنہیں ابن الاثیر

نے بیان کیا ہے، بلکہ آپ نے صاف کہہ دینا تھا کہ «عَلِيٌّ خَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي» یاوں فرماتے کہ «عَلِيٌّ الْإِمَامُ مِنْ بَعْدِي» یا فرماتے: «إِذَا أَنَا مِتُّ فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا لِعَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ» وغیرہ لیکن آپ نے اس طرح کا کوئی فیصلہ کن واضح کلمہ نہیں بولا جو (اس حدیث کے نام پر صدیوں بعد برپا ہونے والے) اختلاف کو ختم کر دیتا بلکہ آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»^[۱]
 ۵۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَّا وَآكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾

[الجديد: ۱۵]

”کہ تمہارا ٹھکانا آگ ہے وہی (آگ) تمہارا مولیٰ ہے اور بڑا بُرا ٹھکانا ہے۔“
 اللہ نے آگ کو کفار کے ساتھ ملی رہنے اور ان سے چھٹے رہنے کی وجہ سے ان کا مولیٰ قرار دیا۔

۶۔ حضرت علی المرتضیٰؑ کے لیے ”موالاة“ کا وصف آپ کی زندگی اور وفات اور حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت علیؑ حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی مومنین کے مولیٰ تھے اور آپ کی وفات کے بعد بھی ان کے مولیٰ ہیں اور وہ اب بھی ہمارے مولیٰ ہیں، اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔
 ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ [المائدہ: ۵۵]

”کہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔“

اور حضرت علیؑ ایمان لانے والوں کی پہلی فہرست میں ہیں۔

۷۔ اگر حضرت نبی کریم ﷺ کی مراد، (حضرت علیؑ کی خلافت یا امامت ہوتی) تو آپ مولیٰ نہ کہتے بلکہ والی کہتے کیونکہ مولیٰ کا لفظ والی سے مختلف ہے۔ جبکہ والی، وَلَايَةُ (واو کے کسرہ کے ساتھ) سے ہے اور اس سے مراد حکومت ہے اور مولیٰ، وَلَايَةُ (واو کے

[۱] مشہور شیعہ عالم نوری طبری کہتا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے غدیر خم کے دن اپنے بھٹکے ہوئے حضرت علیؑ کے غلیفہ بلا فصل ہونے کی تصریح نہیں کی۔ دیکھئے فصل الخطاب، ص: ۲۰۵-۲۰۶۔

نقہ کے ساتھ) سے ہے اور اس کا معنی محبت اور نصرت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [تحریم: ۴]

”کہ اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے اور جبریل بھی اور نیک مومنین بھی۔“

یعنی محبت، نصرت اور تائید کے اعتبار سے۔

۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ ﴾ [آل عمران: ۱۸]

”کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے سب سے بڑھ کر حقدار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے

اس کی پیروی کی۔“ یہاں اُولیٰ سببہ مراد نہیں ہے کہ ابراہیمؑ کے پیروکار، ابراہیم علیہ

السلام کے امام اور خلیفہ ہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم ہی ان کے امام اور رئیس ہیں۔“

۹۔ امام شافعی مطہری قریشیؒ حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ

﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ﴾ میں مولیٰ سے اسلام کی ولّاء (محبت اور نصرت)

مراد ہے۔ [۱]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ﴾ [محمد: ۱۱]

”اس لیے کہ اللہ تعالیٰ، ایمان لانے والوں کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی

مولیٰ نہیں ہے۔“

(مختصر یہ کہ مذکورہ بالا) حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرت علیؑ حضرت

نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ

المرتضیٰ اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے ہیں اور ان کی موالات (محبت، نصرت، تائید) واجب

ہے۔ (وما توفیق الا باللہ)

۲۔ حدیث الکساء سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

۲۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق بیان کرتی ہیں: [۱]

کہ ایک دن حضرت نبی کریم ﷺ نکلے اور ان پر کھل تھا تو آپ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسینؑ کو اس کے نیچے داخل کر لیا اور پڑھا:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ [احزاب: ۳۳] [۲]

وہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناپاکی (خسب عادات اور قبیح افعال) دور کرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ چیز ہو جاتی ہے، لہذا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے ناپاکی دور کر دی تو وہ معصوم ہو گئے اور جب وہ معصوم ہو گئے تو ان کا دوسروں کی نسبت، خلافت کا اولین مستحق ہونا واجب ٹھہرا۔ اور یہ دعویٰ بہت سی وجوہات کی وجہ سے باطل ہے۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت جس کا نام آیۃ التطہیر رکھا گیا ہے، یہ حضرت رسول کریم ﷺ کی بیویوں کے حق میں نازل ہوئی ہے (دیکھئے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي

[۱] یہ حدیث ان لوگوں کی کذب بیانی اور دروغ گوئی کا پردہ چاک کر رہی ہے، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ، حضرت علیؑ کے فضائل چھپاتے تھے۔ اس حدیث کو اس عائشہ نے روایت کیا جن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسینؑ سے بغض رکھتی تھیں۔

[۲] صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۶۱ مختصرًا.

بَيُوتُكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

[الاحزاب: ۳۲-۳۴]

”اے نبی کی بیویو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم نے تقویٰ اختیار کرنا ہے تو لوچ دار لہجے میں گفتگو نہ کرنا، ورنہ جس شخص کے دل میں کھوٹ ہے وہ (ناجائز) طمع کرے گا اور تم نے بھلائی کی بات کرنا، اور اپنے اپنے گھروں میں ٹھہری رہنا اور پہلی جاہلیت کا سا بناؤ، سنگار نہ کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا، اللہ تعالیٰ تو تم اہل بیت سے دناست دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پوری طرح (میل سے) پاک کرنا چاہتا ہے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے اسے یاد رکھنا بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔“

جو شخص ان آیات کے سیاق و سباق پر غور کرے گا وہ اس بات پر یقین کرے گا کہ یہ آیات خاص طور پر حضرت نبی کریم ﷺ کی ازدواج سے متعلق ہیں۔

اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَكْثَرُ﴾ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عنکم فرمایا ہے عَنْكُمْ نہیں فرمایا اور يُطَهِّرْكُمْ فرمایا ہے۔ يُطَهِّرْكُمْ نہیں فرمایا۔

(مزید برآں) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں میم جمع مذکر کا استعمال بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بیویاں، تطہیر سے خارج ہیں اور حدیث (عائشہؓ) کی دلیل سے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ اس میں داخل ہیں۔

لیکن یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آیت (یعنی فرمان باری تعالیٰ) متصل ہے: ﴿وَقُرْآنَ فِيْ بَيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰٓئِ وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ آتِينَ الزَّكٰوةَ وَ اطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرُكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۱﴾ اس کے متصل بعد فرمایا: ﴿وَأَذْكُرَنَّ مَا يَتْلُوا فِي يَوْمِ تُحْشَرُونَ﴾ ان آیات میں خطاب مکمل طور پر ازواجِ مطہرات سے ہے۔

⑤ دوسری بات یہ ہے کہ نون مؤنث کی بجائے میم جمع اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی ان میں داخل ہیں اور آپ اہل بیت کے سربراہ اور رئیس ہیں۔ اور یہ عربی زبان کا اصول ہے کہ مذکر و مؤنث کے اشتراک پر صیغہ مذکر لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بھی، اسی طرح خطاب فرمایا ہے۔

﴿أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾ [ہود: ۷۳]

”کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے، اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، بے شک وہ تعریف کیا گیا اور سراہا گیا ہے۔“

اس آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے اور حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَلَمَّا قُضِيَ مَوْسَىٰ الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ﴾ [القصص: ۲۹]

”کہ جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی تو اپنے اہل کو لے کر چل پڑے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی تھی (اور اسے ہی اہل کہا گیا ہے)۔ کیونکہ آدمی بھی اہل بیت میں شامل ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ میں عَنْكُم کا لفظ اس لیے ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ بھی اپنی بیویوں میں داخل ہیں۔

جبکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی عنکم کا لفظ ان کے متعلق ہے بلکہ وہ حدیث کساء کی بناء پر اہل بیت

میں داخل ہیں، آیت کی دلیل سے نہیں۔ چنانچہ حدیث کساء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اہل بیت نبی میں داخل ہیں اسی بنا پر آپ نے ان کو کبل میں ڈھانپ کر پڑھا۔ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ اور ان کو اہل بیت میں داخل کر لیا۔

⑤ تیسری بات یہ ہے کہ اہل بیت النبی ﷺ کا معنی ازواج النبی تک پہنچتا ہے اور حضرت علی اور حسن و حسین و فاطمہ رضوان اللہ علیہم سمیت دوسروں تک بھی پہنچتا ہے جیسا کہ زید بن ارقم کی حدیث سے ثابت ہے، کیونکہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں داخل ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں، لیکن آپ کے وہ اہل بیت وہ بھی ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس۔^[1]

اس اعتبار سے اہل بیت النبی کا مفہوم (مذکورہ بالا افراد سے) بھی وسیع ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی بیویاں تو آیت مبارکہ کی رو سے اہل بیت میں داخل ہونیں۔ اور سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ اور ان کے بیٹے سیدنا حسن و حسین حدیث کساء کی رو سے داخل ہوئے۔

اور آل عباس، آل عقیل، آل جعفر، حدیث زید بن ارقم کی وجہ سے۔ اور آل حارث بن عبد المطلب حضرت نبی کریم کے اس قول کی رو سے اہل بیت میں داخل ہوئے کہ

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَبْغِي لِأَهْلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْ سَاخُ النَّاسِ»^[2]

”کہ بے شک صدقہ ال محمد کے لائق نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے۔“

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة رقم: ۳۶۔ [2] مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ رقم: ۱۶۷۔

چارٹ شجرہ بنی ہاشم

چنانچہ یہ سب اہل بیت النبی ہیں، بلکہ تمام بنو ہاشم اہل بیت ہیں اور ان سب پر صدقہ حرام ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دنائت دور کر دی، بلکہ اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے دنائت و خست دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور یہ ارادہ شرعیہ ہے، قدر یہ نہیں ہے اور ارادہ قدریہ، ارادہ شرعیہ سے الگ چیز ہے، اللہ پسند کرتا ہے کہ ان سے دنائت و خست دور کر دے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت علی و فاطمہؑ اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؑ و حسینؑ اور ازواج مطہراتؑ اور آل عقیل، آل جعفر، آل عباس سے دنائت و خست دور کر دی، لیکن پھر بھی اس آیت میں ارادہ شرعیہ ہی مراد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے سادات اربعہ پر اپنا کبیل پھیلایا تو فرمایا:

«اللَّهُمَّ هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، اللَّهُمَّ أَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ» [1]

”کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے دنائت و خست دور کر دے۔“

تو جب اللہ تعالیٰ (آیت مبارکہ کی رو سے) ان سے دنائت و خست لے گیا ہے تو

پھر اس فرمان کا کیا مطلب کہ اے اللہ ان سے دنائت دور کر دے؟!

[1] سنن الترمذی۔ کتاب المناقب باب مناقب اہل بیت النبی، رقم: ۳۷۸۷.

حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا اس بات کی دلیل ہے کہ آیت محولہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ، شرعی ارادہ ہے، قدری نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبينَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيُتَوَبَّ عَلَيْكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُتَوَبَّ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ٢٦-٢٨]

”کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور تمہیں پہلے لوگوں کے طور طریقے کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ تم (خواہشات کی طرف) مکمل طور پر جھک جاؤ اور اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جتنے ارادے ذکر کیے ہیں وہ سب شرعی ہیں، اللہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں پر تخفیف کرے، اللہ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو بخش دے، لیکن کیا اس نے تمام لوگوں کو بخش دیا ہے۔ نہیں کیونکہ قرآن میں ہے

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ لِمَنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ﴾ [التغابن: ٢]

”کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا چنانچہ تم میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ بخشا تو سب کو چاہتا ہے لیکن جنہوں نے کفر کیا انہیں نہیں بخشے گا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر انسان سے میل دور کرنا چاہتا ہے اور ہر ایک مومن سے بھی، اسی لیے تو اللہ کے رسول نے نمازی کو گندی جگہوں سے بچنے کی

ہدایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ [مدثر: ۴] اور اسے وضو اور غسل جنابت کا حکم دیا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ تطہیر فقط حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ﴾ [توبہ: ۱۰۳]
 ”کہ ان کے اموال سے صدقہ وصول کر کے انہیں پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ کیجئے۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ ﴾ [المائدہ: ۶]
 ”لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔“
 سورہ انفال میں فرمایا:

﴿ وَيَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ ﴾ [الانفال: ۱۱]

”اور وہ تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے تاکہ میں پاک کرے اور تم سے شیطان کی پلیدی دور کرے۔“

ساتویں بات یہ ہے کہ دنائت و خست کی دوری اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ سادات کرام، حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علیؑ سے دنائت لے گیا اور آپ مومنوں کے مولیٰ قرار پائے۔ اسی طرح حضرت حسن، حسین اور سیدہ فاطمہؑ سے بھی بلکہ اسی طرح ازواج مطہرات سے بھی دنائت لے گیا، تبھی تو ان کا نام امہات المومنین رکھا اور فرمایا:

”وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“

اور اس طرح مذکورہ بالا آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ تمام، صحابہ کرامؓ سے بھی دناست و خست لے گیا۔^[۱]

۳۔ آیت ولایت سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

اس سے ان کی مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ [المائدہ: ۵۵]

”کہ تمہارا دوست تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ مومن جو نماز قائم

کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔“

انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک عمل روایت کیا ہے، کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور رکوع کی حالت میں تھے، کہ ایک فقیر نے صدقہ، یا زکوٰۃ کا سوال کیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس کی طرف اپنا ہاتھ رکوع کی حالت میں ہی بڑھا دیا، تو اس فقیر نے آپ کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لی۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وہ کہتے ہیں کہ سوائے حضرت علیؓ کے کسی اور نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ نہیں دی، اس لیے وہی ولی ہیں اور وہی خلیفہ ہیں۔

اس آیت سے ان کے استدلال کا جواب کئی طرح سے ہے۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ کی سند صحیح نہیں ہے اور حضرت علیؓ سے یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کہ انہوں نے حالت رکوع میں انگوٹھی صدقہ میں دی ہو، سبحان اللہ! وہ اپنے زعم میں اس سے حضرت علیؓ کی مدح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپؓ کو ان کی مدح

[۱] اس شبہ کا رد پڑھنے کے لیے حضرت تھناء ثاثریہ ص ۱۳۹ کا مطالعہ کیجئے۔

کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کو وہی مدح کافی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول نے فرمائی ہے۔ لیکن وہ مدح کی بجائے قدح کر بیٹھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ [مومنون: ۱-۲]

”کہ ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔“

اور حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ

﴿إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا﴾^[۱] ”کہ نماز میں مشغولیت ہے۔“

تو ہم کس طرح مان لیں کہ حضرت علیؓ جو کہ خاشعین کے اماموں اور ان کے سربراہ و آردہ لوگوں میں سے ہیں، وہ نماز کی حالت میں صدقہ کرتے پھریں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی نماز پوری کر لیتے اور پھر صدقہ کرتے؟ اور بہتر طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان حسب طاقت اپنی نماز میں خشوع کرے اور اس طرح کے کام نماز کے بعد تک مؤخر کرے۔

① دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا، زکوٰۃ مانگنے والے کا انتظار نہ کرے (بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دے۔)

کیا یہ بات افضل ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور پھر انتظار کرے کہ لوگ دروازہ کھٹکھٹائیں تو انہیں اپنے مال کی زکوٰۃ دے؟ یا وہ بغیر کسی کا انتظار کئے خود زکوٰۃ ادا کر دے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرا طریقہ افضل ہے۔

[۱] صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلوٰۃ، باب ما ینهی عن الکلام برقم: ۱۱۹۹، صحیح مسلم۔ کتاب المساجد برقم الحديث: ۳۴۔

آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب ﴿قُومُوا لِلَّهِ قَانِئِينَ﴾ نازل ہوئی اور نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا ممنوع قرار پایا (ترجمہ)

⑤ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی میں نادار تھے، اسی لیے تو آپ کی طرف سے حضرت فاطمہ کو مہر میں صرف ایک درع مل سکی اور مالی صورت میں مہر نہ مل سکا، کیونکہ آپ کے پاس مال نہ تھا اور آپ جیسے نادار پر زکوٰۃ ویسے بھی فرض نہیں ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی میں تو آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

⑥ چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت میں رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینے کا ذکر ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا قابل تعریف ہوتا تو یہ عمل مشروع ہو جاتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں زکوٰۃ دینے والے کی تعریف کرتا ہے تو رکوع کی حالت میں یہ کام سنت قرار پاتا لیکن کسی عالم نے اس کا فتویٰ نہیں دیا۔

⑦ پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اقامت صلوٰۃ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور اقامت، ادائیگی سے منفرد چیز ہے، کیونکہ عبد اللہ بن عباس کے بقول اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے کہ نماز کو اسی طریقے سے ادا کیا جائے جس طرح حضرت رسول کریم ﷺ نے ادا کی ہے۔ یعنی طہارت، رکوع، سجود، خشوع و خضوع، ذکر و قرأت میں درجہ کمال کے ساتھ، یہ ہے اقامت صلوٰۃ۔ اگر (وَهُمْ رَاكِعُونَ) سے مراد رکوع ہوتا تو اقامت صلوٰۃ کے بعد دوبارہ رکوع کی حالت بیان کرنے کا کیا مطلب؟

بلاشبہ مطلب یہ ہوا کہ راکعون سے مراد (خاضعون لِلّٰہِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی) ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت داؤد کے تذکرے میں ہے۔

﴿وَكَانَ دَاوُدُ إِنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ [ص: ۲۴]

”کہ داؤد نے سمجھا کہ ہم نے اسے آزمایا تو اس نے اپنے رب سے معافی

مانگی اور وہ سجدے میں گر پڑا اور (ہماری طرف) متوجہ ہوا۔“

اس آیت میں (رَاكِعًا) سے مراد (سَاجِدًا) ہے۔ اسے (رَاكِعًا) کے لفظ سے

تو اس وجہ سے تعبیر کیا کہ وہ اللہ کے سامنے ذلت کی خاطر جھک گئے۔

اور اسی طرح سورہ مرسلات [۴۸] میں ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ﴾ [المرسلات: ۴۸]

”کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ تو وہ فرمانبرداری نہیں کرتے۔“

اس میں (ارْكَعُوا) سے مراد (اخْضَعُوا) ہے۔

اور اسی طرح سورہ آل عمران [۴۳] میں ہے:

﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ [آل عمران: ۴۳]

”کہ اے مریم اپنے رب کے سامنے جھک جا اور سجدہ کر اور فرمانبردار ہونے والوں کے ساتھ فرمانبردار ہو جا۔“

یہاں (ارْكَعِي) سے مراد (اخْضَعِي) ہے یعنی اللہ کے سامنے اپنا سر خم کر دے۔ حضرت مریم عبادت کی خاطر تمام کاموں سے لاتعلقی تھیں اور اس صنف سے تھیں جن پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ المختصر اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان کے لیے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرنا مستحب ہے۔

① چھٹی بات یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب بنو قریظہ نے حضرت رسول کریم ﷺ سے غداری کی تو پھر وہ حضرت عبادہ بن صامت کی طرف گئے، کہ وہ ان کا ساتھ دیں۔ لیکن انہوں نے اپنے ان سابقہ دوستوں کو چھوڑ دیا اور ان سے عداوت رکھ لی، اور اللہ اس کے رسول کے ساتھی بن گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ [1]

یعنی اس آیت میں (وہم را کعون) سے ان کا حال بیان کیا ہے کہ وہ اپنی تمام حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے چند آیات پہلے بیان فرمایا کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ [المائدہ: ۵۱]

”اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، کیونکہ وہ باہم اکبر دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کا دوست بنا وہ انہی (یہودیوں، عیسائیوں) میں سے ہوگا۔“

اس آیت میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو یہودیوں کا دوست قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ کا یہود بنو قیصاع سے تنازعہ ہوا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے ان حلیف یہودیوں کا ساتھ دیا، اور ان کے ساتھ کھڑا ہو کر حضرت نبی کریم کی خدمت میں ان کا سفارشی بن گیا (اور ڈھٹائی سے ان کی سپورٹ کرنے لگا)، جبکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے لاتعلقی اختیار کر کے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کا دوست بنا وہ انہیں میں سے ہے۔ اور اللہ ظالموں کے ٹولے کو ہدایت نہیں کرتا۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عبادہ بن صامتؓ جیسے مومنین کرام کی خوبی بیان کی کہ

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾

”کہ تمہارا ولی تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اور (عبادہ جیسے) مومنین۔“

لہذا (شان نزول کے اعتبار سے) یہ آیت حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے

میں ہے۔^[۱]

④ ساتویں بات یہ ہے کہ اس طرح کی بات تو ہر کوئی انسان کہہ سکتا ہے، چنانچہ حضرت معاویہؓ کے شیدائی کہیں گے کہ یہ حضرت معاویہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور شیعہ کی طرح وہ بھی کوئی من گھڑت روایت پیش کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے شیدائی آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ آیت حضرت عثمان کی شان میں نازل ہوئی اور وہ بھی کوئی خود ساختہ روایت پیش کر دیں گے۔

⑤ آٹھویں بات یہ ہے کہ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے تو اس سے ان کی خلافت بلا فصل تو ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بات ثابت ہوگی کہ ہم حضرت علیؓ سے محبت رکھیں اور ہم (بجہ اللہ) ان سے محبت رکھتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاه

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُم﴾ میں انما حصر کے لیے ہے لہذا ان سے پیشرو خلفاء کی خلافت باطل ہوگئی۔

ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق نازل نہیں ہوئی، اس کے بعد اگر ہم بالفرض مان لیں کہ ﴿إِنَّمَا﴾ حصر کے لیے ہے اور اس سے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی خلافت باطل ہے تو اسی حصر کی وجہ سے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؓ، حضرت محمد الباقرؓ، و جعفرؓ وغیرہم کی خلافت بھی باطل ہوگی۔

⑥ نویں بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ واحد ہیں اور آیت میں ضمیر (ہُمْ) جمع ہے، اگرچہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ جمع کا صیغہ ذکر کر کے مفرد بھی مراد لیا جاسکتا ہے لیکن اصل قانون یہی ہے کہ مطلق جمع سے مراد بھی جمع لیا جاتا ہے لہذا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ہو، اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔

[۱] دیکھئے تفسیر طبری: ۱۷۸/۶

۴۔ حَدِيثُ الْمَنْزِلَةِ سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

حضرت رسول کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے اور (عورتوں، بچوں، معذوروں کے سوا) کسی کو مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی تو چھ قسم کے لوگ مدینہ میں رہ گئے۔

① معذور صاحبان، مثلاً بوڑھے، اندھے، مریض اور دیگر اپاہج افراد۔

② عورتیں۔

③ بچے۔

④ ایسے خطا کار جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول نے نکلنے کا حکم دیا لیکن وہ

سستی کی وجہ سے نکل نہ سکے اور وہ تھے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ۔

⑤ جنہیں خود نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

⑥ منافقین۔

یہ صرف چھ قسمیں تھیں اور حضرت علیؓ پانچویں قسم میں سے تھے، نبی کریم ﷺ نے

ان کو مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تو منافقین نے باتیں بنانی شروع کر دیں اور کہنے

لگے کہ رسول اللہ نے کسی طرح کی دلی (نفرت کی وجہ سے) علی کو مدینہ میں چھوڑ دیا ہے۔^[1]

جب حضرت علیؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پیچھے چل

دیئے۔ اس وقت آپ مدینہ کے باہر تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ رو

دیئے اور کہا:^[2]

اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ چلے ہیں؟

تو حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں حوصلہ دیا اور فرمایا:

« أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ

[1] مختصر تاریخ ابن عساکر ۳۴۷/۱۷۔ [2] مختصر تاریخ ابن عساکر ۳۴۵/۱۷۔

لَا نَبِيَّ بَعْدِي» [1]

”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو میری طرف سے اسی مقام پر ہو، جو

ہارون کا موسیٰ سے تھا، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”أَلَا تَرْضَىٰ أَنْ نَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ“ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی، آپ کے بعد خلیفہ ہیں کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام میقات پر گئے تھے تو ہارون علیہ السلام ان کے خلیفہ تھے۔ لہذا حضرت علی بھی، حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں۔

اور یہ استدلال چند وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

① پہلی وجہ یہ ہے کہ: حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ کے خلیفہ نہیں بنے تھے۔ بلکہ مشہور ہے کہ وہ، حضرت موسیٰ سے ایک سال قبل وفات پا گئے تھے۔ [2]

② دوسری وجہ یہ ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے لیے گئے، تو ہارون علیہ السلام اس شان سے شہر میں ان کے خلیفہ بنے کہ ان کے ساتھ لشکر بھی تھا اور قوت بھی تھی اور لوگ بھی تھے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر اپنے رب کی ملاقات کے لیے گئے جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ فوج کا کوئی آدمی نہ تھا، صرف وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ لہذا معاملہ مختلف ہو گیا۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ: حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت علی کو اس وجہ سے دلاسا دیا کہ وہ آپ کے پاس شکایت کرنے آئے تھے، اگر وہ نہ آتے تو آنحضرت بھی انہیں یہ بات نہ کہتے، کیونکہ آپ ﷺ ان کو یہ بات کہے بغیر مدینہ سے نکل آئے تھے۔

[1] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علی برقم: ۳۷۰۶، مسلم کتاب فضائل الصحابة نمبر ۳۰ (بغیر تفصیل کے)

[2] طبری: ۳۰۴/۱، البداية والنهاية ۱/۲۹۷، قصص الانبياء، ص: ۲۹۸۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے یہ بات کب ارشاد فرمائی؟

جب حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت رسول کریم سے شکایت کی تھی کہ:

آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ چلے ہیں؟

تو آپ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے، میں نے تمہیں کسی طرح کی ناراضی اور بغض کی وجہ سے پیچھے نہیں چھوڑا، کیا تم نہیں جانتے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی ملاقات کے لیے (چند آدمیوں کو لے کر) نکل گئے اور ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے، تو اسی میں ہارون علیہ السلام کی کوئی تنقیص نہ ہوئی۔ اس طرح جب میں تمہیں مدینہ میں چھوڑ کر جا رہا ہوں تو اس میں تیری تنقیص نہیں ہے۔ اگر حضرت علیؑ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا اور وہی شکوہ کرتا جو حضرت علیؑ نے کیا تھا، تو اسے بھی یہی جواب دینا بعید نہ تھا۔

اور حضرت علیؑ نے اس وجہ سے شکوہ کیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ دیگر گورنروں کو فقط عورتوں اور بچوں کا محافظ نہ بناتے تھے بلکہ انہیں مردوں پر بھی افسر مقرر کرتے تھے اور حضرت نبی کریم ﷺ سارا لشکر لے کر نہیں نکلتے تھے۔ لہذا جب حضرت علی المرتضیٰ نے فقط عورتوں اور بچوں کا نگہبان بننے میں اپنی تنقیص محسوس کی اور منافقین نے باتیں بنانا شروع کیں، تو آپؐ، حضرت نبی کریم ﷺ کے پیچھے نکلے اور ان سے اپنی مدینہ میں موجودگی کا سبب پوچھا، تو آپ نے وضاحت فرمائی، کہ آپ کو پیچھے چھوڑنا کسی طرح کی نفرت کی بنا پر نہیں اور نہ ہی اس طرح کی کوئی بات ہے، جو منافقین نے کہی، بلکہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو اپنی قوم میں چھوڑا تھا، اس طرح میں بھی تمہیں اپنے گھر میں چھوڑ رہا ہوں۔

⑤ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ مؤرخین کی تصریحات کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ میں اپنا

قائم مقام بنایا تھا اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل بیت کا محافظ مقرر کیا تھا۔^[1] (لہذا حضرت علیؓ مدینہ میں آپ کے نائب نہ تھے)

⑤ پانچویں وجہ یہ ہے: اے شیعہ صاحبان! تمہیں یہ بات کس طرح سمجھ آگئی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑنے میں ان کی فضیلت ثابت ہوئی جبکہ تمہارے بقول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنائے بغیر کہیں ٹکنا مناسب نہ تھا اور پھر یہ بھی بیان کرتے ہو کہ جب آپ انہیں اپنا نائب بنا کر گئے تو حضرت علیؓ روتے ہوئے باہر آ گئے۔

کیا تم سمجھ گئے اور حضرت علیؓ نہ سمجھ سکے؟!

اگر اس موقع پر حضرت علیؓ کو حضرت نبی کریمؐ کے یہاں چھوڑنے میں فضیلت ہوتی تو وہ روتے ہوئے باہر نہ نکلتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا خلیفہ بنائے بغیر نہیں نکلتے۔

⑥ چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنا نائب بنایا تھا، جب آپ حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو اس وقت حضرت علیؓ یمن میں تھے اور مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا۔

باقی رہا آپ کا حضرت علیؓ کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینا، تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق، اور عمر فاروقؓ کو حضرت ہارون سے بھی بڑے پیغمبروں سے تشبیہ دی ہے، غزوہ بدر میں جب قیدیوں کا معاملہ درپیش ہوا اور حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کی تجویز پیش کی اور حضرت عمرؓ نے انہیں قتل کر دینے کی رائے دی تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا، تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے

[1] تاریخ طبری ۲/۳۶۸، لیکن انہوں نے کہا ہے کہ سہاب بن عرفۃ مدینہ میں آپ کے نائب تھے۔

[2] البدایہ والنہایۃ ۵/۷۔

کہ انہوں نے اپنی قوم کے متعلق فرمایا:

﴿فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَ مَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [ابراہیم: ۳۶]

”کہ جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی سو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

نیز تمہاری مثال حضرت عیسیٰ کی طرح ہے کہ انہوں نے اپنی امت کے متعلق فرمایا:

﴿إِنْ تَعْلِبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدہ: ۱۱۸]

”کہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔“

پھر آپ نے حضرت عمر فاروق کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا: تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

﴿رَبِّ، لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ [نوح: ۲۶]

”کہ اے اللہ زمین پر کافروں کا کوئی گھرباتی نہ رہنے دے۔“

نیز تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ [یونس: ۸۸]

”کہ اے ہمارے رب ان کے مال مٹا دے اور ان کے دل سخت کر دے اور یہ

دردناک عذاب دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں۔^[۱]

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو سیدنا ابراہیم اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام

[۱] مستد احمد ۱/ ۲۸۳ اس کی سند صحیح ہے۔

کے ساتھ، اور حضرت عمر فاروق کو سیدنا نوح اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی، اور یہ پیغمبر اولوالعزم میں سے ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد تمام انسانوں سے بہتر ہیں اور حضرت ہارون سے بدرجہا افضل ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین مقصد یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کا حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دینا، اس تشبیہ سے افضل و اعلیٰ نہیں جو آپؐ نے حضرت ابو بکر اور عمرؓ کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور نوح علیہم السلام سے دی ہے۔

۵۔ آیت ذَوِی الْقُرْبٰی سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی﴾

”کہہ دیجئے کہ میں تم سے اجرت کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ قرابت کی وجہ سے مجھ سے صلہ رحمی برتو۔“

وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اپنے قرابت داروں سے محبت و دوستی کا حکم دیا ہے۔ اور کچھ شیعہ صاحبان نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت آل محمد کے قرابت داروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جبکہ یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی﴾ [الشوری: ۲۳] کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے (جلدی سے) کہہ دیا کہ ”مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے دوستی (کر کے مجھ سے محبت) کا ثبوت دو۔“^[۱]

[۱] احادیث کی نے اپنی کتاب ”لَبَّادًا أَخْبَرْتُ مَذْهَبَ الشَّيْعَةِ“ میں اس حدیث کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے اور ابن

جبیر کے کلام کو ابن عباس کی طرف منسوب کر دیا ہے دیکھئے ص: ۸۴۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے میری طرف رخ کر کے فرمایا تو نے جلد بازی کی، اللہ کی قسم قریش کے جتنے بھی قبائل ہیں ان میں محمد ﷺ کی قرابت داری ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کا معنی یہ بتایا کہ:

مگر یہ کہ تم میرے اور اپنے درمیان قرابت داری کی بنا پر مجھ سے صلہ رحمی برتو^[۱] مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اس مفہوم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان دلالت کر رہا ہے کہ

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ [الأنفال: ۴۱]

”اور جان لو کہ تم نے جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور قرابت داروں کے لیے پانچواں حصہ ہے۔“
اس میں لَذِي الْقُرْبَىٰ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، فی الْقُرْبَىٰ نہیں فرمایا۔ اور سورہ ص میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیغمبر کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴾ [ص: ۸۶]

”کہ کہہ دیجئے میں اس (دعوت دین) پر تم سے اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔“

اور سورہ یوسف میں ارشاد فرمایا:

﴿ مَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴾ [یوسف: ۱۰۴]

”کہ آپ اس (دعوت الہی) پر ان سے اجرت کا سوال نہیں کرتے، بلکہ یہ تو فقط جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔“

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے تو کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا، تو یہ کس طرح دعویٰ

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب المودة فی القربی، رقم: ۴۸۱۸۔

کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ (اپنی امت سے) کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے ایک اجرت کا سوال کرتا ہوں، کہ تم میرے قربت داروں سے مودت کرو؟! (الختصر یہ کہ) حضرت رسول کریم ﷺ نے کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا اور نہ اللہ کریم کے فرستادہ پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں سے کبھی اجرت طلب کی۔^[1] (جب، حقیقت یہ ہے) تو حضرت رسول کریم جو کہ تمام انبیاء کرام سے افضل اور معزز ہیں، وہ اس بات سے کوسوں دور ہیں کہ لوگوں سے اجرت کا سوال کریں آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کا صحیح ترین مصداق ہیں کہ:

﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾

نیز ﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾

نیز ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾

[الفرقان: ۵۷]

لہذا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ میں کلمہ **إِلَّا** یا تو استثنا متصل یعنی (سوی) کے معنی کے لیے ہے، یا استثنا منقطع کے لیے ہے، یعنی لیکن کے معنی میں۔ البتہ مذکورہ بالا آیات کی رو سے صحیح بات یہی ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع یعنی لیکن کے معنی میں ہے کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے کبھی اجرت کا سوال نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ کا مفہوم یہ ہے، کہ لیکن میری قربت داری کا پاس کر کے مجھ سے محبت کرو، میں تمہارا قریبی رشتہ دار ہوں، تم مجھے لوگوں کو دعوت دینے دو۔

اور حضرت رسول مقبول ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے قریش سے کہا کہ آپ

[1] الشعراء ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱

لوگ مجھے لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف دعوت دینے دیں، اگر میں کامیاب ہو گیا تو اس میں تمہاری اپنی عزت ہے، اگر لوگ مجھے قتل کر دیں تو میرے خون سے بری الذمہ ہو گے۔

الغرض حضرت نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی لوگوں سے اپنے قرابت داروں کے ساتھ مودت کا سوال نہیں کیا، اگر آپ نے اپنے قرابت داروں کے لیے اجرت کا سوال کرنا ہوتا تو آپ لَذَى الْقُرْبَى يَا لَذَى الْقُرْبَى فرماتے کیونکہ فِي الْقُرْبَى سے وہ معنی نہیں نکلتا۔

شیخ الاسلام امام ابو العباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں جہاں کہیں حضرت نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں یا انسان کے رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کا ذکر آیا ہے، وہاں ذَوِی الْقُرْبَى آیا ہے۔ فِي الْقُرْبَى نہیں آیا۔^[1]

۶۔ حدیث ثقلین سے غلط استدلال اور اس کا صحیح مفہوم

« تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا كِتَابُ اللَّهِ وَ عِرَّتِي »^[2]

”کہ میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم انہیں تھام رکھو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور میری عترت۔“

وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ مومن پر واجب ہے کہ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی عترت کا دامن نہ چھوڑے، اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب ان کا دامن

[1] منهاج السنة ۱۰۱/۷۔

[2] سنن ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب اہل البیت، رقم: ۳۷۸۶، اس روایت کی سند میں زید انصاری ہے، اس حدیث کے ایک سے زائد طرق ہیں لیکن کوئی بھی کلام سے خالی نہیں بلکہ اس کی تمام اسناد کے متون میں بھی اختلاف ہے۔

تھامنا واجب ہے تو حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد وہ اس منصب (امارت) کے حقدار ٹھہرے اور وہی آپ کے بعد خلفاء ہیں۔

اس استدلال کے باطل ہونے کی بھی کئی وجوہات ہیں:

① پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے اور حضرت رسول کریم ﷺ سے ثابت ہونے میں بھی کلام ہے، صحیح مسلم میں تو کتاب اللہ کو تھامنے اور اہل بیت کا احترام کرنے کا حکم ثابت ہے، جس طرح کہ صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت زید بن ارقم کی حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے کتاب اللہ کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا:

”وَأَهْلُ بَيْتِي أَذْكُرُكُمُ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي أَذْكُرُكُمُ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي“

یعنی آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے معاملے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔“

چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کو تھامنے کا حکم دیا۔ اور اہل بیت کے متعلق آپ نے یہ حکم دیا کہ ان کی پاسداری کی جائے اور ان کے وہ حقوق ادا کیے جائیں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

”قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَالًا تَضِلُّوْا اِنْ اَعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللَّهِ“^[1]

”کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں، کہ اگر تم اسے تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب۔“

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الحج، رقم: ۱۷۴۔

⑤ دوسری وجہ: حضرت رسول ہیں کون؟ آدمی کے گھرانے کے لوگ ہی اس کی عترت ہوتے ہیں اور عترت رسول ﷺ سے وہ تمام افراد مراد ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے اور وہ ہیں بنو ہاشم۔ یہی عترت رسول ﷺ ہیں اور ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ سب لوگوں سے بڑھ کر ان کا احترام کرنے اور ان کا دامن تھامنے والا کون ہیں؟ اہل السنہ یا شیعہ؟

شیعہ کے ہاں حضرت رسول کریم ﷺ تک اسناد کا اہتمام نہیں ہے۔ اور وہ خود بھی اس حقیقت کے اقراری ہیں کہ ان کے پاس ان کی کتابوں کے مندرجات اور مرویات کی اسناد نہیں ہیں، بلکہ ان کے پاس محض کتابیں ہیں۔ جو انہیں (اپنے بڑوں سے) ملیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو بیان کرو کیونکہ وہ برحق ہیں۔^[1]

باقی رہا ان کی اسانید کا معاملہ، تو خزّ العالی جیسے شیعہ مجتہدین کہتے ہیں کہ بنیادی طور پر شیعہ کے پاس اسانید نہیں اور نہ ہی اسانید پر ان کا دار و مدار ہے۔^[2]

جب ان کے پاس ان کی کتابوں کی مرویات کی اسناد ہی موجود نہیں تو پھر وہ عترۃ النبی ﷺ کے متعلق اپنی مرویات کس طرح ثابت کریں گے؟ جبکہ حقیقت میں ہم اہل السنۃ ہی عترۃ النبی کی اتباع کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں ان کا پورا حق دیا ہے، نہ ہم نے اسے بڑھایا نہ گھٹایا، جیسا کہ حضرت رسول کریم ﷺ فرما گئے ہیں:

[17] کلینی نے محمد بن حسن سے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو جعفر ثانی سے کہا کہ ”میں آپ پر قربان ہو جاؤں! ہمارے مشائخ نے ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہم السلام سے روایت بیان کی ہیں اور اس وقت تقیہ شدید تھا، لہذا انہوں نے اپنی کتابیں چھپائیں اور وہ ان سے روایت نہ کی جاسکیں، جب وہ فوت ہو گئے تو کتابیں ہمیں مل گئیں تو انہوں نے کہا: انہیں بیان کرو وہ حق ہیں۔ الکافی ۱/۵۳۔“

[2] دیکھئے اس کی کتاب خامۃ الوسائل، اس میں وہ لکھتا ہے (فائدہ نمبر 9) کہ شیعہ کے پاس اسانید نہیں کہ ان کے ذریعے مرویات کو پرکھا جائے اور اسانید کا اہتمام، نیا قضیہ ہے۔

”لَا تَطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ وَلَكِنْ قُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ“^[1]

”کہ مجھے یوں نہ بڑھانا جیسے نصرا نیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، بلکہ تم کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“

⑤ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب عمرۃ کے امام ہیں اور ان کے بعد علم کی رو سے اس امت کے حرم حضرت عبد اللہ بن عباس ہاشمی ہیں، اور آپ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ کی خلافت کو حضرت علیؓ کی خلافت سے مقدم مانتے ہیں بلکہ حضرت علیؓ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ خود فرماتے تھے کہ:

”أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ“^[2]

”کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد، حضرت ابو بکر اور عمر، تمام لوگوں سے افضل ہیں۔“

بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

”أَنَا لَكُمْ وَزِيرٌ خَيْرٌ مِنْ أَمِيرٍ“^[3]

”میں تمہارا وزیر بہتر ہے اس سے کہ تمہارا امیر بنوں۔“

چنانچہ حضرت علیؓ بذات خود شیخین کی فضیلت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ آپ عمرۃ کے امام ہیں۔

⑥ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث بھی حضرت رسول کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث کی طرح ہے۔

[1] صحیح بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء۔ باب قول اللہ ”وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ“ ۳۴۴۵۔

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی لو كنت متخذاً خليلاً لمرقم: ۳۶۷۱۔

[3] نهج البلاغة ص: ۹۵ خطبہ نمبر: ۹۲۔

”تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّتِي“^[1]

”کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھام لو تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي عَضُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ“^[2]

”کہ تم پر میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اسے ڈاڑھوں سے (یعنی مضبوطی سے) پکڑ لو۔“

چنانچہ آپ نے اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت کو ڈاڑھوں سے چبا کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:

”اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ“^[3]

”کہ میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرو۔“

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

”اِهْتَدُوا بِهَذِي عَمَارٍ وَ تَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُودٍ“^[4]

[1] مستدرک حاکم ۹۲/۱۔

[2] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، رقم: ۴۶۰۷، ترمذی کتاب العلم، باب ما جاء

فی الاخذ بالسنۃ، رقم: ۲۶۷۶۔

[3] ترمذی کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر و عمر، رقم: ۳۶۶۳، ابن ماجہ، للمقدمة، باب

فضائل اصحاب النبی، رقم: ۸۶۔

[4] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبد اللہ بن مسعود، رقم: ۳۸۰۵۔

”کہ عمار کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کرو اور ابن مسعود کے عہد کو تھام لو۔“

اور یہ حدیث کسی طرح بھی امامت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے طریقے پر تھے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی عترت، ضلالت پر کبھی اکٹھی نہ ہوگی۔

لیکن عترۃ النبی ﷺ کے افراد کون ہیں؟ اس پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔^[1]

⑤ پانچویں وجہ یہ ہے کہ شیعہ صاحبان، عم رسول حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بن عبدالمطلب ہاشمی کی (insult) اور تحقیر کرتے ہیں۔^[2] اور ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ پر بھی زبان طعن دراز کرتے ہیں۔^[3] اسی طرح وہ حضرت حسن کی اولاد پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت حسین کی اولاد سے حسد کرتی ہے۔^[4] اور اسی طرح وہ حضرت حسین کے ان بیٹوں پر بھی لب کشائی کرتے ہیں جو ان کے من پسند اماموں میں سے نہیں ہیں مثلاً حضرت زید بن علی کہ ان پر انہوں نے تہمت لگائی ہے کہ وہ شراب پیتا تھا۔^[5] اس طرح حضرت حسن عسکری^[6] کے بھائی ابراہیم پر زبان درازی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ فاجر اور شرابی تھا۔

اس بنا پر شیعہ صاحبان حضرت رسول کریم ﷺ اور ان کی عترت کے قدردان نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت رسول کریم اور ان کی عترت کے سچے قدردان وہ لوگ ہیں جو ان کی تعریف کرتے ہیں اور انہیں ان کا حق دیتے ہیں اور ان کی تنقیص نہیں کرتے۔

⑥ چھٹی وجہ یہ ہے کہ شیعہ صاحبان کے ہاں شخصیات کا مقام، اتباع کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ فارسی قوم سے جذباتی تعلق کی بنا پر ہے چنانچہ وہ شخصیات کو کفر و اسلام کے

[1] دیکھئے ص نمبر: ۲۶۶۔ [2] رجال النحاشی ص: ۵۲۔

[3] رجال النحاشی ص: ۵۲، الکافی ۱/۲۴۷، (ان پر اتہام لگاتے ہیں کہ وہ کم عقل تھے۔)

[4] الکافی ۱/۵۵۶ (ما شہد ویکمیں)۔ [5] بحار الانوار ۴۶/۱۹۴۔ [6] الکافی ۱/۵۰۴۔

پیانے سے نہیں پرکھتے بلکہ فارسی اور عربی کے پیانے سے ناپتے ہیں اور اس حقیقت پر مندرجہ ذیل امور دلالت کرتے ہیں۔

- ① مثلاً تمام اصحاب رسول کو چھوڑ کر صرف حضرت سلمان فارسیؓ کی تعظیم کرنا، شی کہ یوں کہنا کہ ان کی طرف وحی کی جاتی ہے! ^[1] ایسے کیوں؟ اس لیے کہ وہ فارس سے ہیں۔
- ② حضرت حسن بن علیؓ کی اولاد کو چھوڑ کر صرف حسینؓ کی اولاد کی تعظیم کرنا، کس لیے؟ اس لیے کہ ان کی اولاد کے انھیال فارس سے ہیں یعنی شہر بانو بت یزدگرد سے۔ جو حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کی ماں تھی۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہم اجمعین۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ معزز ساسانی شجرہ، ہاشمی شجرہ سے مل گیا۔ ^[2]
- ③ وہ کہتے ہیں کہ کسریٰ جہنم میں ہے لیکن اس پر آگ حرام ہے۔ ^[3] کس لیے؟! فارسی نظریہ تعصب کے مطابق کسریٰ (ایران) کی تعظیم کی وجہ سے۔ حالانکہ وہ کفر پر فوت ہوا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس پر آگ حرام ہے۔

- ④ پھر ان کا آخری شخص آیا اور شاید وہ آخری نہ ثابت ہو اور وہ ہے۔ ”احتقانی حارّی،، وہ اصحاب رسولؐ کی فارس میں فتوحات پر تبرہ کرتا ہوا کہتا ہے۔ کہ وہ اوباش عرب بدو تھے، جو شہوت پرست، ہونے کی وجہ سے فارس کی عورتوں کی عفتوں کے پیاسے تھے۔ ^[4]

دیکھئے وہ اصحاب رسولؐ کا ذکر کیسے گھٹیا اور شرمناک الفاظ میں کرتا ہے اور اس دور کی مجوسی عورتوں کی تعریف کن الفاظ میں بیان کرتا ہے؟ کہ وہ تو پاک امن خیمیں اور اصحاب رسولؐ (نعوذ باللہ) ان کی عزتوں کے پیاسے تھے چنانچہ (ان کا اہل السنہ سے تنازع کا سبب) اسلام اور کفر یا امامت علیؓ اور دوسروں کی امامت کی نفی اللہ نہیں بلکہ

[1] رجال النکشی: ۲۱۔ [2] بحار الانوار: ۴۵/۳۲۹۔ [3] بحار الانوار: ۴۱/۲۱۴۔

[4] رسالة الامان، ص: ۳۲۳۔

ٹھیکہ نسل پرستی ہے (کیونکہ وہ کسی بھی بہانے سے ایرانی قوم کی برتری منوانا چاہتے ہیں اور عرب فاتحین کی عظمت کو گرانے کی کوشش میں ہیں)

۷۔ حدیث علیؑ مِّنِّي وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ سے غلط استدلال

اور اس کا صحیح مفہوم

وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کا فرمان «عَلِيٌّ مِّنِّي وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ» اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؑ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے بعد امام ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ، نبیؐ سے ہے اور نبیؐ حضرت علیؑ سے ہے تو اس کا تعلق اتباع اور نصرت سے ہے اسی بنا پر حضرت رسول کریم ﷺ نے غزوہٴ اُحد کے دن جب جلیب کو گم پایا تو پوچھا:

جلیب کو دیکھو! تو لوگوں نے کہا، وہ ہمیں نظر نہیں آرہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے مقتولوں میں تلاش کرو، جب انہوں نے اسے دیکھا تو وہ سات کافروں کے درمیان پڑا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کو خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: اس نے سات کافروں کو جہنم رسید کیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

جلیب مجھ سے ہے اور میں جلیب سے ہوں۔^[1]

جب حضرت نبی کریم ﷺ نے اشعریین کا ذکر کیا تو فرمایا: «هُمْ مِّنِّي وَ اَنَا مِنْهُمْ» وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔^[2]

لہذا آنحضرت کے «عَلِيٌّ مِّنِّي وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ» سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ وہ آپؐ کے بعد خلیفہ ہیں، بلکہ یہ تو حضرت علیؑ اور حضرت رسول کریم کے آپس میں تعلق کو مبالغے کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ہے کہ حضرت علیؑ اطاعت رسول کا مجسم نمونہ ہیں۔

[1] مسلم۔ فضائل الصحابة، رقم: ۱۳۶۔ [2] مسلم۔ فضائل الصحابة، رقم: ۱۶۷۔

اور پھر حضرت علیؑ کو حضرت نبی کریم ﷺ سے نسبی، سرالی تعلق بھی تو تھا اور آپ دین حق کی اتباع، نصرت، تائید اور اللہ کے حق کو قائم کرنے میں اپنی مثال آپ تھے اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «عَلِيٌّ مِنِّي وَ اَنَا مِنْ عَلِيٍّ» تقریباً یہ ہیں وہ اہم دلائل جو شیعہ صاحبان، حضرت علیؑ کی خلافت کو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت سے مقدم سمجھتے ہوئے بیان کرتے ہیں اور شاید اور بھی دلائل ہوں، لیکن میں نے انہیں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ کم از کم میری نگاہ میں ان کے مقصد کو کسی صورت میں بھی پورا نہیں کرتے۔

سوالات

II حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے متعلق، حضرت علیؓ کا موقف کیا تھا؟ کیا یہ بات درست

ہے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا اولین حقدار سمجھتے تھے؟

جواب: جب واقعہ سقیفہ رونما ہوا اور بیعت مکمل ہو گئی اور یہ بیعت بقول سیدنا عمر بن الخطابؓ اچانک ہوئی تھی اور اس موقع پر شوری کے افراد کو طلب نہیں کیا گیا تھا، تو حضرت علیؓ الرضیؓ کے دل میں رنج پیدا ہوا اس لیے کہ انہیں شوری میں شامل کیوں نہ کیا گیا، یا اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

یہ دو احتمال ہیں۔

پہلا یہ کہ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ اپنے آپ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ شوری میں اپنی شمولیت کو ضروری سمجھتے تھے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں صحیح احتمال کون سا ہے، چنانچہ ہم اصل واقعہ کے بیان کے بعد اس پر بحث کریں گے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت ہو گئی اور حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول کریمؐ بیمار ہو گئیں اور بستر پر پڑی رہنے لگیں مشہور روایات کے مطابق چھ ماہ زندہ رہیں^[1] اور بعض روایات کے مطابق اس سے بھی کم اور ایک

[1] بخاری۔ کتاب فرض الخمس۔ باب فرض الخمس رقم: ۳۰۹۳، مسلم۔ کتاب الجہاد: ۵۲۔

روایت کے مطابق اس سے زیادہ عرصہ زندہ رہیں، لیکن سب سے مشہور روایات کے مطابق چھ ماہ زندہ رہیں اور حضرت علی بن ابی طالبؓ ان کی تیمارداری کی بنا پر تقریباً نماز کے لیے ہی نکلتے تھے، جب ان کی وفات ہو گئی اور آپ گھر سے باہر نکلے تو انہیں اپنے متعلق لوگوں کے چہروں کے تاثرات بدلے بدلے نظر آئے، تو آپؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپؓ حضرت عمرؓ بن خطاب کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لے گئے، تو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: میں سمجھتا تھا کہ ہمارا بھی اس منصب میں حق ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور تقریر کرنے لگے آپؓ نے اپنی تقریر میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور آل بیت رسول ﷺ کی شان بیان فرمائی، اس کے بعد حضرت علیؓ مسجد میں منبر پر تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے آپؓ کی بیعت کی یہ چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔^[1]

اور امام ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کی پھر الگ تھلگ ہو گئے اور علامۃ بیعت نہ کی۔^[2] اور جو چیز رائج نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ شوری میں ان کا بھی حق ہے، نہ کہ آپؓ خلافت کے متمنی تھے اور اس رائے کی ترجیح کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا منصب خلافت کا حقدار ہونا تقریباً متفق علیہ حقیقت ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے مرض وفات میں حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیتے تھے اور اس دور میں سوائے امام المسلمین کے اور کوئی نماز نہیں پڑھاتا تھا۔ اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”ابو بکرؓ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو لوگوں نے کہا وہ رقیق القلب انسان ہے لیکن آپؓ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔^[3]

[1] أخرجه البخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوة خیبر، رقم: ۴۲۴۰، ۴۲۴۱، ۴۲۴۲، مسلم، کتاب الجہاد: ۵۲۔ [2] البداية والنهاية: ۵/۲۱۸، مؤلف ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3] بخاری۔ کتاب الانبیاء، باب لقد کان فی یوسف و اخوته آیات، رقم: ۳۳۸۵۔

اور حضرت سیدہ عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ ایک عورت، حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کوئی مسئلہ پوچھا پھر وہ کہنے لگی کہ اگر میں اگلے سال آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو پھر کس کے پاس جاؤں؟
 آپ نے فرمایا: ابو بکرؓ کے پاس چلی آنا۔^[1]

اور صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

میرے پاس کوئی قلم دوات لاؤ تا کہ میں تیرے باپ کے لیے کچھ لکھ دوں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کوئی طالع آزما چاہت نہ کر بیٹھے، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور مومنین ابو بکر کے سوا کسی کو نہیں چاہتے۔^[2]

یہ اور دیگر بہت سی احادیث ہیں جو اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ دوسروں سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنی خلافت کے دور میں بذات خود فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے مجھے حضرت ابو بکر اور عمرؓ پر فضیلت دی، میں اسے مفتری کی حد لگاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ خود بھی اپنے آپ کو حضرت ابو بکر اور عمرؓ سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔ اس طرح آپ کی حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ آپ کے لخت جگر سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے آپؐ سے پوچھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے؟
 آپ نے فرمایا: ”ابو بکرؓ۔“

[1] بخاری، کتاب فضائل الصحابة۔ باب لو كنت متخذاً خليلاً، رقم: ۳۶۵۹، مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۱۰۔

[2] مسلم فضائل الصحابة، رقم: ۱۱، بخاری میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں، کتاب المرضى، باب ما رخص للمريض اني وجع، رقم: ۵۶۶۶۔

انہوں نے پوچھا: ”ان کے بعد کون؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمرؓ“ حضرت محمد بن علی ابن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ ابا جان کہیں حضرت عثمانؓ کا نام نہ لے دیں فوراً کہ دیا: اور پھر آپ؟

آپؐ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے فقط ایک انسان ہوں۔^[1]

اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ اپنے آپ کو حضرت ابو بکر اور عمرؓ سے افضل نہ سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، تو آپ نے کسی طرح بھی رنج و الم کا اظہار نہیں فرمایا اور جب حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ بنائی تو بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں سب سے زیادہ حقدار ہوں، بلکہ آپ نے اس شوریٰ کو تسلیم کیا۔ بنا بریں رائج بات یہی ہے کہ آپ کے دل میں خلافت کا خیال نہ تھا، بلکہ شوریٰ میں شمولیت کا تھا اور آپ سمجھتے تھے کہ میں شوریٰ میں کیوں نہ حاضر ہو سکا، جبکہ اس میں میرا حق ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وضاحت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کا معاملہ اچانک پیش آ گیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ حاضر نہیں ہوئے، بلکہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اور دیگر کبار صحابہ کرام بھی حاضر نہیں ہو سکے تھے اور مہاجرین میں سے بھی حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی حاضر نہ ہو سکا اور انصار میں سے بھی صرف حضرت حباب بن منذرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ وغیرہ حاضر ہو سکے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ایک دوسری حدیث اس حقیقت کی زیادہ وضاحت کر رہی ہے۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ بن مکیر نے لیث کے حوالے سے بیان کیا اور

[1] بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة، باب لو كنت متخذاً حليلاً، رقم: ۳۶۷۱۔

اس نے عقیل سے اور عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے حضرت سیدہ عائشہ سے بیان کیا کہ (وہ فرماتی ہیں)

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے اپنے باپ کی اس جاگیر کا مطالبہ کیا جو اللہ نے ان کو مدینہ اور مذک میں مال فئے کی صورت میں عطا کی تھی اور خیبر میں باقی ماندہ خمس کی شکل میں موجود تھی، تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: حضرت نبی کریم ﷺ فرما گئے ہیں کہ ہم اپنے ترکہ کا کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، البتہ اس مال میں سے آل محمد ﷺ کھا سکتی ہے۔ اور اللہ کی قسم! میں حضرت رسول کریمؐ کے صدقہ کی وہی حالت برقرار رکھوں گا جو آپ کے دور مبارک میں تھی اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کروں گا اور اس میں وہی کام کروں گا جو حضرت رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔

چنانچہ آپؐ نے اسے حضرت فاطمہؓ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ کے اس جواب سے ناراض ہو گئیں اور فوت ہونے تک ان سے بات نہ کی۔ اور وہ حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب آپؐ فوت ہوئیں تو ان کے خاوند حضرت علیؓ نے ان کو اسی رات میں ہی دفن کر دیا اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کی وفات کی اطلاع نہ دی اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ کا مقام (قابل رشک) تھا۔

جب وہ فوت ہو گئیں تو حضرت علیؓ نے اپنے متعلق لوگوں کے چہروں کے تاثرات بھانپ لیے، لہذا انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے مصالحت اور ان کی بیعت کی راہ تلاش کرنی شروع کر دی جبکہ گذشتہ مہینوں میں انہوں نے بیعت نہ کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ہمارے پاس آئیں اور ان کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو، کیونکہ انہیں حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ آنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے

فرمایا۔ نہیں اللہ کی قسم! آپ ان کی طرف اکیلے نہ جائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تمہیں میرے متعلق ان سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ کی قسم! میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ چلے گئے تو حضرت علیؓ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہم آپ کی فضیلت سے آگاہ ہیں اور جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس کے معترف ہیں اور ہم اس خیر میں آپ سے منافست نہیں کرتے، جو اللہ نے آپ کی طرف پہنچائی ہے، لیکن آپ نے دلیری کی اور اس معاملے میں ہماری پرواہ نہ کی اور رسول کریم ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا بھی حق ہے۔

اس دوران حضرت ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے جب حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو کی تو فرمایا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے اپنی قرابت داری کے مقابلے میں حضرت رسول کریم ﷺ کی قرابت داری بے حد عزیز ہے۔ اور وہ جو میرے اور آپ کے درمیان ان اموال کے متعلق شکر رنجی ہے (تو اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے) کہ میں نے اس میں بھلائی کی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور میں نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو اس مال کے متعلق جو کچھ کرتے دیکھا وہی کیا۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا، آپ سے کل پچھلے پہر بیعت کرنے کا وعدہ ہے۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے ظہر کی نماز ادا کی تو منبر پر تشریف لائے اور اپنے خطبہ کے دوران حضرت علیؓ کی شان بیان فرمائی اور اپنی بیعت کے متعلق ان کی تاخیر کا عذر بیان کیا اور ان کے لیے استغفار کیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے خطبہ دیا اور اس میں حضرت ابو بکرؓ کے حق کی عظمت بیان کی اور فرمایا کہ ہمیں کسی طرح کے احساس برتری نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے تاخیر پر نہیں اکسایا اور نہ ہم ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا بھی حق ہے

اور انہوں نے ہماری پرواہ نہ کی، جس کی وجہ سے ہمارے دل میں ناراضی پیدا ہوئی۔ چنانچہ مسلمان خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے درست کہا اور جب حضرت علی نے نیک کام کی طرف رجوع کر لیا تو مسلمان ان سے حد درجہ احترام سے پیش آنے لگے۔^[1]

۲ حضرت ابو بکر کی خلافت نص کی بنا پر قائم ہوئی یا مشاورت کے ذریعے قائم ہوئی؟
جواب: حضرت ابو بکر کی خلافت کے متعلق تین اقوال ہیں۔

① ایک تو یہ کہ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی واضح نص کی بنا پر قائم ہوئی۔

② دوسرا یہ کہ وہ نص خفی کی بنا پر قائم ہوئی۔ جیسا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک

عورت کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر میں تجھے نہ مل سکوں تو ابو بکر کے پاس آنا۔

③ اس قول سے استدلال کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ نص خفی ہے صریح نہیں ہے اور

تیسرا قول ہے کہ وہ مشاورت کے ذریعے قائم ہوئی۔

اور جو بات واضح نظر آتی ہے وہ یہ کہ ان کی خلافت نص صریح کی بنا پر نہیں بلکہ

نص خفی کی بنا پر قائم ہوئی اور اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

۴ کیا تاریخ طبری کی احادیث اور مرویات کی تحقیق اور تخریج ہو چکی ہے؟ اور کیا

یہاں تاریخ کے موضوع پر کوئی صحیح کتاب موجود ہے؟

جواب: میں نہیں جانتا کہ اس کی تحقیق اور تخریج ہو چکی ہے یا نہیں، البتہ ابو بکر ابن

العربی جیسے ائمہ کرام نے فقط صحیح روایات پر انحصار کرنے کی سعی کی ہے۔ مثلاً

”العواصم من القواصم“ میں صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا ہے اور بعض روایات کا

ضعف بیان کیا گیا ہے، باقی رہی کوئی ایسی کتاب جو مستقل طور پر ان مسائل کی تحقیق پر

مشتمل ہو؟ موجود نہیں۔ لیکن آپ کے پاس امام ابن کثیر اور امام ذہبی کی تواریخ موجود

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوہ خیبر ۴۲۴۰: ۴۲۴۱۔

ہیں اور وہ بسا اوقات بعض روایات پر کلام کرتے ہیں اور ان کا ضعف بھی بیان کرتے ہیں، لیکن ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی، جبکہ امام طبریؒ نے شاید ہی کسی روایت پر کلام کیا ہو کیونکہ وہ تو صرف ناقل اور جامع ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کی روایات کی تحقیق یا تخریج کی ہو، البتہ ایک عمدہ کتاب منظر عام پر آئی ہے اور وہ ہے یحییٰ البیہقی کی کتاب مرویات ابی مخنف، انہوں نے تاریخ طبری سے ابو مخنف کی روایات چن کر ان کی تحقیق ہے اس کے علاوہ ایک کتاب بھی منظر عام پر آئی ہے اور وہ ہے محمد محزون کی کتاب ”مواقف الصحابہ من الفتن“

مذکورہ مؤلفین نے یہ کتابیں امام طبری کی تاریخ سے تیار کی ہیں۔ ان مؤلفین کا طریق کار یہ ہے کہ یہ تاریخ طبری سے مطلوبہ موضوعات کا انتخاب کر کے صرف انہیں پر تحقیق و تعلیق کرتے ہیں، لیکن مکمل تاریخ طبری پر تحقیقی کام کا مجھے علم نہیں۔ واللہ اعلم البتہ اس موضوع پر چند بہترین کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں اور وہ ہیں۔ یحییٰ البیہقی کی کتاب الخلافة الراشدة اور امام ابن تیمیہ کی منهاج السنة النبویة اور سالم بھنساوی کی الخلافة والخلفاء الراشدون بین الشوری والديموقراطية۔

۳۱ حضرت رسول کریم ﷺ کا حضرت عائشہ کو یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ تم یوسف کی صواحب ہو؟

جواب: جب حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ حضرت ابو بکر شرم دل اور غمگین آدمی ہیں، جب وہ پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ان کے رونے کی وجہ لوگوں کو ان کی قرأت سنائی نہیں دیتی، تو حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم یوسف کی صواحب ہو ابو بکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی اس سے مراد یہ تھی کہ تم بھی اس طرح کرنا چاہتی ہو جس طرح عزیز مصر کی بیوی نے دعوت کے بہانے مصر کی عورتوں

سے کیا، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَكًا وَمَكَّتْ

كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِرْكِينًا ۖ ﴾ [یوسف: ۳۱]

”جب اس نے ان کے فریب کو سنا تو ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے

لیے گاؤں تکے لگا دیئے اور ان میں سے ہر ایک کو چاقو دے دیئے۔“

بظاہر تو یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان عورتوں کا اکرام و احترام کر رہی ہے کیونکہ اس نے

ان کے لیے دسترخوان بچھایا اور پھل اور چاقو بھی فراہم کر دیئے لیکن وہ چاہتی کیا تھی؟

وہ انہیں یوسف دکھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ:

﴿ أَخْرِجْ عَلَيْنَهُنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ

مَا هَذَا بَشَرًا ۖ ﴾

”(یوسف!) ان کی طرف آ، جب انہوں نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ رہ

گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں اور کہنے لگیں اللہ کی پناہ، یہ بشر نہیں ہے۔“

چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ حضرت عائشہ سے کہہ رہے تھے کہ تو کہتی ہے کہ وہ

غمگین اور نرم دل ہیں، جبکہ درحقیقت تو اسے غمگین اور نرم دل نہیں کہہ رہی بلکہ اس

طرح کہنے سے تیری مراد کچھ اور ہے جو تیرے دل میں ہے۔ اور بعد میں حضرت

عائشہ نے اس کی صراحت بھی کر دی تھی کہ میں ڈر گئی کہ لوگ میرے باپ سے بدشگونی

لے کر گناہ میں مبتلا ہوں گے۔^[۱] اور حضرت نبی کریم ﷺ اسے پہلے ہی بھانپ گئے

اور سمجھ گئے کہ ابو بکر کو عائشہ کے غمگین اور نرم دل کہنے سے مراد کچھ اور ہے۔ یہ ہے

مفہوم حضرت عائشہ کو ”إِنْ كُنَّ صَوِيحِبَاتُ يُوسُفَ“ کہنے کا۔

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب مرض النبی ووفاته، رقم: ۴۴۴۵، مسلم کتاب

۵ کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کیا۔ اور انہیں سورۃ توبہ کی آیات دیں، پھر آپ نے انہیں ہٹا کر حضرت علیؑ کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؑ بن ابی طالب کو امیر حج مقرر ہی نہیں کیا تھا، بلکہ ۹ھ میں حضرت ابو بکرؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے اور جب حضرت علیؑ بن ابی طالب ان کے پیچھے آن پہنچے تو آپ نے ان سے کہا:

آپ (میرے) تابع بن کر آئے ہیں یا متبوع؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: آپ کا تابع بن کر آیا ہوں۔

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم اور کفار مکہ کے درمیان معاہدہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ ختم کر دیں اور ان سے لا تعلقی کا اعلان کر دیں۔

﴿ بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
فَسَبِّحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ
وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ. وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ
الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ
خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾

”کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول لا تعلقی ہیں ان مشرکین سے، جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا چنانچہ (اے مشرک!) تم چار ماہ تک زمین پر چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے، اور حج اکبر والے دن سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ اللہ اور

اس کا رسول مشرکوں سے لاتعلقی ہیں، سو اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہر انہیں سکتے اور کافروں کو عذاب الیم کی بشارت سنا دو۔“

اور عربوں کا دستور تھا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے معاہدہ کر لیتا اور پھر اسے ختم کرنا چاہتا، تو وہ بذات خود اسے ختم کرنے کا اعلان کرتا، یا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اسے ختم کرنے کا اعلان کرنے کے لیے کہتا۔

اس بنا پر حضرت نبی کریم ﷺ نے (اپنے چچا زاد برادر) حضرت علی بن ابی طالب کو ان سے معاہدہ ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تابع تھے اور حضرت ابو بکر نے لوگوں کو حج کروایا اور عرفہ میں انہیں خطبہ بھی دیا۔^[1]

۶ کیا اصحاب رسول اور اہل بیت کے درمیان مصاہرات (رشتہ داریاں) تھیں؟ اور کیا ان کے درمیان عداوتیں بھی تھیں؟

جواب: آل بیت رسول اور صحابہ کرامؓ کے درمیان بہت سی رشتہ داریاں تھیں۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں ام کلثومؓ اور رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ اموی سے کیا۔

اور ایک بیٹی حضرت زینبؓ حضرت العاص بن ربیع اموی سے بیاہ دی تھی۔ اور حضرت علیؑ بن ابی طالب ہاشمی نے اپنی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ، حضرت امیر المومنین عمرؓ فاروق کے ساتھ بیاہ دی تھی۔^[2]

اور حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیوہ اسماء بنت عمیس سے شادی کر لی تھی۔

[1] دیکھئے صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب تفسیر سورہ براءۃ، اور حافظ ابن حجر کی کلام بھی دیکھئے، انہوں نے بعض طرق ذکر کر کے ان پر کلام کیا ہے۔

[2] تاریخ الاسلام، عہد الخلفاء الراشدین ص: ۲۷۵/ الکافی ۳۴۶/۵.

اور آپ نے حضرت امامہ بنت العاص امویہ سے نکاح کر لیا تھا۔

اور محمد بن ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ کے ربیب تھے۔^[1]

اور محمد بن علی بن حسین نے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے شادی کی تھی، اسی بنا پر حضرت جعفر الصادقؓ بن محمد ہاشمی کہا کرتے تھے، کہ مجھے ابوبکر صدیقؓ نے دو (۲) مرتبہ جنا ہے۔^[2] کیونکہ ان کی ماں ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ تھیں اور ان کی نانی حضرت اسماء بنت عبد الرحمن بن ابوبکر صدیقؓ تھیں۔ اور حضرت ابان بن عثمان بن عفان اموی نے حضرت ام کلثوم بنت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمیہ سے شادی کی تھی۔^[3]

اور حضرت سکینہ بنت حسین ہاشمیہ سے حضرت مصعب بن زبیر بن عوام نے نکاح کیا تھا۔^[4]

علاوہ ازیں ان کی آپس میں بہت سی رشتہ داریاں اور گہرے تعلقات تھے اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اپنے بیٹوں کے نام حضرت ابوبکر اور عمر اور عثمانؓ کے ناموں پر رکھے۔^[5]

اور حضرت حسن بن علیؓ نے اپنے بیٹے کا نام ابوبکر رکھا۔^[6]

اور حضرت علی بن حسینؓ نے اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا تھا۔^[7]

اور حضرت موسیٰ بن جعفر الصادقؓ ہاشمی نے اپنے بیٹے کا نام عمر اور بیٹی کا نام عائشہ رکھا۔^[8]

[1] ربیب سے مراد بیوی کے سابقہ خاوند کا بیٹا ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء: ۶/۲۵۵۔ [3] الشیعہ و اہل البیت، ص: ۱۴۱۔

[4] الطبقات الکبریٰ: ۵/۱۸۳۔

[5] معرفة الصحابة: ۱/۳۰۹، كشف الغمة فی معرفة الائمة: ۲/۶۷۔

[6] كشف الغمة: ۲/۱۹۸، سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۹۔ [7] كشف الغمة: ۲/۳۰۲۔

[8] كشف الغمة: ۳/۳۱۲۹۔

اس موضوع پر علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ کی کتاب الشیعہ و اہل البیت لا جواب تصنیف ہے^[۱] انہوں نے اس میں بنو ہاشم اور صحابہ کرام اور دیگر اہل النبیؐ کی آپس میں رشتہ داریاں بیان کی ہیں۔

۴ کیا یزید بن معاویہ صحابی ہے؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اسے اپنا متبنی بنایا تھا؟

جواب: یزید بن معاویہ صحابی نہیں تھا، کیونکہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت میں پیدا ہوا تھا البتہ اس کا چچا یزید بن ابوسفیان اموی حضرت رسول کریم ﷺ کا صحابی اور حضرت معاویہؓ کا بھائی تھا اور شام کا گورنر تھا اور جنگ یرموک میں آپؐ اور عمرو بن العاصؓ اور ابو عبیدہؓ اور شرحبیلؓ بن حسنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی افواج کے سپہ سالار تھے۔

اور یزید بن معاویہؓ حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان کا صلیبی بیٹا تھا اور اس میں عدنان اور قحطان اکٹھے ہو گئے کیونکہ اس کے نہال اصل عرب قحطان سے تھے، اس کی ماں میسون الکلبیہ تھی

۵ کیا یہ بات درست ہے کہ یزید بن معاویہؓ نے مدینہ کو مباح قرار دیا تھا؟

جواب: کتب تاریخ میں یہ بڑا مشہور واقعہ ہے اور تقریباً یہ مسلمہ بات ہے کہ مدینہ منورہ تین دن تک مباح قرار دیا گیا تھا، لیکن اس میں مکذوبہ داستانیں شامل کر دی گئی ہیں، کہ ستر ہزار دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی اور بعض روایات میں تیس ہزار کنوار یوں کا ذکر ہے اور یہ سب کچھ افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس حادثے کا سبب یہ تھا کہ مدینہ والوں نے عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن مطیع کی قیادت میں یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ ڈالی اور اس سے بغاوت کا اعلان کر دیا اور

[۱] الشیعہ و اہل البیت ص: ۱۴۰-۱۴۴۔

مدینہ کے گورنر کو شہر بدر کر دیا، بلکہ مدینہ میں امویوں کا محاصرہ کر لیا اور انہیں وہاں سے نکال باہر کیا، اس وجہ سے یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، جس نے مدینہ والوں کا محاصرہ کر کے ان سے لڑائی کی اور انہیں قتل کیا اور تین دن تک مدینہ میں قتل و غارت اور مال چھیننے اور کھانا لوٹنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ اور تین دن کے بعد یزید نے اپنے کسی ہم نشین سے مشورہ کیا کہ اس صورت حال کی اصلاح کس طرح کی جائے؟ تو اس نے مشورہ دیا کہ ان کی طرف کھانا، پینا اور لباس وغیرہ بھیج دو۔ چنانچہ اس نے یہ چیزیں بھجوا دیں اور حالات پرسکون ہو گئے۔

مقصد یہ ہے کہ اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے مدینہ والوں سے لڑنا شاید کسی حد تک درست تھا، کیونکہ وہ امیر کی اطاعت سے نکل چکے تھے، جس طرح کہ حضرت علیؓ نے بھی اہل شام سے جنگ کی تھی کیونکہ وہ ان کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور اہل مدینہ کے ساتھ لڑنا، شامیوں کے ساتھ لڑنے کی طرح ہی تھا۔ کیونکہ انہوں نے تو بیعت بھی کی ہوئی تھی اور بعد میں اپنی بیعت توڑ ڈالی تھی لہذا اہل السنہ والجماعۃ اس صورتحال میں لڑائی پر انکار نہیں بلکہ مدینہ کو مباح قرار دینے کی وجہ سے یزید پر تنقید کرتے ہیں۔

۱۹ حضرت حسینؓ کا سر مبارک کہاں دفن ہے؟

جواب: اس کا اصل علم تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہے، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ اسے کوفہ میں دفن کیا گیا، لیکن کون سے مقام میں دفن ہے اس کا کچھ علم نہیں مگر اسے شام یا بصرہ نہیں لے جایا گیا۔

۲۰ ناصبی کون ہیں؟ کیا وہ اہل السنہ سے ہیں؟ اور ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: ناصبیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو آل بیت نبیؐ سے عداوت رکھتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسین سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کا اہل السنہ

والجماعۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ، شیعوں اور ناصبیوں کے درمیان ہیں۔ اس لیے کہ شیعہ حضرات تو اہل بیت کی تعظیم کرتے کرتے انہیں انبیاء کرام سے بھی بڑھا دیتے ہیں اور دوسری طرف ناصبی حضرات ان سے بغض رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ درمیانی راہ پر ہیں۔ یعنی وہ اہل بیت سے محبت بھی رکھتے ہیں لیکن انہیں ان کے اسی مرتبے پر رکھتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے۔ اور اہل السنۃ کے ہاں ناصبی اہل بدعت سے ہیں۔

۱۱۱ جب ہم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی تو بیعت مکمل کیسے ہو گئی؟

جواب: حضرت حسین بن علی المرتضیٰؑ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اہل حل و عقد کے امام تھے، لیکن صرف یہ دونوں ہی نہ تھے بلکہ دیگر صحابہ کرام بھی تھے اور بیعت کے لیے اجماع ضروری نہیں اور نہ ہی بیعت میں اجماع کی شرط لگائی جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت محمد بن علی ابن الحنفیہ وغیرہم نے اس کی بیعت کی تھی کیا یہ کافی نہیں ہیں؟ ان کے علاوہ اہل مدینہ، اہل شام، اہل کوفہ، اہل مکہ نے بھی اس کی بیعت کی تھی کیا یہ کافی نہ تھے؟ قطع نظر اس کے کہ حضرت حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیرؓ یزید کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور وہ دونوں اس سے افضل تھے، بلکہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؑ اور یزید بن معاویہ کے درمیان برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (کیونکہ وہ دونوں صحابی تھے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے انتہائی قریبی تھے جبکہ یزید ام المؤمنین امّ حبیبہؓ کا بھتیجا تھا اور اموی قریشی تھا)

۱۱۲ کیا مسجد حرام میں قتال منع نہیں ہے؟ تو پھر یزید نے مکہ میں ابن زبیرؓ کے ساتھ اور مدینہ میں ابن مطیع کے ساتھ کس بنا پر لڑائی کرنا جائز سمجھا؟

جواب: بلاوجہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں لڑائی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جب کوئی آدمی کسی کو قتل کر کے مکہ چلا جائے تو وہاں اسے قتل کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ مکہ یا مدینہ میں داخل بھی ہو جائے، کیونکہ ان دونوں شہروں میں چند اسباب کی بنا پر قتال جائز ہے۔ مثلاً حاکم کے خلاف بغاوت کرنا اور اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں کسی کا پہل کرنا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾ [بقرہ: ۱۹۱]

”کہ ان سے مسجد حرام کے پاس لڑائی نہ کرو، یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں لڑائی نہ کریں، اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو تم انہیں قتل کرو؛ کافروں سے بدلہ اسی طرح ہی لیا جائے گا۔“

مقصد یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں لڑائی کرنا حرام ہے لیکن جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۴ جب حضرت حسین بن علیؑ کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ کوفیوں سے نہیں لڑ سکتے تو واپس کیوں نہ لوٹے؟

جواب: جی ہاں! ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن فرزندِ ان مسلم بن عقیل نے کہا کہ جب تک ہم اپنے والد کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لیں، واپس نہ لوٹیں گے اور جب انہوں نے انتقام لینے کی ٹھان لی تو حضرت حسینؑ نے بھی ان سے اتفاق کر لیا اور واپس نہ لوٹے، مختصر یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد کو گرفتاری دینے سے انکار کر دیا تھا اور آپؑ بلاشبہ مظلوم شہید ہوئے۔ اور آپؑ حضرت رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

۱۵ کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ فتنہ مشرق سے اٹھے گا؟

جواب: جی ہاں! حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنہ ادھر سے اٹھے گا، فتنہ ادھر سے اٹھے گا، فتنہ ادھر سے اٹھے گا اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ [۱]

اگر ہم وہاں کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو روزِ روشن کی طرح اس بات کی تصدیق نظر آئے گی۔

چنانچہ خارجی مشرق سے نمودار ہوئے یعنی عراق سے اور شیعہ عراق سے نکلے طرح اسی دجال کا فتنہ بھی مشرق سے برپا ہوگا۔ اور یا جوج ماجوج بھی مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔

چنگیز خان اور ہلاکو خاں کی قوم تاتار بھی مشرق کی طرف سے نکلی۔

سبحان اللہ آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق فتنے، مشرق کی طرف سے اٹھے اور عراق، ایران، روس، چین، افغانستان، ازبکستان وغیرہ مدینہ کے مشرق میں واقع ہیں۔

[۱۵] حضرت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے کہ نجد، شیطان کے سینگوں میں سے ایک سینگ ہے؟

جواب: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما، اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما، تو حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے کہا: ”ہمارے نجد میں بھی“ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما۔ اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما۔ تو انہوں نے پھر کہا: ہمارے نجد میں بھی، مگر آپ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے یمن میں ہمارے لیے برکت فرما، اے اللہ! ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت فرما۔ تو انہوں نے مکرر کہا اور ہمارے نجد میں بھی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: نجد شیطان کے سینگوں میں سے ایک سینگ ہے۔“ [۲]

[1] صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب صفة ابليس و جنود، رقم: ۳۲۷۹۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الفتن، باب قول النبی الفتنۃ من قبل المشرق، رقم: ۷۰۹۴۔

نجد کے مفہوم میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ آیا نجد سے مراد وہی نجد ہے جو آج کل نجد کے نام سے مشہور ہے یا کوئی اور جگہ مراد ہے۔ لفظ نجد کے متعلق تمام روایات پر غور کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد عراق ہے، کیونکہ اہل علم فرماتے ہیں کہ ہر اونچی جگہ کو نجد کہا جاتا ہے (اور نشیبی جگہ کو تہامہ) اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مشرق کی طرف اشارہ بھی کیا اور فرمایا نجد، شیطان کے سیگوں میں سے ایک سینگ ہے۔ جبکہ مدینہ سے مشرق کی جانب بلند جگہ (نجد) عراق ہی ہے (بلکہ حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت وہ روایت بھی بیان کی ہے، جس میں صراحت کے ساتھ وَلِعَرَأَيْنَا كَالْفُظْ موجود ہے)

مقصود یہ ہے کہ نجد سے مراد عراق ہے اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اکثر و بیشتر فتنے بھی یہیں سے اٹھے۔^[1] واللہ اعلم

❧ کیا سیدہ فاطمہ گواہ زہراء کا لقب دینا جائز ہے؟ اور کیا حضرت نبی کریمؐ کے زمانے میں انہیں زہراء کہا جاتا تھا اور کیا حضرت علی المرتضیٰؑ کو کَرَّمَ اللہ وَجْهَهُ کہنا جائز ہے؟

جواب: حضرت نبی کریمؐ سے تو یہ لقب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی سیدہ کے زمانے میں اس کا وجود تھا، لہذا یہ جدید لقب ہے جبکہ صحیح بخاری کی روایت سے حضرت نبی کریمؐ کا آپ کو سیدہ نساء المومنین اور سیدہ نساء اہل البیت کا لقب دینا ہی کافی ہے۔ اور

[1] فتح الباری۔ کتاب العناقب۔ باب من علامات النبوة: ۳۶۲۴ مسلم (بمعناها) کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۹۷، ۹۸، ۹۹

مثلاً جنگ جمل بھی وہیں برپا ہوئی، حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کو وہاں شہید کیا گیا اور موجودہ دور میں شاہ فیصل قریشی ہاشمی کو سارے خاندان سمیت عراق میں قتل کر دیا گیا۔ اور صدام حسین نے زہریلی گیس چھوڑ کر ایک ہی دن میں ستمبر ۲۰۰۳ء کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب مقبرے پر بم مار کر بہت سے لوگوں تقریباً ۸۸ ہزار افراد ہلاک کر دیا۔

اس لقب نے آپ کو زینت نہیں بخشی بلکہ آپ نے اس لقب کو حسن و جمال عطا کیا ہے۔ رضی اللہ عنہا وارضاهما اور یہ اگرچہ لقب جدید ہے مگر اچھا ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰؑ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے چہرے کو عزت بخشی لیکن اس دعائیہ جملے کو آپ سے خاص کر دینے میں کلام ہے۔ چنانچہ ہم کہنے کو کہہ سکتے ہیں کہ۔

كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَ عَلِيٍّ، كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَ أَبِي بَكْرٍ، كَرَّمَ اللَّهُ
وَجْهَ عُمَرَ، كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَ عُثْمَانَ وَكَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَ
الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

ان سب کے چہروں کو اللہ نے دنیا و آخرت میں عزت بخشی ہے۔

۱۴ حضرت نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان تفریق کس طرح کر لیتے تھے اور دوسری بیویوں کی بہ نسبت حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت کیسے کرتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیویوں کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے؟

جواب: محبت کی حد تک یہ بات درست ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ۱۲۹]

”اور تم بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے، اگرچہ تم اس بات کی حرص رکھو بھی، لہذا تم مکمل طور پر کسی ایک کی جانب نہ جھکو، کہ اسے (دوسری کو) معلق چھوڑ دو اور، اگر تم اصلاح کرو اور ڈرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں بیان کیا ہے کہ انسان اپنی طاقت کی حد تک

اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اس بنا پر اللہ تعالیٰ بعض بیویوں سے قلبی لگاؤ کو معاف کر دے گا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص نے حضرت رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو سب لوگوں سے بڑھ کر پیارا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”عائشہ۔“^[۱]

البتہ شوہر سے بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل مطلوب ہے، محبت میں نہیں، کیونکہ اس طرح کی قلبی محبت پر انسان سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

۱۸ کیا نبی کریم صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ تمام منافقین کو جانتے نہ تھے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ فقط چودہ یا پندرہ منافقین کو جانتے تھے، سب کو نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد: ۳۰]

”کہ تو انہیں گفتگو سے پہچان لے گا۔“

اور یہ چند منافقین تھے، سارے نہ تھے۔ لہذا آپ بعض کو جانتے تھے اور اس کی واضح ترین دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا

عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

”اور تمہارے ارد گرد والے اعرابیوں میں منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی کچھ ایسے ہی ہیں، جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں، تو انہیں نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں۔“

۱۹ میں نے ایک کتاب پڑھی ہے جس کا نام ”الشَّيْعَةُ هُم أَهْلُ السَّنَةِ“ ہے اس

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب قول النبی لو کُنتُ مُتَعَلِّمًا خَلِيلًا۔ رقم: ۳۶۶۲۔

کے مؤلف نے اس میں بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے عشرہ مبشرہ اور امہات المؤمنین اور اہل بیت سے بھی زیادہ روایات بیان کی ہیں، بلکہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی روایات، ابو ہریرہ کی روایات کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتیں، حالانکہ ابو ہریرہ متاخر الاسلام ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے قبل میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کا مؤلف تجانی بہت جھوٹ بیان کرنے والا انسان ہے، لہذا اس کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ ان سب کی روایات ابو ہریرہ کی روایات کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتیں، ایک بھیا یک اور خطرناک سینہ زوری ہے۔

دیکھئے ابو ہریرہ کی تمام روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو ستر، یا اسی ہے، جبکہ عشرہ مبشرہ اور صحابیات اور آل بیت کی روایات کی تعداد حسب ذیل ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی (۱۳۲) حضرت عمرؓ کی (۵۳۷) حضرت عثمانؓ کی (۱۳۶) حضرت علیؓ کی (۵۳۶) حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی (۶۵) اور حضرت زبیرؓ کی (۳۸) حضرت طلحہؓ کی (۳۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی (۲۷۱) حضرت ابو عبیدہؓ کی (۱۳) حضرت سعید بن زیدؓ کی (۲۸) حضرت ابن عباسؓ کی (۱۶۶۰) حضرت عباسؓ کی (۳۵) حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی (۲۵) حضرت فضل بن عباسؓ کی (۲۳) حضرت حسن بن علیؓ کی (۱۳) حضرت حسینؓ کی (۸) حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی (۶) جبکہ حضرت عائشہؓ کی (۲۲۱۰) حضرت ام سلمہؓ کی (۳۷۸) حضرت ام حبیبہؓ کی (۶۵) اور حضرت حفصہؓ کی (۶۰) حضرت زینب بنت جحشؓ کی (۱۱) اور حضرت صفیہؓ کی (۱۰) حضرت جویریہؓ کی (۷) اور حضرت سودہؓ کی (۵) روایات ہیں۔^[1]

لہذا سادہ سے حسابی عمل سے ان سب کی روایات (۶۳۵۲) ہیں اور ان کی روایات

[1] جوامع السیرۃ لابن حزم، ص: ۲۷۵ و ما بعدھا.

حضرت ابو ہریرہ سے زیادہ ہیں اور پھر ابو ہریرہ اکیسویں کثرت حدیث میں مشہور نہیں ہے بلکہ بہت سی صحابہ بھی کثرت روایت میں مشہور ہیں، جیسے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمروؓ، ابو سعید خدریؓ، جابرؓ، عائشہؓ، انسؓ جیسے صحابہ جو تعلیم و تدریس کے لیے فارغ تھے۔

البتہ ابو ہریرہ کی روایات چند اسباب کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا کثرت سے میل ملاپ رکھنا:

چنانچہ آپؐ چار سال تک حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے جیسے کہ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت سی احادیث بیان کرتا ہے اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں حدیث بیان نہ کرتا پھر آپؐ نے سورہ بقرہ کی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾ سے لے کر ﴿الرَّحِيمِ﴾ تک دونوں آیات پڑھیں اور فرمایا: ہمارے مہاجر بھائیوں کو منڈیوں میں تجارتی کاروبار کی وجہ سے، اور ہمارے انصار بھائیوں کو باغات کی دیکھ بھال کی وجہ سے دربار رسالت میں میری طرح ہمہ وقت حاضری نصیب نہ ہوتی تھی اور ابو ہریرہ فقط ’قوت لایموت‘ پر گزرا کر کے بارگاہ رسالت میں اتنا حاضر رہتا جتنا دوسرے نہ رہتے تھے اور اتنا کچھ حفظ کر لیتا جتنا دوسرے حفظ نہ کرتے تھے۔^[1]

۲۔ ان کے حافظہ کے لیے حضرت نبی کریم ﷺ کی خصوصی دعا:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے پیارے رسول! میں آپؐ سے بہت کچھ سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ، چنانچہ میں نے چادر پھیلا دی، تو آپؐ نے

[1] صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب حفظ العلم، رقم: ۱۱۸، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۱۵۹۔

دونوں ہاتھوں کو ملا کر چلو بھرا (اور اس میں انڈیل کر) فرمایا: اسے اپنے سینے سے چٹا لو‘ چنانچہ میں نے اسے سینے سے چٹایا تو اس کے بعد مجھے کوئی چیز نہ بھولی۔“^[۱]

۳۔ ابو ہریرہ کا تعلیم کے لیے وقف رہنا۔

۴۔ ان کے شاگردوں اور ان سے نقل کرنے والوں کی کثرت۔

چنانچہ آپ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو تھی۔

۵۔ آپ کی تاخیر وفات:

چنانچہ آپ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

علاوہ ازیں آپ سے بیان کردہ روایت کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

① کچھ روایات ضعیف الاسناد ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں ہیں۔

② کچھ روایات مکرر ہیں۔

③ کچھ روایات کی ایک سے زائد اسناد سے ہیں۔

④ وہ روایات جو آپ نے عشرہ مبشرہ جیسے اکابر صحابہ اور اہمات المؤمنین وغیرہم سے روایت کی ہیں۔

⑤ کچھ روایات آپ پر موقوف ہیں جو وہ خود آپ کا کلام ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے تین سو چھبیس (۳۲۶) احادیث کو متفق علیہ بیان کیا ہے جبکہ اکیلے امام بخاری تیرانوے (۹۳) احادیث روایت کرنے میں منفرد ہیں اور امام مسلم (۹۸) اٹھانوے احادیث میں منفرد ہیں۔

پھر یہ احادیث حضرت ابو ہریرہؓ نے اکیلے ہی روایت نہیں کرتے بلکہ بہت سی

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب حفظ العلم، رقم: ۱۱۹، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، رقم: ۱۶۰۔

احادیث میں روایت کرنے میں دوسرے صحابہ کرام بھی شریک ہیں۔

باقی رہا شیعہ کے حضرت ابو ہریرہؓ پر کثرت روایت کے اعتراض کا الزامی جواب تو سنیے! ان کے جابر جعفی نے اکیلے امام محمد باقر سے ستر ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ اور باقی ائمہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث بیان کرتا ہے۔^[1]

اور ابان بن تغلب نے امام جعفر صادق سے تیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔^[2] اور محمد بن مسلم نے امام باقر سے تیس ہزار احادیث بیان کی ہیں۔ اور امام جعفر صادق سے سولہ ہزار احادیث روایت کی ہیں۔^[3]

حضرت ابو ہریرہؓ کا بے مثل حافظہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کے وسعت حافظہ پر امام حاکم کا بیان کردہ ایک واقعہ بھی شاہد عادل ہے جو انہوں نے مستدرک میں بیان کیا ہے

کہ ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلایا اور ان سے سوالات پوچھے اور ایک آدمی کو ان کے جوابات لکھنے کے لیے ایسی جگہ پر بٹھایا جہاں سے وہ ابو ہریرہؓ کو نظر نہ آسکے اور نہ ہی ابو ہریرہؓ کو اس کا علم ہو سکے۔

چنانچہ جب ایک سال گزر گیا تو اس آدمی کو اسی جگہ بٹھا کر حضرت ابو ہریرہؓ کو بلایا اور ان سے گزشتہ سال والے سوالات کے جوابات پوچھے، تو آپ نے من و عن اسی طرح بیان کر دیئے، نہ ان میں کچھ کمی کی، نہ اضافہ کیا اور نہ ہی ان میں تقدیم و تاخیر کی۔^[4]

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل علم کی شہادتیں:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

[1] خاتمة و سائل الشیعة ص: ۱۵۱. [2] رجال النحاشی ص: ۹.

[3] مشیعة الصلوق ص: ۶. [4] سیر اعلام النبلا ۲/ ۵۹۸.

”ابو ہریرہ احفظ من روى الحديث فى دهره“ [1]

”حضرت ابو ہریرہ اپنے زمانے میں احادیث روایت کرنے والوں سے بڑھ کر حافظ تھے۔“

ابوصالح ذکوانؒ فرماتے ہیں کہ :

”كَانَ ابو هريره احفظ اصحاب محمدؐ“ [2]

”حضرت ابو ہریرہ اصحابؓ رسولؐ میں سب سے بڑھ کر حافظ تھے۔“
امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”امام فقیہ مجتہد حافظ صاحب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سید الحُفَاطِ الْأَثْبَاتِ“ [3]

”حضرت ابو ہریرہؓ امام ہیں، فقیہ ہیں مجتہد ہیں، حافظ ہیں، حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں، اور مضبوط حفاظ کے سردار ہیں۔“

۲۵ کیا حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو اس قدر مارا کہ ان کا بچہ محسن ان کے پیٹ میں ضائع ہو گیا؟

جواب: یہ بات شیعہ کے بے بنیاد جھوٹوں میں سے ہے، وہ اس افترا کے ذریعے حضرت عمرؓ پر زبان طعن دراز کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ درحقیقت حضرت علیؓ پر، حضرت عمرؓ کے سامنے خاموش رہنے اور بزدلی دکھانے کا بہتان لگا رہے ہیں حالانکہ آپ رسول کریم ﷺ کے دلیر ترین صحابہ میں سے تھے، بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے اپنی لخت جگر ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ بیاہ دی تھی۔ [4]

۲۶ کیا یہ بات درست ہے کہ آیت مبہلہ

﴿ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا

[1] سیر اعلام النبلاء ۲/۵۹۹. [2] اصابة ۴/۲۰۳. [3] سیر اعلام النبلاء ۲/۵۷۸.

[4] تاریخ الاسلام عہد الخلفاء الراشدین: ۲۷۵، الکافی: ۳۴۶/۵.

وَأَنْفُسَكُمْ، ثُمَّ نَبَّيْهُمْ فَفَجَعَلُ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿١﴾

میں حضرت علیؑ، حضرت نبی کریم ﷺ کا متبادل بن گئے تھے؟ اگر آپ ان کی (متبادل) ذات تھے تو وہ دوسروں سے خلافت کے زیادہ حق دار ہوئے؟
جواب: اس استدلال کے بہت سے جوابات ہیں۔

① حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرات حسینؑ کو منتخب کیا، کیونکہ یہ تمام لوگوں کو نسبت آپ کے زیادہ قریبی تھے کیونکہ ان کے سوا آپ کی تمام اولاد اللہ کو پیاری ہو چکی تھی اور فقط یہی زندہ تھے، لہذا ان کو مباہلہ کے وقت بلایا گیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ مباہلہ قریبی رشتہ داروں میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر دور کے رشتہ داروں میں ہو تو مقصود حاصل نہیں ہوتا، اگر چہ وہ افضل بھی ہوں، کیونکہ انسانی جان اپنے قربت داروں پر جتنا ترس کھاتی ہے، اتنا دوسروں پر نہیں ٹہی کہ بسا اوقات انسان اپنے بیٹے کی زندگی کی خاطر خود ہلاک ہو جانا پسند کر لیتا ہے۔^[1]

② اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرات حسینؑ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ اپنے دوسرے رشتہ داروں کو نہیں لائے تھے، حالانکہ آپ کے چچا حضرت عباسؑ اور آپ کے چچا زاد عقیل بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن عباسؑ وغیرہم بھی موجود تھے، لیکن اس سے امامت بہر حال ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس آیت میں فاطمہ بھی تو داخل ہیں لیکن وہ اہل امامت میں نہیں ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کے قول (وَأَنْفُسَنَا) کو حضرت علیؑ پر محمول کرنا ٹھیک نہیں، کیونکہ حضرت علیؑ کسی صورت میں بھی حضرت نبی کریم ﷺ کے مساوی نہیں۔

④ حضرت علیؑ قرآن کی آیت کے لفظ ﴿وَأَبْنَاءَنَا﴾ میں داخل ہیں کیونکہ حضرت

[1] منهاج السنة النبویة: ۱۲۶/۷، صفحہ الآثار والمفاهیم: ۱۴۵/۴۔

رسول کریم ﷺ نے ان کی پرورش کی اور ان کا اپنی بیٹی سے نکاح کیا، لہذا وہ آپ کے بیٹے کی طرح تھے۔

⑤ (وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ) سے مراد یہ ہے کہ میں اور تم کیونکہ آدمی اپنے دل کو پکارتا ہے اور دل اسے پکارتا ہے جس طرح فرمان الہی ہے: ﴿فَقَطَّوْعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ﴾ کہ اس کے دل نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر اکسایا۔

اور جیسے کہ ہم عموماً کہہ دیتے ہیں کہ میں نے اپنے دل سے مشورہ کیا اور میں نے اپنے دل کو بلایا۔^[1] اور اگر (وَأَنْفُسَنَا) سے حضرت رسول کریم ﷺ کی مراد حضرت علیؑ ہوتے تو یہ بات لازمی تھی کہ دوسری طرف مقابلے میں بلانے والا کوئی ایسا آدمی ہوتا جو آپ کے ہم پلہ ہوتا۔^[2]

[2] روح المعانی: ۳/۲۰۲۔

[1] مختصر تحفہ اثنا عشریہ، ص: ۱۵۶۔

خاتمة الكلام

یہ کتاب دراصل ان لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے جو اصحاب رسول پر زبان طعن دراز کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جن ہستیوں پر تم زبان طعن دراز کرتے ہو، انہوں نے اپنے کردار سے تاریخ کو معطر کر دیا اور اپنی گفتار سے اسے نکھار دیا اور اپنے ایسے اعمال سے اسے خوبصورت بنایا کہ اگر تمہیں عمر نوح بھی مل جائے تو ان کے کارناموں کے عشر عشر کو بھی نہ پہنچ سکو گے۔

یہ قرآن ان کی شہادت دیتا ہے اور سنت مصطفیٰ ان کی صفائی دیتی ہے اور انہیں عادل قرار دیتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ذریعے قرآن کی حفاظت کی اور وہ قرآن کے راوی اور اس کے حاملین اور مفسرین ہیں۔

انہوں نے سنت مصطفیٰ کو پھیلایا اور اس کی تبلیغ کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ذریعے بندوں کو ہدایت عطا فرمائی اور ان کے ذریعے اور ان کی خاطر ملکوں کو فتح کیا۔

انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنے اہل و عیال مال و دولت اور وطن کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نصرت کی۔

انہوں نے مرتدین سے لڑائیاں لڑیں اور انہیں مغلوب کر کے سیدھی راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا۔

انہوں نے مصر، عراق، ایران، بھتان اور خراسان کو فتح کیا یہاں تک کہ وہ ہندوستان اور چین تک جا پہنچے، یہ ہے ان کی سنہری تاریخ!

اے زبان طعن دراز کرنے والو! تم اپنے رب کی عظمت و کبریائی کو مد نظر رکھ کر بتاؤ کہ تم نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا؟ اور بتاؤ تمہاری تاریخ کیا ہے؟

أَقْلُوا عَلَيْهِمْ لَا أَبَا لَا يَبِيكُم مِّنَ
اللَّوْمِ أَوْ سُدُّوا الْمَكَانَ الَّذِي سَدُّوا (۱)

”کہ تمہارے باپ کا باپ نہ ہو تم ان کی ملامت میں نرم روی اختیار کرو! یا اس خلا کو پُر کرو جیسے انہوں نے پُر کیا ہے۔“

اگر دین بھی تمہیں ان کی کردار کشی سے باز نہیں رکھ سکتا تو! ذرہ بھر حیا ہی کر لو!

[1] یہ شعر، طہر کے اس قصیدے کا ہے جو اس نے آل شمس کی مدح میں کہا تھا، لیکن مولف کی ذہانت پر قربان جائے، اس نے کس مہارت کے ساتھ اسے صحابہ کرام کی شان پر، دانت پینے والوں پر، فٹ کیا ہے! اس قصیدے کے دیگر چار اشعار تو حقیقتاً صحابہ کرام کے لیے ہی موزوں ہیں اور وہ یہ ہیں:

أُولَئِكَ قَوْمٌ إِنْ بَنَوْا أَحْسَنُوا بِنَا
وَإِنْ عَاهَدُوا أَوْفَوْا وَإِنْ عَقَلُوا شَدُّوا
يَسُوسُونَ أَحْلَامًا بَعِيدًا أَنَاتُهَا
وَإِنْ غَضِبُوا جَاءَ الْحَفِيفَةُ وَجِدَ
وَإِنْ كَانَتْ النُّعْمَى عَلَيْهِمْ حَزُوا نَهَا
وَإِنْ انْعَمُوا لَا كَلَرُوهَا وَلَا كَدُّوا

مُطَاعَيْنِ فِي الْهَيْجَا مَكَاثِيفُ الدُّخَى
بَنَى لَهُمْ آبَائُهُمْ وَبَنَى الْخُذْ

تَمَّ الْكِتَابُ بِحَمْدِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ

اتیس رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ حرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً
ابو محمد عثمان بن محمد تمیمی آل خمیس الناصری عفا للہ عنہ و عرو الدیہ
و تم ترجمۃ الكتاب ۲۶ ذی قعدہ الساعۃ الحادی عشر و نصف لیلاً ۲۰۰۲ء
عبد الجبار سلفی عفا اللہ عنہ و عن والدیہ

مراجع ومصادر

- ۱- اسد الغابة فى معرفة الصحابة- ابن الأثير- مكتبة الشعب- القاهرة
- ۲- إعراب القرآن وصرفه و بيانه- محمود صافى- دار الرشيد- بيروت- ط ۱- ۱۴۱۱
- ۳- الإصابة فى تمييز الصحابة- ابن حجر العسقلانى- دار الكتاب العربى- بيروت
- ۴- الاستيعاب فى اسماء الاصحاب- ابن عبد البر- دار الكتاب العربى- بيروت
- ۵- البداية والنهاية- ابن كثير- دار الكتب العلمية- بيروت- ط ۱- ۱۴۰۳
- ۶- التاريخ الإسلامى- محمود شاکر- المكتب الإسلامى- بيروت- ط ۴- ۱۴۰۵
- ۷- التاريخ الكبير- البخارى- توزيع دار الباز- مكة المكرمة
- ۸- الحرح ولا تعديل- ابن ابى حاتم- دار إحياء التراث- بيروت- ط ۴- ۱۴۰۵
- ۹- الخلافة الراشدة والدولة الاموية من فتح البارى- يحيى اليعشى- دار الهجرة- الرياض- ط ۱- ۱۴۱۷
- ۱۰- السنة لابن ابى عاصم- ابن ابى عاصم- المكتب الإسلامى- بيروت- ط ۲- ۱۴۰۵
- ۱۱- السنة للخلال- ابو بكر الخلال- تحقيق د- عطية الزهرانى- دار الراية- الرياض- ط ۱- ۱۴۱۰
- ۱۲- الشيعة و اهل البيت- احسان الهى ظهير- ترجمان السنة- باكستان- ط ۱۰- ۱۴۱۵
- ۱۳- الطبقات الكبرى- ابن سعد- دار صادر- بيروت
- ۱۴- العبقريات الإسلامية- عباس العقاد- دار الآداب- بيروت- ط ۲- ۱۹۲۸
- ۱۵- العواصم من القوام- ابن العربى- تحقيق محب الدين الخطيب- دار الكتب السلفية- بيروت- ط ۱- ۱۴۰۶
- ۱۶- الفصل فى الملل والأهواء والنحل- ابن حزم- تحقيق د- محمد ابراهيم نصر- دار

البل بیروت۔

- ۱۷۔ الکافی۔ ابو جعفر الكلینی۔ تحقیق علی اکبر الغفاری۔ دار الضواء بیروت۔ ۱۴۰۵
- ۱۸۔ الكامل فی التاريخ۔ ابن الأثیر۔ دار الكتاب العربی۔ بیروت۔ ط ۵-۱۴۰۵
- ۱۹۔ الکفایة فی علم الروایة۔ الخطیب البغدادی۔ دار الکتب الحدیثة۔ القاهرة۔ ط ۲
- ۲۰۔ المستدرک علی الصحیحین۔ الحاكم۔ دار الكتاب العربی۔ بیروت
- ۲۱۔ المطالب العالیة۔ ابن حجر العسقلانی۔ تحقیق غنیم بن عباس۔ دار الوطن۔
الریاض۔ ط ۱-۱۴۱۸
- ۲۲۔ المغنی۔ ابن قدامة۔ دار الفکر۔ بیروت۔ ط ۱-۱۴۰۵
- ۲۳۔ المنتقى من منهاج السنة۔ الذهبي۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ المكتبة السلفية
القاهرة۔ ط ۳
- ۲۴۔ النهاية فی غریب الحديث۔ ابن الاثیر۔ تحقیق طاهر الراوی۔ المكتبة العلمية۔ بیروت
- ۲۵۔ بحار الأنوار۔ محمد باقر المجلسی۔ مؤسسة الوفاء۔ بیروت۔ ط ۲-۱۴۰۳
- ۲۶۔ تأویل مشکل القرآن۔ ابن قتیبہ۔ تحقیق أحمد صقر۔ دار التراث۔ القاهرة۔ ط ۲-۱۳۹۳
- ۲۷۔ تاریخ الاسلام۔ الذهبي۔ تحقیق عمر عبد السلام۔ دار الكتاب العربی۔
بیروت۔ ط ۲-۱۴۰۹
- ۲۸۔ تاریخ طبری۔ ابن جریر۔ دار العلمی۔ بیروت۔ ط ۵-۱۴۰۹
- ۲۹۔ تاریخ خلیفة بن خیاط۔ تحقیق اکرم ضیاء العمری۔ دار طيبة۔
الریاض۔ ط ۲-۱۴۰۵
- ۳۰۔ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة من تاریخ الطبری۔ دمحم أمحزون۔ مکتبة
الکواثر الریاض۔ ط ۱-۱۴۱۵
- ۳۱۔ تفسیر الصافی۔ الفیض الکاشانی۔ دار الأعلمی۔ بیروت۔
- ۳۲۔ تفسیر الطبری۔ ابن جریر۔ دار الریان۔ دار الحديث۔ القاهرة۔ ۱۴۰۷
- ۳۳۔ تفسیر القرآن العظیم۔
- ۳۴۔ تهذیب التهذیب۔ ابن حجر العسقلانی۔ دائرة المعارف النظامیة۔ حیدر آباد۔
الهند۔ ط ۱-۱۳۲۵
- ۳۵۔ ثم اهتدیت۔ التیجانی۔ مؤسسة الفجر۔ لندن۔ ۱۴۱۱
- ۳۶۔ خصائص علی۔ النسائی۔ تحقیق احمد البلوشی۔ مکتبة المعلا۔ الكويت۔ ط ۱-۱۴۰۶

- ۳۷۔ خلفاء الرسو۔ خالد محمد خالد۔ دارالکتاب العربی۔ بیروت۔ ط ۱۔ ۱۳۹۴
- ۳۹۔ دیوان المتنبی۔ المتنبی۔ المكتبة الثقافية۔ بیروت۔
- ۴۰۔ رجال الکشی۔ ابو عمر الکشی۔ تقدیم احمد السید الحسینی
- ۴۱۔ رجال النحاشی۔ ابو العباس النحاشی۔ مکتبۃ الداودی۔ قم۔ ایران
- ۴۲۔ رجال حول الرسول۔ خالد محمد خالد۔ دارالکتاب العربی۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۹۷۳
- ۴۳۔ رسالۃ الایمان۔ الحائری الإحقاقی۔ مکتبۃ الصادق۔ الکویت۔ ط ۲۔ ۱۴۱۲
- ۴۴۔ روح المعانی۔ محمود الألوسی۔ دار الفکر۔ بیروت۔ ۱۴۱۴
- ۴۵۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ۔ الالبانی۔ المکتبۃ الاسلامی۔ دمشق۔ ط ۳۔ ۱۴۰۳
- ۴۶۔ سنن ابی داؤد۔ سلیمان بن الأشعث۔ مراجعة محمد محیی الدین۔ المکتبۃ الاسلامیۃ۔ استانبول۔
- ۴۷۔ سنن ابن ماجۃ۔ ابن ماجۃ۔ تحقیق الاعظمی۔ شرکت الطباعة العربیة السعودیة۔ ط ۲۔ ۱۴۰۴
- ۴۸۔ سنن البیهقی۔ البیهقی۔ دار المرفۃ۔ بیروت
- ۴۹۔ سنن الترمذی۔ محمد بن عیسیٰ۔ تحقیق احمد شاکر۔ إحياء التراث العربی۔ بیروت
- ۵۰۔ الدارمی۔ الدارمی۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت
- ۵۱۔ سنن النسائی۔ النسائی۔ تحقیق عبد الفتاح ابو غدة۔ دار البشائر۔ بیروت۔ ط ۳۔ ۱۴۰۶
- ۵۲۔ سیر أعلام النبلاء۔ الذہبی۔ اشرف شعيب الارتاؤط۔ مؤسسة الرسالة۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۴۰۲
- ۵۳۔ صحابة رسول الله فی کتاب والسنة۔ عیادة ایوب الکیسی۔ دار القلم۔ دمشق۔ ط ۱۔ ۱۴۰۷
- ۵۴۔ صحیح مسلم۔ مسلم بن الحجاج۔ تحقیق محمد فواد عبد الباقي۔ دار إحياء التراث العربی۔ بیروت
- ۵۵۔ صفوة الآثار و المفاهیم من تفسیر القرآن العظیم۔ عبد الرحمن الدوسری۔ ط ۱۔ ۱۴۰۵
- ۵۶۔ عبد الله بن سبا و أساطیر أخرى۔ مرتضیٰ۔ العسكري۔ دار الزهراء۔ بیروت۔ ط ۵۔ ۱۴۰۳
- ۵۷۔ فاسألوا أهل الذکر۔ التيجانی۔ مؤسسة الفجر۔ لندن۔ ۱۴۱۲

- ۵۸۔ فتح الباری۔ ابن حجر العسقلانی۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ تعلیق ابن باز۔
المکتبۃ السلفیۃ۔
- ۵۹۔ فرق الشیعۃ۔ النوبختی۔ دار الأضواء۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۴۰۴۔
- ۶۰۔ فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الأرباب۔ حسین النوری۔ الطبرسی۔ بعنایۃ
محمد رضا الطباطبائی۔ طبعۃ حجریۃ۔ ۱۲۹۸
- ۶۱۔ فضائل الصحابة۔ احمد بن حنبل۔ تحقیق وصی اللہ عباس۔ دار العلم۔ جدۃ۔
ط ۱۔ ۱۴۰۳
- ۶۲۔ فی الشعر الجاهلی۔ طہ حسین۔ دار الکتب المصریۃ۔ ط ۱۔ ۱۳۴۴
- ۶۳۔ قصص الأنبياء۔ عبد الوہاب۔ النجار۔ دار الفکر۔ بیروت
- ۶۴۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمة۔ الأربلی۔ دار الأضواء۔ بیروت۔
- ۶۵۔ لسان العرب۔ ابن منظور۔ دار صادر۔ بیروت
- ۶۶۔ لسان المیزان۔ ابن حجر العسقلانی۔ مؤسسة العلمی۔ بیروت۔ ط ۳۔ ۱۴۰۶
- ۶۷۔ لماذا اخترت مذهب الشیعۃ؟۔ محمد مرعی الأطاکی۔ ط ۳۔ حلب۔ مؤسسة الوفاء
- ۶۸۔ مجموع الفتاوی۔ ابن تیمیۃ۔ جمع عبد الرحمن قاسم
- ۶۹۔ مختصر التحفة الإثنی عشریۃ۔ شاه عبد العزیز الدہلوی۔ اختصار محمود شکر
الألوسی۔ تحقیق محب الدین الخطیب۔ المطبعۃ السلفیۃ۔ ۱۳۷۳۔
- ۷۰۔ مختصر تاریخ دمشق۔ ابن منظور۔ تحقیق روحیۃ النحاس۔ دار
الفکر۔ دمشق۔ ط ۱۔ ۱۴۰۴
- ۷۱۔ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری۔ یحییٰ الیحییٰ۔ دار العاصمة۔
الریاض۔ ط ۱۔ ۱۴۱۰
- ۷۲۔ مستدرک الوسائل۔ النووی الطبرسی۔ مؤسسة آل البيت۔ قم۔ ایران۔ ط ۱۔ ۱۴۰۷
- ۷۳۔ مسند احمد۔ احمد بن حنبل۔ دار الکتب العلمیۃ۔ ط ۲۔ ۱۳۹۸۔ المیمنیۃ۔
- ۷۴۔ مسند احمد۔ احمد بن حنبل۔ تحقیق احمد شاکر۔ دار المعارف۔ القاہرۃ۔ ۱۳۷۷
- ۷۵۔ مصنف ابی شیبۃ۔ ابو بکر بن ابی شیبۃ۔ تحقیق عبد الحالی الأفغانی۔ الدار
السلفیۃ۔ الہند۔ ۱۳۹۹
- ۷۶۔ مصنف عبد الرزاق۔ الصنعانی۔ تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی۔ المکتب
الإسلامی۔ بیروت۔ ط ۲۔ ۱۴۰۳

- ۷۷۔ معجم الطبرانی۔ الكبير۔ الطبرانی۔ تحقیق حمدي السلفی۔ ط ۲
- ۷۸۔ معرفة الصحابة۔ ابو نعیم۔ الأصبهانی۔ تحقیق د۔ محمد راضی۔ مكتبة الدار
المدينة ط ۱۔ ۱۴۰۸
- ۷۹۔ مقدمة ابن خلدو۔ ابن خلدون۔ دار الفكر
- ۸۰۔ منهاج السنة النبوية۔ ابن تیمیہ۔ تحقیق محمد رشاد سالم۔ ط ۱۔ ۱۴۰۶
- ۸۱۔ میزان الاعتدال۔ الذهبي۔ تحقیق علی البحاورى۔ دار المعرفة۔ بیروت
- ۸۲۔ نهج البلاغة۔ دار التعارف۔ بیروت۔ ط ۱۔ ۱۴۱۰
- ۸۳۔ وسائل الشيعة۔ الحر العاملي۔ تحقیق مؤسسة آل البيت۔ قم۔ ایران۔ ط ۱۔ ۱۴۰۹

بعثت رسول سے واقعہ کربلا تک

یہ کتاب حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات سے لے کر نواسہ رسول سیدنا حسینؑ بن علیؑ المرتضیٰ کی شہادت ۶۱ھ تک کے اہم ترین عرصہ پر مشتمل ہے۔
اس کتاب میں مندرجہ ذیل اہم موضوعات پر بحث کی گئی ہے

سقیفہ بنی ساعدہ، قصہ شوریٰ، حضرت عثمانؓ پر اعتراضات، شہادت عثمانؓ، خلافت علیؑ المرتضیٰ، معرکہ جمل، معرکہ صفین، معرکہ نہروان، شہادت علیؑ المرتضیٰ، خلافت حسنؓ بن علیؑ بن ابی طالب، عام الجملہ، خلافت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، خلافت یزید بن معاویہؓ، شہادت حسینؓ بن علیؑ، صحابہ کرامؓ کی عدالت پر پاکدامنی صحابہ کرامؓ کے متعلق پھیلانی گئی بدگمانیاں اور ان کے جوابات امامت علیؑ المرتضیٰ کی اولیت کے دلائل اور ان کے جوابات۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس عمل کو اپنی خوشنودی کے لیے خالص کر دے اور اس کتاب کو ہدایت کا فانوس اور ہم پر اصحاب رسول کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ بنادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

المؤلف

ادارۃ بناء المساجد دال بازار گوجرانوالہ



مجلس تحفظ ناموس و ایمان پاکستان